میں تارا تارا جاگوں!

بشریٰ سعید



میں تارا تارا جاگوں!

بشریٰ سعید

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔
فون: 37352332، 37232336، 37223584
www.ilmoirfanpublishers.com
ilmoirfanpublishers@hotmail.com

نام کتاب	....	میں تارا تارا جاگوں تیرے نام
مصنفہ	....	بشریٰ سعید
اہتمام	....	علم و عرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	....	روشن پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ	....	اورنگ زیب/ دلدار حسین
سنِ اشاعت	....	اکتوبر 2016ء
قیمت	....	-/300 روپے

ملنے کا پتہ

علم و عرفان پبلشرز

40۔ الحمد مارکیٹ' لاہور

فون: 37232336-37352332-042

اشرف بک ایجنسی	**کتاب گھر**
اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی	اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی
خزینہ علم و ادب	**ویلکم بک پورٹ**
الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور	اُردو بازار، کراچی
بیکن بکس	**رشید نیوز ایجنسی**
گلگشت کالونی، ملتان	اخبار مارکیٹ، اُردو بازار، کراچی
کشمیر بک ڈپو	**فرید پبلشرز**
تلہ گنگ روڈ، چکوال	اُردو بازار، کراچی

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرماویں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ (ناشر)

انتساب!

شفیق الرحمٰن کے نام

پیش لفظ

میرے پڑھنے والوں کی اکثریت مجھے سنجیدہ تحریروں کے حوالے سے پہچانتی ہے۔
مجھے اپنی یہ شناخت عزیز ہے البتہ میں نے خود کو کسی ایک خاص صنف تک محدود نہیں رکھا۔ میں نے طربیہ تحریریں بھی رقم کیں اور اس کتاب میں میرے دو طربیہ ناول **''میں تارا تارا جاگوں تیرے نام''** اور **''ہن بادل وار برس ڈھولا''** پیش کیے جا رہے ہیں۔
مزاح نگاری ایک ایسا معرکہ ہے جسے سَر کرنے کی خاطر لکھاری کو بہت سی احتیاطی تدابیر درکار ہوتی ہیں۔ اسلوب سادہ ہو، بناوٹ سے عاری ہو، کہانی کے پلاٹ میں ایسی گتھیاں نہ ہوں جنہیں سلجھاتے ہوئے قاری کا ذہن بوجھل ہو جائے۔ پھر یہ بھی ہے کہ شعوری کوشش سے ان حربوں کو آزمایا جائے تو فطری پن باقی نہیں رہتا۔ یہی وجوہ ہیں جن کی بنا پر مزاح لکھتے ہوئے میں نے کوشش کی ہے کہ کوشش نہ کروں!
''میں تارا تارا جاگوں تیرے نام'' کی کہانی ایک ایسے کردار کے گرد بُنی گئی ہے جسے میں ذاتی زندگی میں دیکھ اور مل چکی ہوں۔ ''رانیہ'' جیسی ایک لڑکی میری ہم جماعت اور دوست تھی۔ اس کا زندگی برتنے کا سلیقہ لگ بھگ رانیہ جیسا ہی تھا۔ اس کا نام یہاں ظاہر نہیں کروں گی کیونکہ غیر ضروری ہے۔
یہ کہانی اس دور کی نمائندہ ہے جب نجی ٹی وی چینلز کی بھرمار نہ ہوئی تھی تو اسی تناظر میں مطالعہ کیجئے گا۔ میں اس ناول کو شفیق الرحمٰن صاحب کے نام معنون کر رہی ہوں اگرچہ جانتی ہوں کہ ان کے شایانِ شان نہیں ہے۔
دوسرا ناول **''ہن بادل وار برس ڈھولا''** ادارہ چاندنگر سے جاری ہونے والے کسی رسالے میں شائع ہونے والی میری پہلی تحریر ہے۔ اس ناول کو حاصل ہونے والی مقبولیت کم از کم میرے لیے خوشگوار حیرانی کا موجب تھی۔ اشاعت سے لے کر آج کے دن تک اس کے قارئین کی تعداد بڑھتی رہی۔ آپ کی دعاؤں اور چاہت کی طالب ہوں۔
علم و عرفان پبلشرز کی پوری ٹیم بالخصوص گلفراز احمد صاحب نے اس کتاب کو بہترین روپ میں پیش کرنے کے سلسلے میں اپنا کردار بخوبی نبھایا۔ تہہ دل سے ان کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

بشریٰ سعید
25 جولائی 2016ء

میں تارا تارا جاگوں تیرے نام

''تم ریشم کا پوسٹر دیکھ دیکھ کر آنکھیں ہی سینکتے رہو گے یا بکنگ کرانے بھی جاؤ گے۔'' اس نے جھنجھلا کر ساکت کھڑے دانیال کو کندھے سے تھام کر جھنجھوڑا۔

''دیکھو تو ٹکٹ لینے والوں کی قطار۔ آ۔ آپ۔'' جن موصوف کے کندھے پر بڑے استحقاق سے ہاتھ رکھا تھا۔ ان کی صورت دیکھ کر اس کی سانس حلق میں اٹک گئی۔

''میں۔ میں سمجھی آپ۔ وہ دانال۔ دانیال ہیں'' اسے خشمگیں نظروں سے اپنی طرف گھورتے پا کر اس پر بوکھلاہٹ کا شدید غلبہ ہو گیا تھا اور زبان غوطے پہ غوطہ کھانے لگی تھی۔

''ٹکٹ کی سیٹیں لینے۔ نہیں ٹاکس کی بکٹیں۔ باکس۔ خدا کی مار ہو اس زبان پہ۔ آپ نے کیا گھورنا شروع کر رکھا ہے۔'' اس کی دبی دبی مسکراہٹ نے اسے سبکی کا احساس دلایا تو اس کی آواز دھیرے دھیرے بلند ہونے لگی۔

''ایسا کیا قصور ہو گیا مجھ سے جو آپ ایسی نظروں سے مجھے دیکھ رہے ہیں اگر آپ کو دانیال سمجھ کر پکار ہی بیٹھی تو کوئی گناہ ہو گیا؟''

خفت مٹانے کے لیے اسے یہی سوجھا تھا کہ فریق مخالف کو جارحیت کے پھیر میں الجھا دیا جائے۔

''نہ جانے کیا ہو گیا ہے دنیا کو۔ ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہیں معمولی غلط فہمی کو ایسا رنگ دے رہے ہیں جیسے قتل کے سوچے سمجھے منصوبے کا پول کھل گیا ہو۔ آپ نے اسی رنگ اور اسی تراش کا سوٹ پہن رکھا ہے۔ جیسا دانیال نے پہنا ہوا ہے آپ کی طرح اس نے بھی چند روز پہلے کیڈٹ کٹ کروائی ہے۔ اب حلیے میں اتنی مماثلت ہو تو پشت سے دیکھ کر دھوکہ تو ہو ہی سکتا ہے۔ بس اتنا قصور ہے میرا جس پر پچھلے پانچ منٹ سے مسلسل میں وضاحتیں پیش کر رہی ہوں اور آپ مجھے گھورے چلے جا رہے ہیں۔ میں پوچھتی ہوں یہ کوئی انسانیت ہے بھلا۔''

بولتے ہوئے اچانک اسے احساس ہوا کہ اس شخص نے ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا اور اس کے ہونٹ اس طرح بھینچے ہوئے تھے جیسے ہنسی کو بمشکل دبا رکھا ہو تو سابقہ شرمندگی کا احساس جسے وہ پچھاڑنے کی کوشش کر رہی تھی اس نو دریافت شرمندگی کے ساتھ مل کر اس پر ایسا چھایا کہ ایک بار تو اس کا دل چاہا کہ وہ دیوار

پر اس جگہ سر ٹکرا دے جہاں صائمہ ہاتھ میں گز بھر لمبے پھل والا خنجر پکڑے اور چہرے پر ''ساری دنیا کو تہس نہس کردوں گی۔'' جیسے ایکسپریشن لیے اس کی طرف خونیں آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ یا کم از کم اتنا تو ضرور کرے کہ اس شخص کے منہ پر ایک زوردار بلکہ بہت ہی زیادہ زوردار تھپڑ رسید کر کے وہاں سے بھاگ جائے۔ مگر ان ہر دو خواہشات میں سے کسی پر بھی عملدرآمد کیے بغیر اس نے خاموشی سے سر جھکا کر ایک شکست خوردہ اباؤٹ ٹرن لیا اور اتنی تیزی سے اس مقام سے دور ہونے لگی کہ سامنے سے آتے ہوئے نو دس سال کے بچے سے ہونے والے ٹکراؤ کو وقوع پذیر ہونے سے نہ روک سکی۔

چند لمحے تک تو اس کا دماغ سنسناتا رہا گردوپیش کا منظر کچھ واضح ہوا تو بچہ اس کے قدموں میں لیٹا چھپکلی کی کٹی ہوئی دم کی طرح تڑپ رہا تھا اور اس کا باپ یا سرپرست بالکل ویسے ہی تاثرات چہرے پر پھیلائے اسے دیکھ رہا تھا جیسے وہ صائمہ کی تصویر میں چند لمحے پہلے دیکھ چکی تھی۔ ابھی وہ اندھا دھند بھاگنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اس آدمی نے مگرمچھ جیسا منہ پھاڑ کر اسے لتاڑنا شروع کر دیا۔

''کیسے بھاگی چلی آ رہی ہے۔ اندھوں کی طرح سینما نہ ہوا گراؤنڈ ہو گیا۔ معصوم بچے کو کچل کے رکھ دیا اتنا ہی شوق ہے بھاگ دوڑ کا تو روڈ پہ جا کے دوڑو۔''

اس نے تمتمائے ہوئے چہرے کے ساتھ ذرا کی ذرا پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ صاحب بھی ادھر ہی متوجہ تھے اور موجودہ صورت حال سے خاصے محظوظ نظر آ رہے تھے۔ طیش کی ایک شدید لہر اسے اپنے وجود میں برق کی طرح پھیلتی محسوس ہوئی۔

اس نے کھا جانے والی نظروں سے پہلے اس آدمی کو دیکھا جو مسلسل معصوم بچہ، کچل دیا، مار دیا، اندھی، نابینا، وغیرہ کی گردان کر رہا تھا اور پھر اس کی قہر آلود نگاہوں کا مرکز وہ بچہ بنا جو ہنوز فرش پر لیٹا مکر کر رہا تھا۔ سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے وہ یوں کراہ رہا تھا جیسے شدید زخمی ہو۔

''اس لڑکے کی اداکاری کی داد دینا پڑے گی۔ میرے پیٹ میں ٹکر مار کر مجھے دہلا کر رکھ دیا اور......''

''او مائی کوئی خدا کا خوف کرو۔''

اس شخص نے اسے بولنے کا موقع دیے بغیر ایک اور ستم توڑ دیا۔

''مائی۔ مائی۔'' در و دیوار اس لفظ کی بازگشت سے گونج اٹھے۔ اسے لگا جیسے کنکریٹ کی چھت اس کے سر پر آن گری ہو۔

''معصوم بچے کو گرا دیا اوپر سے کہتی ہو اداکاری کر رہا ہے۔ تمہیں ذرا بھی خدا کا خوف نہیں ہے کوئی کسر رہ گئی ہے تو اب تسلی کرلو۔'' پیوندی مونچھوں والے شخص نے تڑپتے اور بلکتے ہوئے لاڈلے کو بازوؤں میں بھر لیا تھا۔

اپنے لیے ''مائی'' کا خطاب سن کر اس کا دل ایک دم دنیا سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ چند ثانیے پہلے اس کے رگ و پے میں قہر و غضب موجیں مار رہا تھا، وہ اس آدمی کی طبیعت ٹھیک ٹھاک طریقے سے صاف کرنا چاہتی تھی۔ فرش پر لیٹ کر فریب کاری کا مظاہرہ کرتے لڑکے کو سچ مچ پاؤں تلے کچلنے کا ارادہ بھی اس کے پیش نظر تھا۔

مگر اب ایک پژمردگی اور مایوسی نے اسے احاطے میں لے لیا تھا۔ پیچھے دیکھے بنا بھی وہ اس نیوی بلو کلر کے شلوار سوٹ میں ملبوس آدمی کی مسکراہٹ کو جسم میں سوئیوں کی طرح پیوست ہوتے محسوس کر رہی تھی۔ روتے ہوئے معصوم بچے اور اس کے بکتے جھکتے ہمدرد کو چھوڑ کر وہ چپ چاپ باہر آ گئی۔ اس کے دماغ میں فتور آیا اور اٹھ کر اسے دیکھنے چل دی۔ اس ہولناک واقعہ کے بعد تو دانیال کے پیچھے آنے کے خیال کو وہ فتور ہی کہہ سکتی تھی۔

''یا اللہ یہ سب میرے ساتھ کیوں ہوا۔ آخر میرا قصور کیا ہے؟ فلم دیکھنے کا ارادہ کوئی ایسا جرم تو نہیں ہے جس کی اتنی کڑی سزا ملے اور ابھی تو میں نے فلم دیکھی بھی نہیں محض نیت سے تو کچھ نہیں ہوتا۔''

''مائی!'' اس کے بائیں طرف والی دیوار پر چسپاں رنگین پوسٹر میں ایک ایسی اداکارہ نے گلا پھاڑ کر قہقہہ لگایا جس کا نام اس نے مائی رکھا ہوا تھا۔

اس نے گھبرا کر دیوار کی طرف دیکھا۔ ہیروئن کے میک اپ تھپے چہرے کی جھریوں میں طنزیہ مسکراہٹ بری طرح پھنسی ہوئی تھی۔

''معاف کر مائی۔'' قریب ہی ایک آدمی نے مانگنے والی کو جھڑکا تو اسے شک سا گزرا جیسے اس آدمی نے فقط اسے سنانے کو یہ فقرہ بولا ہو۔

''یہ مجھے آخر ہوا کیا ہے یہ کوئی بات ہے بھلا' دیہاتی آدمی تھا۔ دیہاتی لوگ عورتوں کو ایسے ہی سخت قسم کے ناموں سے پکارتے ہیں۔ اس نے مجھے وہ والی مائی تھوڑی کہا ہے۔''

اس نے خود کو تسلی دیتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ اتنا ضرور ہوا کہ اس کوشش کے نتیجے میں اس کے ماتھے کی شکنوں میں اضافہ ہو گیا۔ سامنے پنواڑی کے کھوکھے کے قریب اسے ندرت کھڑی دکھائی دی تھی۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

''دانیال ملا۔''

''دانیال کہاں ہے؟''

ندرت کا فقرہ پورا ہونے سے پہلے اس نے سوال داغ دیا۔

''لو جی۔ دیکھ چکے فلم ہم تمہیں نہیں ملا کیا؟ پتہ نہیں کہاں غائب ہو گیا ہے۔ فلم شروع ہونے میں بس دس منٹ رہ گئے ہیں۔'' اس نے رسٹ واچ پر ایک نظر ڈال کر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔

''اور ٹکٹ ملنے کے کوئی آثار ہی نظر نہیں آ رہے۔ دانیال خدا معلوم بکنگ آفس کے آس پاس تو کہیں نظر نہیں آ رہا۔ ویسے یہ تمہارے منہ کو کیا ہوا ہے؟''

''کیوں کیا ہوا میرے منہ کو؟'' اس نے ترخ کر کہا۔

''میرا مطلب ہے کچھ پھیکا سا لگ رہا ہے۔ اترا ہوا سا۔''

''میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے بارے میں غور کرو۔ کتنی ہونق لگ رہی ہو اندازہ نہیں تمہیں، میں نے کہا بھی تھا۔ سہ پہر کا وقت ہے اتنا ڈارک آئی شیڈ مت لگاؤ اور سینما آنے کے لیے میک اپ کی

ضرورت ہی کیا تھی۔ یہاں کسے دکھانا تھا تمہیں تو گلی کی نکڑ تک جانا ہو تو دو گھنٹے آئینے کے سامنے ضائع کرنی ہو ضائع ہی کہنا چاہیے' بنتا بناتا ہے کچھ نہیں۔ ابھی دیکھ لو پوری مائی لگ رہی ہو۔''

اس نے انتقام کے دھارے کا رخ ندرت کی طرف موڑتے ہوئے ''مائی'' پر خصوصاً زور دیا۔

ندرت اس کی بات سن کر یوں تڑپ کر سیدھی ہوئی جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار لیا ہو۔

''خدا سمجھے تمہیں رانیہ تم خود ہو گی مائی۔ بلکہ ہوا تنے بڑے بڑے پھولوں والی چادر میں تم بالکل مائی لگ رہی ہو صد فی صد بلکہ چار سو فی صد مائی۔''

''میں تمہاری طرح ننگے سر بازاروں میں دندنانا پسند نہیں کرتی۔ باحیا اور مشرقی لڑکی ہوں اسی لیے سر ڈھانپ کر گھر سے نکلتی ہوں۔''

اس نے بظاہر بڑے مطمئن لہجے میں کہا اور سر پر چادر درست کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے مگر درست کرنے کے بہانے محتاط انداز میں چادر کو ذرا سا پیچھے کھسکا کر ایسی پوزیشن میں کر دیا کہ سر کی ہلکی سی جنبش سے ڈھلک کر شانوں پر آ گرے۔

ندرت کے کہنے پر اسے بھی خیال آ رہا تھا کہ شاید اس بکل کے باعث اسے ایسا خطاب سننا پڑا۔ اماں بھی تو شرم و حیا کے گہنے لے کر پیچھے پڑی رہتی تھیں۔

''آئے ہائے آدھی آستینوں والی قمیص اور گلے میں ننھی سی پٹی ایسے جو نچلے تو فلموں ڈراموں والیوں کو ہی بجتے ہیں۔''

''تو کیا میں بے حیا ہوں؟'' ندرت نے آنکھیں سکیڑتے ہوئے اسے گھورا۔

''مجھے کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم خود بہتر سمجھتی ہو۔'' شان استغنا سے کہتے ہوئے وہ ٹکٹ کے لیے ایک دوسرے کو دھکیلتے اور سر دھڑ کی بازی لگاتے ہوئے ہجوم کو دیکھنے لگی۔

''کس نے کی ہے بے حیائی؟'' انیقہ بھنی ہوئی مونگ پھلیوں سے بھرا لفافہ ہاتھ میں لیے آ گئی۔

''تھوڑی بہت ایکسپوزنگ کو بے حیائی کا نام دینا زیادتی ہے۔ بھئی پبلک کی ڈیمانڈ ہے ورنہ فلم بنانے والوں کو کیا ضرورت ہے ایسا کچھ دکھانے کی۔ وہ تو بیچارے اتنے محدود وسائل میں عوام کو سستی تفریح مہیا کر رہے ہیں۔ ہم خود ہی کہتے ہیں کہ سنسر پالیسی میں لچک ہونی چاہیے اور خود ہی تنگ نظری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔''

ان کی گفتگو سے وہ کچھ اور ہی سمجھی تھی' دونوں میں سے کسی نے بھی اس کی تصحیح کرنا ضروری نہ گردانا۔

''ویسے لگ رہا ہے یہ فلم بہت ہٹ ہو گی کیسا کھڑکی توڑ رش ہے اس ڈائریکٹر کی مسلسل تین فلمیں ہٹ گئی ہیں اس سال اور اس فلم کے بارے میں اخبار میں پڑھا تھا میں نے کہ تین گانے تو ایسے ہیں جنہیں سنسر سے پاس کرنے کے لیے بورڈ کے اراکین کو کم و بیش پچاس مرتبہ غور خوض کرنا پڑا۔ ہائے میں تو بس ان گانوں کے لیے آئی ہوں' نہ جانے کیا ہو گا ان میں جو سنسر بورڈ کے صبر کا امتحان بن گیا تھا۔ کاسٹ بھی تو دیکھو ناں کیسی زبردست ہے چن چن کے ایکٹر رکھے ہیں۔''

''کیا چن چن کے رکھے ہیں۔'' رانیہ نے تیز آواز میں کہا۔

''یہاں آتے ہوئے ہم پیچھے جتنے بھی سینما گھر چھوڑ کر آئے ہیں۔ تقریباً ان سب میں اسی کاسٹ پر مبنی فلمیں لگی ہیں اور اگر فلم کی قصیدہ گوئی سے تمہیں تھوڑی فرصت ہو تو اتنا ضرور بتا دینا کہ دانیال کہاں دفع ہو گیا ہے۔

میں نے کہا بھی تھا فلم دیکھنی ہے تو پیشگی بکنگ کروالو' عزت دار لوگوں والا تو کوئی طریقہ ہی نہیں ہے تم لوگوں میں منہ اٹھا کر آ گئے ہیں فلم دیکھنے ایسے دیکھی جاتی ہیں فلمیں؟''

''لو وہ آ گیا۔'' ندرت نے ڈھیلے قدموں سے چل کر آتے ہوئے دانیال کی طرف اشارہ کیا۔

''لٹکی ہوئی شکل دیکھ کر ہی پتہ چل رہا ہے کہ ناکام لوٹا ہے۔''

''ہائے فلم تو شروع بھی ہو گئی۔'' انیقہ کا دل اس خیال سے ڈوبنے لگا۔

''بھئی خواتین واپس چلیں۔ ہمارے مقدر میں ہی نہیں تھی یہ فلم۔'' اس نے افسردگی سے اطلاع دی۔''

''مگر کیوں؟'' انیقہ نے صدمے سے چور آواز میں دریافت کیا تاہم رانیہ اور ندرت نے خاموشی سے اسے گھورنے پر اکتفا کیا تھا۔

''باکس سارے بک ہو چکے ہیں۔''

''تو گیلری کے ٹکٹ خرید لیتے۔'' انیقہ فلم سے دستبردار ہونے پر آمادہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ آج کے پروگرام کی منصوبہ بندی میں بھی اس کا ہاتھ سب سے زیادہ تھا۔

''صرف لوئر اسٹال کے ٹکٹ مل رہے تھے۔ اور وہاں بیٹھ کر فلم دیکھنے سے تو بہتر ہے کہ ہم گھر جا کر کیرم یا کرکٹ کھیل لیں۔''

''تم نے آج تک کبھی کوئی کام ڈھنگ سے کیا ہے؟'' رانیہ کا ضبط جواب دے گیا۔

''میں نے کتنی دفعہ کہا کہ ایڈوانس بکنگ کروالو مجھے پہلے سے خدشہ تھا ہم خوار ہوں گے اور دیکھ لو کہ وہی کچھ ہی ہوا۔ جب بھی تمہارے ذمے کوئی کام ڈالا گیا تم نے یونہی ذلیل کیا۔ آئندہ سے کم از کم میں تو تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔ حد ہوتی ہے لاپروائی کی۔''

''کمال کرتی ہو رانیہ خوامخواہ بات بڑھا رہی ہو۔ اس میں بیچارے دانی کا کیا قصور ہم سب نے مل کر پروگرام بنایا تھا۔''

دانیال کی حمایت کرنے پر رانیہ نے آنکھوں میں قہر سمو کر ندرت کو دیکھا تھا۔

''یہ دانی کون ہے؟''

''بھئی اپنا دانیال اور کون۔'' ندرت نے بے نیازی دکھانے کی کوشش کی مگر اس کے ہونٹوں میں کروٹ لیتی جھینپی سی مسکراہٹ رانیہ کی تیز نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکی تھی۔ اس نے فوراً دانیال کے چہرے کا جائزہ لیا اور وہاں بھی کم و بیش ایسے ہی تاثرات پا کر اس کی بھنویں تن گئیں۔

''اس بات کا فیصلہ تو گھر جا کر ہوگا کہ یہ دانیال ہے یا دانی۔ آج تک ہم میں سے تو کسی نے اسے

ایسے فضول نام سے نہیں پکارا۔ اماں سے پوچھوں گی کہ انہیں تمہارا رکھا ہوا نام کیسا لگا۔‘‘

اس کے جلے ہوئے انداز پر دانیال کے ہونٹوں پر جاندار تبسم پھیلا ہوا تھا۔

’’اس بحث کے لیے یہ جگہ کچھ مناسب نہیں یہ مسائل گھر جا کر بہتر طور پر حل کیے جاسکتے ہیں۔ اب چلیں۔‘‘

دانیال نے بیرونی راستے کی طرف قدم بڑھائے۔

’’کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم کسی ہوٹل وغیرہ میں بیٹھ کر وقت گزار لیں اور سات بجے والا شو دیکھ لیں۔‘‘

انیقہ نے ایک آخری کوشش کر دیکھی۔

رانیہ نے جھپٹ کر اسے بازو سے پکڑا اور اپنے ساتھ گھسیٹنے لگی۔

’’اور جب گیارہ بجے گھر پہنچیں تو ابا ہم سب کی قبریں کھدوا کر ہمیں زندہ گاڑ دیں۔ پھر منکر نکیر کو اسی فلم کی اسٹوری سنا دینا اور ممکن ہو تو کچھ گانوں کے منتخب بول بھی گا کر سنا دینا۔ تمہاری تو آواز بھی خوب ہے۔‘‘

’’تم سب کی ماں بننے کی کوشش مت کرو رانیہ۔‘‘

انیقہ نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے طیش سے کہا۔

’’حالانکہ یہ کوشش اسے سوٹ بہت کرتی ہے اس کی عمر تو ہم سب سے زیادہ ہے۔‘‘ ندرت کہاں کوئی موقع جانے دیتی تھی۔

’’کیا کہا۔ میری عمر زیادہ ہے؟‘‘ رانیہ اس حملے کا جواب دینے کے لیے تیزی سے مڑی۔

’’پھوپھو نے خود مجھے بتایا تھا کہ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں تم موجود تھیں۔ بلکہ ریڈیو پر خبریں بھی سنا کرتی تھیں یہ تو اسکول میں داخل کروانے کے لیے تمہاری ڈیٹ آف برتھ میں اتنی کمی کرنی پڑی کہ لکھواتے ہوئے پھوپھا جان کی آنکھوں میں بھی شرم سے آنسو آگئے۔ مگر کیا کرتے مجبوری تھی ورنہ تعلیم بالغاں کے اسکول میں داخل کروانا پڑتا۔

شکر ہے تم نے اکہتر کی جنگ پر ہی اکتفا کر لیا ورنہ تم جیسے دروغ گو سے کچھ بعید نہیں تھا کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا ذکر کر دیتیں۔

اپنی قدامت کا ذرا حساب لگاؤ۔‘‘

’’ایسی گیگلی تو تم بھی نہیں ہو۔ تم خود اپنی زبان سے مجھے بتا چکی ہو کہ بابرہ شریف کی فلمیں دیکھنے کے لیے تم اسکول سے بھاگ کر سینما جایا کرتی تھیں۔ اب یہ تو سب جانتے ہیں کہ بابرہ شریف کی فلمیں کس زمانے میں لگتی تھیں۔‘‘

’’وہ تو صرف ایک فلم کا قصہ تھا اور وہ بیس سال بعد دوبارہ لگی تھی۔‘‘

رانیہ بھی ہار ماننے پر تیار نہ تھی۔ مجبوراً دانیال کو مداخلت کرنا پڑی۔

’’خدا کے لیے ننھی بچیو خاموش ہو جاؤ۔ تم لوگ پیدل کیوں چل رہی ہو۔ ٹرائی سائیکل یا بیٹھک واکر میں ہی آجاتیں۔

دانیال جو گردن موڑ کر بات کر رہا تھا کو اچانک جانے کیا یاد آیا کہ انہیں گیٹ کے قریب چھوڑ واپس اندرونی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔

ان تینوں نے رک کر اس کے تعاقب میں نگاہیں دوڑائیں۔ وہ ایک دراز قامت نوجوان کے ساتھ ہاتھ ملا کر کچھ بات کر رہا تھا۔

اس شخص پر نظر پڑتے ہی رانیہ کو ایک دھچکا سا لگا۔ اسے ایک نظر دیکھ کر ہی وہ پہچان گئی تھی۔ اس سے ملاقات ہوئے بھی تو ابھی چند منٹ گزرے تھے اب وہ دونوں ادھر ہی آ رہے تھے۔ رانیہ نے بے چینی سے ہونٹ کاٹے۔

چھپنے کے لیے کوئی مناسب جگہ بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ایک بار تو جی میں آئی کہ وہاں سے بھاگ جائے مگر پاؤں بھی کچھ وزنی سے محسوس ہو رہے تھے کچھ اور نہ سوجھا تو اس نے ہاتھ کی اوٹ یوں چہرے کے سامنے کر لی جیسے دھوپ سے بچنے کی سعی کر رہی ہو حالانکہ اگست کی یہ سہ پہر خاصی خوشگوار تھی۔ بادلوں کی سفید اور سرمئی ٹکڑیوں نے آسمان کے چہرے پر ایک غیر مربوط جال بن کر ماحول کو ہلکا سا اُودا کر دیا تھا۔

''یہ ہمارے نئے ہمسائے ہیں۔'' دانیال اس کا تعارف کروا رہا تھا۔ اس انکشاف پر رانیہ کو ایک نئے صدمے نے گھیر لیا۔

''صائم اعوان۔ ہمارے ساتھ والا مکان جو گزشتہ تین ماہ سے خالی پڑا تھا۔ اس میں پچھلے ہفتے شفٹ ہوئی ہے ان کی فیملی۔ میں نے ذکر کیا تھا ناں ندرت؟''

ندرت نے جھٹ اثبات میں سر ہلا دیا حالانکہ اسے اس بارے میں بالکل بھی یاد نہیں تھا۔

اچانک ایک عجیب سا احساس رانیہ کے جسم پر سرسرانے لگا۔ اس نے کن انکھیوں سے صائم اعوان کی طرف دیکھا۔ وہ بھرپور نظروں سے اس کا جائزہ لینے میں مصروف تھا بے اختیار وہ سر پر چادر جمانے لگی۔

''کہیں پہچان ہی نہ لیا ہو۔ پتہ نہیں کب ٹلے گا لگتا ہے پہچان گیا ہے۔'' اس کی نگاہوں کی تپش و بدستور خود پر مرکوز پا کر اس نے چادر کے پلو سے چہرے پر لرزتی پسینے کی بوندیں صاف کیں۔

''میرے چند مہمانوں نے فلم دیکھنے کے لیے آنا تھا۔ لیکن وہ لوگ پہنچے نہیں۔ میرے پاس گیلری کے چھ ٹکٹ ہیں۔ آپ لوگ آ جائیں۔ فلم بس ابھی شروع ہی ہوئی ہے۔'' شکر گزاری کے احساس سے انیقہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''یا اللہ تو کتنا رحیم و کریم ہے۔'' دل میں صائم کو دعائیں دیتے ہوئے اس نے اضطراری کیفیت میں جسم کا بوجھ ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں پر منتقل کیا۔

رانیہ اس صورت حال پر سخت تشویش میں مبتلا ہو گئی تھی۔ صائم کا سامنا کرنے کے خیال سے اس کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

دانیال اور ندرت کی بے شرمی پر دماغ بھی کھول رہا تھا۔ ان لوگوں نے رسماً بھی انکار نہیں کیا تھا اور یوں اس کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے تھے جیسے اس فلم سے زیادہ اہم دنیا میں کوئی چیز نہ ہو۔ منہ ہی منہ میں

''بھول آئی ہو اور جو پچھلے پون گھنٹے سے کڑک کٹک ہو رہی ہے تمہاری طرف سے وہ کیا ہے؟ اللہ سے ڈرو انیقہ پندرہ روپے تو میں نے خود اپنی جیب سے دیے تھے تمہیں۔''

''اللہ سے ڈرتی تو کیا فلم دیکھنے آتی یہ۔''

بڑی مشکل سے مونگ پھلیوں والا لفافہ برآمد ہوا جس کا تین چوتھائی انیقہ اپنی نذر کر چکی تھی۔

''رانیہ صائم بھائی کو دو یہ۔''

رانیہ نے لفافہ اس کی طرف بڑھایا تو اس کے بدن میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ اس کا پرحدت ہاتھ رانیہ کی انگلیوں سے مس ہوا تھا۔

''کیا اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے؟'' اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا خود کو سنبھالنے میں اسے کچھ وقت لگا تھا۔ انٹرول تک وہ گاہے بگاہے ساتھ والی نشست کی طرف دیکھتی رہی مگر وہ سب کے ساتھ فلم پر تبصرہ کرنے میں خاصا مگن نظر آرہا تھا۔ انٹرول ہوا تو اس نے جلدی سے رخ بدل کر چہرے پر آڑا سا پلو ڈال لیا۔ روشنی پھیلتے ہی اس پر نئے سرے سے گھبراہٹ طاری ہونے لگی تھی۔

وہ سب اٹھ کر باہر جانے لگے مگر وہ بیٹھی رہی۔ خیال تھا کہ سب کے چلے جانے کے بعد اٹھے گی۔

''آپ نہیں چلیں گی کیا؟'' عین اس کے چہرے کے سامنے آکر وہ پوچھ رہا تھا۔

رانیہ نے بے اختیار تھوک نگلا۔ انگلیوں کی لرزش کو چھپاتے ہوئے ایک کھسیانی مسکراہٹ ہونٹوں پر چپکا کر بمشکل اتنا کہہ سکی۔

''وہ دراصل۔ محض ایک غلط فہمی۔ آپ سمجھ رہے۔''

اس کے فقرہ مکمل کرنے سے قبل وہ بول پڑا۔

''جلدی چلیے کچھ کھا پی لیا جائے۔ صرف دس منٹ کا انٹرول ہے۔ اس کے بعد پھر سے وہی سزا شروع ہو جائے گی۔ جس کا نصف حصہ ہم بھگت چکے ہیں۔ خدا جانے کیا کیا اور بھگتنا پڑے اس لیے بہتر ہے اعصاب مضبوط کر لیے جائیں۔ خالی پیٹ اتنا ستم سہنا اپنی جان پر ظلم ہے۔''

رانیہ اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اٹھ کر اس کے پیچھے ہولی۔ اس کے لہجے میں طنز یا تمسخر کی عدم موجودگی کو محسوس کر کے اسے خاصا سکون ملا تھا۔

''میرا خیال ہے دوبارہ اس عقوبت خانے میں جانے کی بجائے گھر چلا جائے۔ مجھے تو بڑا ڈر لگ رہا ہے۔'' دانیال نے سافٹ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے تجویز پیش کی۔

''بات ہی ڈرنے کی ہے۔ میں تو حیران ہوں لوگوں کو کیا ہوا ہے۔ بے وقوفی کی انتہا ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی آ بیل مجھے اتنا مار کہ میرے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں لوگوں کو چاہیے ٹکٹ کا مطالبہ نہ کریں بلکہ یوں کہا کریں۔'' براہِ مہربانی تین عدد پریشانیاں دے دیجیے۔''

''ندرت تمہاری تو عادت ہے دانیال بھائی کی ہاں میں ہاں ملانے کی تم لوگ اسٹوری سمجھ ہی نہیں

سکے تو اس میں فلم بنانے والوں کا کیا قصور جب فلم دلچسپی کے اعتبار سے عروج پر پہنچ گئی ہے تو تم لوگ واپس جانے کی بات کر رہے ہو۔ انٹرول کے بعد دیکھنا کیسے کیسے موڑ ہوں گے کہانی میں۔''

ان لوگوں کو رسیاں تڑاتے دیکھ کر انیقہ فلم کی حمایت زور و شور سے کرنے لگی۔ ان گانوں کے بارے میں وہ اب بھی پر امید تھی۔ کیا معلوم انٹرول کے بعد آنے ہوں اخبار والوں نے اتنا شور مچایا تھا تو کوئی بات ہوگی ضرور۔

وہ ان کے مشترکہ فیصلے کے خلاف سختی سے ڈٹ گئی اور فلم کو ادھورا چھوڑ کر جانے سے صاف انکاری ہو گئی۔ مجبوراً ان کو ایک بار پھر ہال میں جانا پڑا تھا۔

پانچویں بار ہال تالیوں کی گونج سے لرزا تو رانیہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

''خدا غارت کرے ان لوگوں کو۔ تباہ ہو جائے یہ سینما۔'' وہ اتنی بددل ہوئی تھی کہ لوگوں کو سزا دینے کی خاطر اپنی جان دینے پر بھی راضی تھی۔

''سر پیٹنے کا مقام ہے اور یہ لوگ تالیاں پیٹ رہے ہیں۔ غضب خدا کا ہیرو دو آدمیوں سے کہہ رہا ہے۔ اس پہاڑی کو چاروں طرف سے گھیر لو اور لوگوں کو دیکھو۔ تالیاں بجا بجا کر ہلکان ہوئے جا رہے ہیں۔'' فلم کی حمایت کے لیے انیقہ ایک بار پھر میدان میں اتری تھی۔

''یہی تو ذہانت ہے رائٹر کی۔ عوام کے لیے پیغام ہے کہ وسائل بیشک کم ہوں گھبرانا ہرگز نہیں چاہیے۔ کیا ہوا جو ہیرو کے ساتھی دو ہیں۔ ان کی ہمت تو سو دو سو آدمیوں جتنی ہے نا۔''

رانیہ نے جبڑے بھینچ کر دانت پیسے۔

''اور کچھ ہو نہ ہو تمہیں میں زندہ نہیں چھوڑوں گی انیقہ۔ آج کا دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہے۔ کان کھول کر سن لو تم۔''

''نی مائی جے تیرے ہتوں مر گئے تے اسی گجرای ئیں۔''

انیقہ کی طرف سے فلمی جواب سن کر شاید اُسے اس قدر صدمہ نہ پہنچتا۔ مگر فقرے میں مائی کا موتی پرو کر اس نے رانیہ کے اعصاب پر بڑی کاری ضرب لگائی تھی۔ اس نے چیخ کر انیقہ کو للکارا۔

''یہ مائی تم نے کسے کہا ہے؟''

جواب میں انیقہ نے اسے ایک ہنکارے سے زیادہ کا حقدار نہ سمجھا تھا۔ صائم کو ہنستے پا کر اس نے بھی دلی جذبات کو دل میں ہی دفن کر لیا۔ زیادہ شور مچانے سے بات کے مزید بگڑنے کے امکانات تھے۔

''یا اللہ مجھ کم سن، نازک اور انتہائی خوب صورت لڑکی کے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟'' صائم اب تک ہنس رہا تھا۔ حالانکہ اسکرین پر اس وقت جو کچھ دکھایا جا رہا تھا اس پر صرف رویا جا سکتا تھا اور وہ بھی اپنے نصیبوں کو۔

یک لخت پورے ہال پر موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی۔ سب لوگ ساکت ہو گئے تھے اس نے غور کیا تو کوئی گانا شروع ہو چکا تھا۔ برسات کا منظر تھا کن من بوندیں اور تیز ہوا۔ ابھی تک کوئی اداکار سامنے نہیں آیا تھا مگر لوگوں کو جیسے کسی نے جادو کی چھڑی سے پتھر کے مجسموں میں تبدیل کر دیا ہو۔

لوگوں کی خاموشی کا راز تو تب کھلا جب ہیروئن سامنے آئی ان سب کو جھٹکا سا لگا۔ انیقہ تو جوش کے مارے چیخ اٹھی تھی۔

''میں نا کہتی تھی۔'' اس کے حلق سے قلقاری نکلی۔

بارش کی بوچھاڑوں میں بھیگی اداکارہ رقص بسمل نہایت عمدگی سے پیش کر رہی تھی اور گانے کے بول۔ وہ سب ایک دوسرے سے نظریں چرانے پر مجبور ہو گئے۔ استھائی گزری، دانیال دم سادھے بیٹھا رہا گیت انترے تک پہنچا تو اس نے شور مچایا۔

''آنکھیں بند' پردہ' پردہ خبردار جو تم میں سے کسی نے اسکرین کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ تم تینوں آنکھوں پر ہاتھ رکھو۔ بلکہ ہو سکے تو کانوں پر بھی۔''

انیقہ کی پیشانی پر بھی پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔ بے شک وہ مشتاق تھی۔ مگر اس حد کی امید تو اسے بھی نہیں تھی۔ انگلیوں کے رخنوں میں سے اسکرین کو گھورتے ہوئے وہ مسلسل فلم بنانے والوں کو کوس رہی تھی۔

سارا ہال بارش میں شرابور ہو رہا تھا۔ سیٹیوں اور تحسین آمیز فقروں کی گونج وقفے وقفے سے سنائی دے رہی تھی۔

''چلو بھئی چلیں اس جہاں میں گزارہ نہیں۔'' دانیال اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ سب بھی اس کی تقلید میں خاموشی سے اٹھ گئے۔

''بیٹھ جاؤ اے آگے سے ہٹو۔'' پچھلی صف سے کسی معمر خاتون نے دہائی دی۔

''پتہ نہیں کون کم بخت لوگ ہیں۔ گز گز بھر کی زبانیں ہیں جو منہ میں ہی نہیں پڑ رہیں پوری فلم میں ان لوگوں نے ایک لمحے کو دم نہیں لیا اور ایک ڈھنگ کا گانا آیا ہے تو سامنے تن کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ انہیں کوئی پوچھنے والا ہے کہ نہیں بے چاری ہیروئن اتنی مشقت کر رہی ہے اور یہ دیکھنے ہی نہیں دے رہے۔'' بڑھیا کی جگر خراش گفتگو نے دروازے تک ان کا تعاقب کیا۔

باہر نکلتے ہوئے انیقہ نے ایک حسرت بھری الوداعی نظر اسکرین پر ڈالی تھی۔

خاموش سر جھکائے ہوئے، نڈھال قدموں کے ساتھ ان سب نے سیڑھیاں طے کیں آج کا تجربہ خاصا ہولناک ثابت ہوا تھا۔

دوسرا شو دیکھنے والوں کی بڑی تعداد جمع ہو چکی تھی ملگجا اندھیرا در و دیوار پر رینگنے لگا تھا۔ ایک ادھیڑ عمر شخص نے دانیال کے قریب رک کر اس سے ہاتھ ملایا۔

''کیسی ہے فلم؟''

''شکل سے آپ شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں اور مجھے آپ سے کوئی دشمنی بھی نہیں ہے۔''

اس کی تمہید سن کر اس آدمی کے چہرے پر حیرت بکھر گئی۔

''خدا کے لیے واپس چلے جائیں۔ اگر آپ نے ٹکٹ خرید لیا تو ساری ذمے داری آپ پر عائد ہو گی۔ آپ کیوں اپنی جان کے دشمن بن گئے ہیں''؟

اسے حیرت میں ڈوبا چھوڑ کر وہ آگے بڑھ گئے۔

''یہ تو اماں ہیں۔'' انیقہ کے چلانے پر ان سب کی گردنیں ادھر مڑ گئیں۔

''واقعی یہ اماں ہی ہیں'' رانیہ نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے تصدیق کی۔

وہ ایک رنگین پوسٹر سے آنکھیں چپکائے خدا جانے کس تحقیق میں محو تھیں پھر انہوں نے مڑ کر دیکھا اور ان لوگوں پر نظر پڑی تو یکبارگی دل دھک سے رہ گیا۔ کچھ دیر سینے پر ہاتھ دھرے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتی رہیں۔

ان کے تیور دیکھ کر وہ سب تیزی سے آگے بڑھے کیونکہ آثار بتا رہے تھے وہ کھسکنے کی فکر میں ہیں۔ وہ یوں ظاہر کر رہی تھیں۔ جیسے انہیں دیکھا ہی نہ ہو ناک پر عینک درست کرتے ہوئے دھیمے قدموں کے ساتھ ان سے کترا کر گزرنے لگیں تو دانیال نے آواز دے ڈالی۔

''اماں۔''

وہ ان سنی کر کے ناک کی سیدھ میں بڑھتی رہیں تو اس نے آگے بڑھ کر کندھوں سے تھام لیا۔

''ہائے کون ہے۔'' وہ اچھل کر مڑیں چونکنے کی اداکاری خاصی فطری تھی۔ ان سب کو داد دینا پڑی۔

''آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟''

''میں جو بھی کر رہی ہوں۔ میں پوچھتی ہوں تم لوگ یہاں کیسے؟'' انہوں نے پاٹ دار آواز میں پوچھا۔

''واہ میاں اچھی ڈھول جھونک رہے ہو بزرگوں کی آنکھوں میں گھر سے کہہ کر نکلے ایک معاشرتی، سماجی، اخلاقی اور خدا جانے کیا کیا بڑی ہی سلجھی ہوئی فلم دیکھنے جا رہے ہیں۔ میں سادہ تم لوگوں کی باتوں میں آ کر اجازت دے بیٹھی مجھے کیا خبر تھی یہ گل کھلانے جا رہے ہو۔ ہائے میں مر جاؤں یہ جو واہیات گانا ابھی لگا تھا۔ وہ بھی دیکھا ہے تم لوگوں نے۔ دانیال تجھے حیا نہ آئی بہنوں کے ساتھ ایسی بیہودگی دیکھتے ہوئے؟''

لہجے کی گھن گرج سے کوئی بھی متاثر نہ ہو سکا۔

''یہ تو بتائیں آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟''

''اے رانیہ۔'' انہوں نے ایک بار پھر اس ناپسندیدہ سوال کو نظر انداز کر دیا تھا۔

''گھر سے تو بڑا اس کے دوپٹہ لے کر نکلی تھی۔ یہاں ننگے سر پھر رہی ہے۔ تیری پردے داری بس گھر تک ہی تھی۔''

رانیہ جلدی سے ڈھلکی ہوئی چادر کو سر پر پیشانی تک کھینچ کر معصومیت سے بولی۔

''اماں بالوں میں تیل لگا ہے ناں۔ اسی لیے چادر بار بار پھسل رہی ہے۔ میں تو بہت خیال رکھتی ہوں بس آج۔''

''واہ بیٹی واہ مجھ ہی سے پردہ ہے تیرا۔ باقی سارا شہر تو تیرا اپنا ہے۔ رہنے دے یہ دکھاوے کی شرافت۔ جب ناچنے نکلی تو گھونگھٹ کیسا۔''

ایک تو وہ اماں کے محاوروں سے بڑی نالاں تھی۔ صائم کیا سوچ رہا ہوگا۔ اس کے سامنے اتنی مٹی پلید کرنے کی کیا تک تھی۔ یہ سارا تماشا گھر جا کر بھی تو ہو سکتا تھا۔

''اتنا شور اس لیے مچا رہی ہیں اماں کہ سب کا دھیان اصل بات کی طرف سے ہٹ جائے۔'' اس نے صائم کی تلاش میں نظریں دوڑائیں وہ ان سے سے قدرے فاصلے پر ایک ستون سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور بظاہر اس کا دھیان بھی آتے جاتے لوگوں پر تھا۔ اس طرف قدرے مطمئن ہو کر وہ اماں کی جانب متوجہ ہوئی۔

''بس کریں اماں ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری سیدھی طرح بتائیں۔ یہاں کیا کر رہی ہیں؟''

''کرنا کیا ہے۔ تجھے نہیں پتہ سینما میں لوگ کیا کرنے آتے ہیں۔ میں کہاں آنا چاہ رہی تھی۔'' اماں نے لہجے میں نسبتاً نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''وہ رشیدہ میرے سر ہوگئی۔ کہنے لگی میٹنی شو دیکھنے چلیں آپا۔ بس اس کی ضد سے ہار گئی میں ورنہ مجھے کہاں شوق ہے ایسی باتوں کا۔''

اماں کی سادگی پر قربان جانے کو جی چاہ رہا تھا۔ چوبیس گھنٹے ٹی وی کے آگے جم کر بیٹھی رہتی تھیں۔ بیسیوں بار ابا سے جھگڑ چکی تھیں کہ کیبل لگوا دیں۔

''سیارا ہال مشٹنڈوں نے سگرٹیں پھونک پھونک کر دھوئیں سے بھر رکھا ہے۔ میرا تو جی گھبرانے لگا تھا اندر۔''

''اے ندرت!'' کچھ یاد آنے پر انہوں نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

''ذرا غور سے دیکھ کر بتا اس فوٹو میں بابر علی کی جو مونچھیں ہیں یہ نقلی ہیں کہ اصلی پہلے تو کلین شیو ہوا کرتا تھا۔ بڑا ہی برا لگ رہا ہے ان لٹکی ہوئی مونچھوں کے ساتھ۔''

''اماں ہمارے ساتھ صائم بھی ہے۔'' دانیال نے اماں کو بازو سے تھام کر صائم کی طرف اشارہ کیا۔

''اچھا کچھ دنوں سے ساتھ والے مکان میں کھٹ پٹ تو سنائی دے رہی تھی رشیدہ نے بھی ذکر کیا تھا پر بعد میں مجھے یاد ہی نہ رہا۔'' اس کے تفصیل بتانے پر اماں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اسے ادھر بلاؤ وہاں کیوں کھڑا ہے؟''

''آپ کا ہی کارنامہ ہے یہ۔'' رانیہ جل کر بولی۔

صائم نے سر جھکا کر اماں کو سلام کیا تھا۔

''بیٹا اپنی امی کو لے کر ضرور آنا ہماری طرف۔ بس گھر کے دھندوں سے فرصت ہی نہیں ملتی تم لوگ ایک ہفتے سے آئے ہوئے ہو اور ہم میں سے کسی نے مزاج پرسی تک نہیں کی۔ کیا سوچتی ہوگی تمہاری ماں کیسے ہمسائے ہیں۔ دیوار سے پرلی طرف کی خبر نہیں۔''

''جی آنٹی ضرور۔''

''جیتے رہو۔'' اماں نے عینک کے عقب سے اس کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے دعا دی۔

''اب چلیں اماں؟''

''میں تو ویگنوں کے دھکے نہیں کھا سکتی۔ رشیدہ کے ساتھ رکشے میں واپس آؤں گی اور تمہارے ابا آ جائیں تو کہنا رشیدہ کے بیٹے کے لیے رشتہ دیکھنے گئی ہوں شاہدرے۔'' آخری فقرہ انہوں نے رانیہ کے کان میں نہایت آہستگی سے کہا تھا۔

''لیکن یہ تو لکشمی ہے۔''

وہ بڑبڑائی۔

'' بکواس بند کر۔'' اماں نے دبی آواز میں گھر کا اور پھر صائم کی طرف دیکھ کر ایک شفیق مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔

''تم لوگ اب جاؤ بیٹا اور امی سے میرا سلام کہنا۔ انہیں لے کر آنا ضرور، ایک دیوار ہی تو ہے گھروں کے بیچ۔''

''میرے پاس گاڑی ہے آنٹی آپ ہمارے ساتھ ہی چلیئے۔''

''اچھا ماشاء اللہ۔'' اماں کے ہونٹ مزید پھیل گئے۔

''تم لوگ جاؤ، میں آ جاؤں گی۔ رشیدہ بھی تو ہے نا میرے ساتھ۔''

''سب بہانہ ہے۔ ابھی دوگانے رہتے ہیں۔ اماں کا دل تو ادھر اٹکا ہے۔ چلی کیسے جائیں ہمارے ساتھ۔'' انیقہ نے سرگوشی میں دل کی بھڑاس نکالی۔

جواباً رانیہ نے اسے کڑے تیوروں سے گھورا تھا۔

''شکر کرو اماں ہمارے ساتھ جانے پہ راضی نہیں ہوئیں۔ صائم کے پاس کار ہے کوئی بس نہیں جس میں ہم سب سما جائیں۔ تم جیسی دو دو موٹی بھدی لڑکیوں کے ساتھ پتہ نہیں میں کیسے بیٹھوں گی۔ میرا تو اس خیال سے ہی دم گھٹ رہا ہے۔''

رانیہ ایک ادا سے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ٹک گئی۔

''تمہاری پریشانی بجا ہے رانیہ۔ یہ سیٹ تو صرف تمہارے لیے کافی ہے۔ ہم تو خواہ مخواہ اٹکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

ندرت نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے جوابی حملہ کیا۔

''تم موٹی تمہارا سارا خاندان موٹا۔''

صائم نے ڈیش بورڈ کھول کر ایک کیسٹ منتخب کی اور کیسٹ ریک میں ڈال کر ٹیپ آن کر دی۔

Aqua کے گیت سے گاڑی کی فضا بھر گئی۔

My o My
Do you want to say
Goodbye

رانیہ کو یہ گانا بہت پسند تھا اس کا پاؤں خود بخود لے کے ساتھ تھرکنے لگا یک لخت وہ چونک اٹھی تھی۔ بیک ویو مرر میں صائم کی نظریں اسی پر مرتکز تھیں اور ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ کچھ جتاتی ہوئی سی کچھ دیر تو وہ متحیر رہی پھر اس کے ذہن میں جھما کا سا ہوا۔ گیت کے بول بچھو کے ڈنک کی طرح اس کی طرف لپکے۔

''مائی او مائی''............

اس کی ٹانگ کی جنبش موقوف ہوگئی اور اس نے کینہ توز نظروں سے صائم کو دیکھا۔

''مائی او مائی''............

گلوکارہ اس منحوس لفظ کی تکرار کیے جا رہی تھی۔

''خاصی بوڑھی سی آواز ہے سنگر کی کافی زیادہ عمر کی لگتی ہے۔''

ایک بار پھر صائم کو مسکراتے دیکھ کر وہ کھڑکی کی طرف رخ موڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

☆............☆............☆

ناہید اختر کی مدھر آواز کمرے میں ایک دھیما ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ رانیہ آنکھوں پر آلو کے گول ٹکڑے دھرے بیڈ پر دراز تھی اور انیقہ لان میں کھلنے والی کھڑکی کے قریب مطالعے میں مستغرق نظر آ رہی تھی۔ اس کے سامنے رائٹنگ ٹیبل پر کتابوں کا انبار دھرا تھا جن میں سے چند منتخب کتابیں اس نے کھول کر بھی رکھی ہوئی تھیں۔ وہ یوں سر جھکائے بیٹھی تھی گویا کورس کی کتابوں کے علاوہ دنیا کی ہر شے سے ناطہ توڑ چکی ہے۔ پچھلے ایک گھنٹے سے وہ ایسے ہی محو تھی۔

اس کا انہماک کسی طرح کا دکھاوا نہ تھا۔ بلکہ حقیقتاً وہ کھوئی ہوئی تھی۔ مگر اس فیشن میگزین میں جو اس کے گھٹنوں پر پھیلا ہوا تھا۔ وینزہ' ارج اور آمنہ حق کی لشکارے مارتی تصویریں' جدید تراش خراش کے ملبوسات جنہیں ڈیزائنرز نے ضرورت سے زیادہ ہی تراش دیا تھا اور جن کو دیکھ کر دل پر خراشیں سی پڑتی تھیں، آنکھوں کو خیرہ کرتی ہوئی جیولری کچھ زیورات تو آرٹ کے نادر نمونے تھے۔ مثلاً لوکی کی بیل سے مشابہہ نیکلس جس میں اخروٹوں جیسے نگینے جڑے تھے۔ جس ماڈل نے مذکورہ نیکلس گلے میں پہن رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں کچھ پھٹی پھٹی سی لگ رہی تھیں۔ جیسے کسی کی گردن میں پھندا کس دیا گیا ہو مگر ظاہر ہے یہ آرٹ تھا اور وہ کتے کے پنجے سے ملتا جلتا جھومر تو بس غضب ڈھا رہا تھا۔ ان سے بڑھ کر ایک پازیب تھی، کسی درندے کے جبڑے اور اس پازیب میں فقط انیس بیس کا فرق ہوگا۔ یقیناً کسی جانور کے دانتوں سے بنی ہوگی تبھی تو دانتوں کا اتنا حقیقی نمونہ پیش کر رہی تھی۔ ان سب کے علاوہ رسالے میں میک اپ کرنے کے ایک ہزار ایک گر بتائے گئے تھے۔ انوکھے اور حیران کن طریقے۔ کچھ تصویریں دیکھ کر انیقہ دہشت زدہ بھی ہوگئی تھی۔ وہ تو بعد میں غور کرنے پر معلوم ہوا کہ نیو ملینیم میک اپ ٹیکنیکس استعمال کرنے کے بعد ایسا ہی سحر انگیز نکھار پیدا ہو جاتا ہے شخصیت میں کہ دیکھنے والا پہلی نظر میں ہی مرعوب ہو کر رہ جائے۔

اب یہ اس کی کج فہمی تھی کہ وہ ان صفحات کو کسی ہارر فلم کی اشتہاری مہم کا حصہ سمجھ بیٹھی۔ اسی پر موقوف

نہیں ایسے ایسے نادر روزگار جوتوں کی تصویریں جنہیں پیروں میں پہننے کی بجائے گلے کا ہار بنانے کو جی چاہتا تھا بالچھڑ کے مرض میں مبتلا کسی بلی کی کھال سے بنا ہوا جوتوں کا جوڑا جس کے ساتھ جلی حروف میں صرف چار ہزار نو سو ننانوے روپے لکھا ہوا تھا۔ اس نے تو انیقہ کے دل پر ایسی ٹھوکر ماری تھی کہ وہ آہ بھر کر رہ گئی۔

اس جہان رنگ و بو میں غوطہ زن ہونے کے باوجود اس کے کان دروازے سے چپکے تھے۔ ذرا سی آہٹ پر وہ چونک جاتی۔ فزکس، کیمسٹری اور بیالوجی کی کتابیں منہ پھاڑے اسے گھور رہی تھیں مگر وہ ان کی طرف دیکھنا بھی اپنی توہین سمجھتی تھی۔ اتفاقاً نظر پڑ بھی جاتی تو حقارت سے اس کے چہرے کے عضلات سکڑ جاتے۔ ایک دو بار تو اس نے طیش سے مغلوب ہو کر بیالوجی کی کتاب کے نویں چیپٹر کے صفحات کو مٹھی میں بھینچ کر اس حد تک مروڑا تھا کہ وہ پھٹتے پھٹتے رہ گئے۔

''ہونہہ بک بک نہ جانے کون فضول لوگ تھے جو ایسے شوشے چھوڑ گئے ہماری جان جلانے کو۔ روز قیامت حساب ہوگا۔ کیسی اوچھی حرکتیں کر گئے۔'' وہ پھر سے سنیتا کے لہنگے کی سلوٹوں میں الجھ گئی تھی۔

قدموں کی آہٹ سن کر اس نے ہر ممکن پھرتی سے میگزین کو چھپایا اور زور وشور سے مینڈلز لاء کا مطالعہ کرنے لگی۔ دھاڑ سے دروازہ کھول کر اماں اندر آگئیں۔ اس دھماکے پر رانیہ کے جسم میں بھی ہلکی سی کسمساہٹ پیدا ہوئی تھی۔ مگر چونکہ پرسکون رہنا ضروری تھا اس لیے بدستور لیٹی رہی۔

''آج ہانڈی روٹی کا کچھ کرنا ہے کہ نہیں؟ دوپہر ہوگئی مگر ابھی تک کوئی ٹس سے مس نہیں ہوا۔ چھٹی کا دن ہے آج تمہارے ابا کو پورے ڈیڑھ بجے کھانا چاہیے۔''

اماں رانیہ کے سر پر کھڑی تھیں مگر وہ پرسکون رہنے کی پالیسی پر جی جان سے عمل پیرا تھی۔

''ہائیں میں نے کچھ کہا ہے رانیہ۔ شاید تجھے سنائی نہیں دیا۔''

اس بار ان کے جارحانہ انداز کو محسوس کر کے رانیہ کے اعصاب تن گئے۔

''یہ تو کیا کر رہی ہے؟ پاگل ہوگئی ہے کیا؟ آنکھوں پر آلو رکھے کیوں لیٹی ہے بولتی کیوں نہیں۔''

اماں کی دھاڑ سن کر مجبوراً اسے لب کشائی کرنا پڑی کیونکہ ان کا لب ولہجہ بتا رہا تھا کہ اب وہ زبان کی بجائے ہاتھ کا استعمال کرنے کو ترجیح دیں گی۔

''دیکھ تو رہی ہیں اماں آنکھوں پر آلو کے قتلے رکھ کر لیٹی ہوں۔ اس سے آنکھوں میں تازگی اور چمک آتی ہے۔ اور اس دوران پرسکون رہنا اشد ضروری ہے مگر اس گھر میں کسی کو احساس بھی ہو۔''

اس بات کے جواب میں ایک دو سیکنڈ کی خاموشی طاری رہی۔ بند آنکھوں کے ساتھ بھی وہ اماں کے تاثرات بخوبی دیکھ سکتی تھی۔ مگر وہ لیٹی رہی البتہ چوکنے انداز میں۔

''ایسے ہی قتلے کر کے تیرے میں ہانڈی میں ڈال دوں گی۔'' اس کے بچتے بچتے بھی ماں نے وار کر دیا۔ آلو کے قتلوں کے ساتھ ساتھ اس کی چند پلکیں بھی نوچ لی گئی تھیں۔

''ہڈحرامی تو ختم ہے اس لڑکی پر۔ ابھی اٹھ جا ورنہ میں تیرا وہ حشر کروں گی کہ۔''

''بالکل جلاد لگ رہی ہیں اماں اور وہ بھی ہلاکو خان کے دربار کا'' وہ بیڈ کے دوسرے کنارے پر اماں کی پہنچ سے دور بیٹھ کر آنکھیں سہلا رہی تھی۔

''کھڑے مسالے کا قیمہ بنانا ہے جلدی شروع ہو جا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں اتنا اچھا پروگرام چل رہا تھا ''سنڈے برنچ'' ہارون کا ''پیاریا'' بیچ میں چھوڑ کے آنا پڑا۔''

''کھڑے مسالے کا قیمہ۔'' اس کی آنکھیں پھیل گئیں ''اسے بناتے ہوئے تو کھڑے کھڑے ٹانگیں سوکھ جاتی ہیں۔ اماں بیٹھے مسالے کا نہ بنالو؟''

''کتنی دفعہ کہا ہے میرے ساتھ مسخرہ پن نہ کیا کر کسی روز ٹانٹ گنجی کروا بیٹھے گی مجھ سے۔''

وہ سلیپر میں پیر گھسیٹ کر بڑبڑاتی ہوئی کچن کو چل دی تھی۔

''تیری پڑھائی بڑے عروج پر ہے؟'' اماں کے معنی خیز لہجے پر انیقہ نے بھولپن سے انہیں دیکھا۔

''کل ٹیسٹ ہے نا۔ میں نے شرط لگائی تھی اپنی کلاس فیلوز کے ساتھ کہ میں ٹیسٹ میں سب سے زیادہ نمبر لوں گی۔''

''ماشاء اللہ ایسی ہونہار اولاد۔'' اماں کے فقرے کا ابتدائیہ سن کر اس نے سکون کا سانس لیا مگر یہ اس کی خوش فہمی تھی۔

''خدا کسی دشمن کو بھی نہ دے۔'' وہ گڑ بڑا کر ان کا منہ تکنے لگی۔

''بڑی معصوم ہے تو۔ کیسے ہٹ ہٹ دیکھ رہی ہے۔ جیسے جانتی ہی نہیں کچھ میں تیری ماں ہوں تو میری ماں نہیں۔ سب دیکھ رہی تھی میں چابی کے سوراخ سے مجھے دغا دیتی ہے تو۔ اٹھ ذرا کرسی سے۔''

وہ تھرتھراتی ہوئی اٹھ گئی تھی۔

گدی کے نیچے سے اماں نے فیشن میگزین برآمد کر کے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

''صدقے جاؤں تیری چاتری کے۔ اس کا ٹیسٹ دینا ہے تجھے۔''

میگزین کو ہاتھ میں گول کر کے ڈنڈے کی طرح استعمال کرتے ہوئے وہ چلائیں اس نے بھاگنا چاہا مگر ہلتی کیسے ایک بازو بھی تو اماں کی گرفت میں تھا۔ چند ایک بھرپور ضربات کے بعد انہوں نے کچھ لمحے توقف کیا اور پھر میگزین کی ورق گردانی کرنے لگیں۔

''ذرا دیکھوں تو۔ کیا لعل جڑے ہیں اس میں جو تجھے پڑھائی کی فرصت نہیں۔'' ایک صفحے پر ٹھٹھک کر ایک دھوکا اس کی کمر میں جڑ دیا۔

''یہ بے حیائی دیکھ رہی تھی۔ پھولے پڑیں تیری آنکھوں میں ویسے ہے کون یہ دیدہ پھٹی؟''

''ونیزہ ہے اماں ذرا جدید قسم کے لباس کی ماڈلنگ کر رہی ہے۔''

''ذرا جدید۔ توبہ توبہ۔'' اماں نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

اے پر یہ وہ تو نہیں ہے۔ ایسی پیاری بچی ہے وہ تو جو پچھلے سال اس کا ڈرامہ چلا تھا وہ ندیم والا۔ مجھے

تو رلا رلا کے نڈھال کر دیا تھا اس کی اداکاری نے وہ کب سے ایسی ہوگئی۔ یہ تو کوئی باہر کی لگتی ہے۔''

''وہی ہے اماں میں کیوں جھوٹ بولنے لگی۔ ذرا غور سے تو دیکھیں۔''

''اے ہاں ناک نقشہ تو ملتا جلتا ہے کیا کریں بے چاریاں پاپی پیٹ کی خاطر سب کرنا پڑتا ہے ورنہ کب دل چاہتا ہوگا ان کا ہائے۔''

اماں نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کے رسالے کو سینے سے لگایا اور جاتے ہوئے ''انجانے'' میں اپنے ساتھ ہی لے گئیں۔

''آگ لگے اس پڑھائی کو۔'' انیقہ نے بیالوجی کی کتاب اٹھا کر دیوار پر دے ماری۔ پھر بھی سکون نہ ملا تو انگلش کی کتاب کا کونا دانتوں سے چبا ڈالا۔ رانیہ لہسن کی پوتھیاں تھالی میں رکھے چھت پر آئی اور ندرت نے قریبی دیوار پر زور سے تھالی پٹخی۔ وہ الگنی سے کپڑے اتار کر کندھے پر ڈال رہی تھی۔

لہسن جلدی سے چھیل دو۔ کھانا بننے میں آج کافی دیر ہوگئی ہے۔'' اس پر ایک بے نیاز نگاہ ڈال کر وہ مسکرائی۔

تمہیں یہ خوش فہمی کیونکر ہوئی کہ میں یہ کام کروں گی۔ اتنی سیڑھیاں چڑھ کر آنے کی خوامخواہ زحمت کی تم نے اتنے وقت میں تو تم خود بھی چھیل سکتی تھیں۔

''سارے کام چور، سب مفت کی روٹیاں توڑنے والے۔ ساری ذمہ داریاں میرے سر تھوپ دی گئی ہیں۔ نازک جان اور ایسی کٹھنائیاں یا اللہ تو ہی انصاف کرنے والا ہے۔''

وہ وہیں کھڑی ہو کر لہسن کے چھلکے اتارنے لگی۔

''اتنی دکھی کیوں ہوتی ہو۔ میں تو خود تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔ مگر کیا کروں ناخن خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ ابھی پچھلے ہفتے تو مینی کیور کیا تھا۔'' اپنی انگلیاں اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے وہ بولی۔

''اف کتنی ٹیڑھی میڑھی انگلیاں ہیں تمہاری۔ پرے ہٹاؤ تم چاہے روزانہ مینی کیور کرو۔ کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔ کبھی گدھ کے پنجوں میں بھی ملائمت آئی ہے۔ چاہے لاکھ مساج کیے جائیں۔ مجھے دیکھو کبھی احتیاط نہیں کی۔ مگر ہاتھ اتنے نرم اور ملائم ہیں جیسے مخمل کے بنے ہوں۔'' اس نے ہاتھ کی پشت کو گال سے مس کرتے ہوئے گویا اپنے بیان پر مہر تصدیق ثبت کی۔

''کیوں اتنا جھوٹ بول رہی ہو اللہ سے ڈرو۔ کھلے آسمان تلے کھڑی ہو کہیں آسمانی بجلی نہ گر پڑے تم پر۔''

''ساتھ والے گھر کا جائزہ لیا تم نے؟ کیسے لوگ ہیں کچھ اندازہ ہوا۔''

سرسری انداز میں کہتے ہوئے چند قدم چل کر وہ اس دیوار کے پاس چلی گئی جو ساتھ والے مکان سے متصل تھی۔ سکھ چین کے پیڑوں کے پتے سنہری دھوپ میں چمک رہے تھے پوربی دیوار پر کاسنی پھولوں والی گھنی بیل ایک سبز بادل کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ شاید کچھ دیر پہلے ہی بیل پر پانی چھڑکایا گیا تھا کیونکہ گہرے سبز پتوں پر لرزتی ہوئی پانی کی بوندیں شفاف موتیوں کی طرح جھلملا رہی تھیں۔ ٹیرس پر' جوان کی چھت کی سمت نکلا ہوا تھا'

کرسیاں رکھی تھیں۔ لان میں ایک آدمی مشین سے بڑھی ہوئی خودرو گھاس کاٹ رہا تھا۔ پورٹیکو کے ایک پلر کی مرمت کی جارہی تھی۔

ندرت نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''تو یہ بات ہے۔''

وہ معنی خیزی سے بولی۔ رانیہ نے مصنوعی حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

''کیا بات؟''

''وہی جو تم سمجھ رہی ہو۔ ویسے جب صبح میں چھت پر آئی تھی تو ایک دفعہ وہ نظر آیا تھا۔ ٹریک سوٹ میں تھا۔ شاید واک وغیرہ کر کے لوٹا تھا۔''

''تبھی تم بار بار چھت کے چکر لگا رہی ہو۔ لوگوں کے گھروں میں تانک جھانک کرنا شریفوں کا شیوہ نہیں ہوتا ندرت بی بی۔ میں تو برسبیل تذکرہ پوچھ رہی تھی تم نے مجھے بھی اپنے جیسی ذہنیت کا سمجھ رکھا ہے۔ میری بلا سے وہ ٹریک سوٹ میں ہو یا ساڑھی میں۔''

ندرت نے کندھے اچکا کر کپڑوں کے ڈھیر کو ایک بازو سے دوسرے بازو پر منتقل کیا۔

''تم جس خیال میں ہو وہ ممکن نہیں۔ اتنا ہینڈسم اور خوب صورت لڑکا تمہیں کہاں گھاس ڈالے گا۔ اس کی بولتی ہوئی بھوری آنکھیں ذرا سی اوپر اٹھی ہوئی مغرور ناک اور اتنا لمبا چوڑا شاندار قدبت اور پھر ایسا سڈول جسم جیسے برسوں سے ورزش کا عادی ہو۔ نہ رانیہ نہ تمہاری دال یہاں گلنے والی نہیں۔ تمہارے لیے وہ انسٹی ٹیوٹ والا ہی مناسب رہے گا۔ وہ بھی تمہاری طرح کم عقل اور کم شکل ہے۔''

صائم کی تعریف میں اتنا جذباتی ہونے پر رانیہ نے اسے تشکیک آمیز نظروں سے دیکھا تھا۔

''مجھے گھاس کھانے کا کوئی شوق بھی نہیں۔ خوب صورت ہے تو ہوا کرے۔ میں نے تو اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ مگر لگتا ہے تم نے کچھ زیادہ ہی غور سے مشاہدہ کیا ہے اس کا۔''

''اس روز وہ اتنا گھور جو رہا تھا مجھے۔ کیا کرتی میں ایک دو بار مجبوراً دیکھنا پڑ ہی گیا مجھے۔ میری طرف دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایک نمی سی تیر رہی تھی جیسے التجا کر رہا ہو۔ میں نے تو اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں سمجھانے کی کوشش بھی کی کہ میری طرف سے لفٹ کا کوئی امکان نہیں۔ مگر وہ باز ہی نہیں آیا۔ دل کے ہاتھوں مجبور لگ رہا تھا۔''

رانیہ نے ایک زہرخند مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی اور گلا کھنکار کر بولی۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ شاید تیز دھوپ نے تمہارے دماغ پر برا اثر ڈالا ہے۔ تبھی تو ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو۔ تم نیچے جا کر ایئر کولر کے سامنے بیٹھو اور ایک گلاس ٹھنڈا پانی پیو انشاء اللہ افاقہ ہوگا۔''

''مجھے پتا تھا۔ میری بات سنتے ہی تم جل کر راکھ ہو جاؤ گی۔ تم جو بھی کہو مگر تمہیں تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ میں خوب صورتی اور جاذبیت میں تم سے کم وبیش ایک صدی آگے ہوں۔''

''تمہاری بزرگی میں تو مجھے رتی برابر شبہ نہیں۔ شکر ہے تم نے اپنے منہ سے اقرار کرلیا کہ تم مجھ سے تقریباً اٹھانوے ننانوے برس بڑی ہو۔ تمہاری راست گوئی کی داو نہ دینا زیادتی ہوگی۔'' رانیہ نے لہسن کے چھلکے ہتھیلی پر اکٹھے کر کے پھونک سے اس کی طرف اڑائے۔

''جلنے والے کا منہ کالا ہوتا ہے۔ جیسا اس وقت تمہارا ہو رہا ہے۔'' ندرت نے تلملا کر کہا۔

''اللہ کی شان ہے کہ تم جیسی مٹیالے کلر کی معمولی شکل والی حقیر لڑکی مجھے باتیں سنا رہی ہے۔ ویسے بھی مجھے تمہارے ساتھ اپنا تقابل کرنا نہایت عجیب لگ رہا ہے تمہارا میرا میل ہی کیا ہے۔ کہاں راجہ بھوج کہاں گنگو تیلی۔'' اس نے گردن میں شاہانہ تناؤ پیدا کرتے ہوئے پلیٹ اٹھائی اور سیڑھیوں کی طرف چل دی۔ سیڑھیوں پر قدموں کی دھمک سن کر اس کے دروازے کی جالی میں سے نیچے جھانکا سیڑھیوں میں ہی رک گئی اور گھٹی ہوئی سی آواز میں بولی۔

''برابر والی آنٹی آئی ہیں۔ وہ صائم بھائی کی امی۔ اماں بلا رہی ہیں تمہیں آ کر سلام کرو۔'' پیغام دے کر وہ تیزی سے واپس پلٹ گئی۔

رانیہ نے مڑ کر پلیٹ پیچھے کھڑی ندرت کی طرف بڑھائی مگر اس کے ہاتھ فارغ ہوتے تو وہ پکڑتی۔ پلیٹ کو نیچے زمین پر رکھ کر اس نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''اب تم منہ اٹھا کر چلی نہ آنا ان کے سامنے۔ اماں نے صرف مجھے آنے کو کہا ہے۔ کتنا برا امپریشن پڑے گا ان پر۔ اس گھر میں کتنی بھیانک اور بدزبان چیزیں بستی ہیں۔''

''تمہیں تو کوئی پرواہ نہیں تھی ان کی۔ اب مچل کیوں اٹھی ہو اور میں دیکھتی ہوں مجھے کون روکتا ہے۔'' وہ تن کر آگے بڑھی۔

''میں جانتی ہوں مجھ سے خوفزدہ ہو تم۔ میری موجودگی میں تم بجھ کر جو رہ جاؤ گی۔''

''میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے ورنہ میں تمہیں ضرور بتاتی کہ ہیرے اور کنکر میں کیا فرق ہوتا ہے۔'' رانیہ نے اس کے سنبھلنے سے پہلے اس کو پچھلی سمت میں دھکا دیا اور جھٹکے سے سیڑھیوں کا دروازہ کھینچ کر باہر نکلتے ہی کنڈی چڑھا دی۔

''ایسا عکس ڈالوں گی آنٹی پر کہ آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔'' ندرت کے کوسنوں کو نظر انداز کر کے وہ قلانچیں بھرتی ہوئی نیچے پہنچی۔ بھاگم بھاگ اپنے کمرے میں آئی اور وارڈ روب کھول کر تیزی سے استری شدہ جوڑوں کا جائزہ لیا۔ چند سیکنڈ بعد وہ شمشی رنگ کی شلوار قمیص منتخب کر کے واش روم میں گھس گئی۔ باہر آ کر اس نے آئینے کے سامنے ٹھہر کر قابل دید پھرتی کے ساتھ دراز بالوں کے بل کھول کر برش کیا اور نیچرل کلر کی لپ اسٹک کی ہلکی سی تہ ہونٹوں پر جماتے ہوئے آئینے میں اپنے عکس کو تنقیدی نظروں سے دیکھا۔

''خوامخواہ اتنا تردد کیا میں نے۔ میں تو حیران ہوں کوئی اتنا زیادہ خوب صورت کیسے ہو سکتا ہے۔ میری تو سبز آنکھوں کا ہی کوئی مول نہیں انجلینا جولی ہوگی حسین پر اتنا دم خم کہاں اس میں کہ میرے سامنے ٹھہر سکے۔'' وہ

شرما کر مسکرائی اور شانوں پر دوپٹے کو سلیقے سے ٹکاتے ہوئے باہر آ گئی۔
کچن کے دروازے کے پاس اماں اور انیقہ کو اکیلے کھڑا دیکھ کر اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔
''کہاں مر گئی تھی تو۔ جب بلوایا تھا میں نے تو آئی کیوں نہیں۔''
''آنٹی چلی گئیں کیا؟'' اس نے مایوسی سے پوچھا بڑی کوفت زدہ ہوئی تھی وہ اس صورت حال سے۔
''تو کیا بیٹھی رہتی تیرے انتظار میں۔ وہ تو گھڑی کی گھڑی ٹھہری اور چل دی بڑی اچھی عورت ہے۔ اچھی طبیعت کی لگ رہی تھی صالحہ نام ہے۔ پہلے اچھرہ میں رہتے تھے۔ شور شرابے والی جگہ ہے اس لیے یہاں مکان لے لیا۔ کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ اپنا کاروبار ہے۔ شوہر ریڈی میڈ کپڑوں کی دوکان چلاتا ہے پنوراما میں۔ سچ مجھے تو بڑی ہی بھلی لگی صالحہ پر ایک بات اچھی نہیں کی اس نے۔ آتے ہی مجھے آپا بنالیا۔ دیکھنے میں مجھ سے دو چار برس بڑی ہی لگ رہی تھی۔ خیر چھوڑو لوگوں کی تو عادت ہے ننھا بننے کی تم مل لیتیں تو اچھا تھا چلو اب کوئی اچھی چیز پکے تو دے آنا وہ بھی چکن پلاؤ دینے آئی تھی۔ گھر آنے کے لیے اصرار بھی کر رہی تھی اب رہنے دو وہ قیمہ۔ شام کو کوئی دال سبزی بنالینا۔''
ان آخری جملوں نے اس کے مرجھائے چہرے پر رونق دوڑا دی تھی۔
''زیادہ چالاک یا خرانٹ وغیرہ تو نہیں لگ رہی تھیں؟'' اس نے پوچھا تو اماں دھیرے سے مسکرائیں۔
''ارے نہیں سیدھی سادھی عورت تھی بس اللہ بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے۔'' اس کی طرف پرسوچ نظروں سے دیکھتے ہوئے اماں نے زیرلب کہا تو وہ جھینپ کر چہرے پر آئی ہوئی لٹ کو مروڑنے لگی۔
''یہ اوپر کون شور مچا رہا ہے؟'' ندرت کے چلانے اور دروازہ پیٹنے کی آوازوں نے اماں کو چونکا دیا۔
''اوہ۔'' رانیہ نے یوں سر پر ہاتھ رکھا جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی ہو۔
''نیچے آتے ہوئے میں غلطی سے کنڈی لگا آئی تھی۔ میرے ذہن میں ہی نہیں رہا کہ ندرت اوپر ہے۔ جانا ذرا انیقہ دروازہ تو کھول دینا۔''
''میں تیرے ابا کو پلاؤ دے آؤں۔'' اماں کچن میں چلی گئیں۔ تو وہ کپڑے بدلنے کے لیے مڑی اماں بہت عجلت میں لگ رہی تھیں۔ یقیناً صالحہ آنٹی کے بارے میں بتانے کی جلدی تھی انہیں۔
ندرت اس کی پشت پر آ کر کھنکاری۔
''میں نے آنٹی کو چھت پر سے ہی سلام کہہ دیا تھا۔ مجھ پر نظر پڑی تو نہال ہو گئیں کہنے لگیں نیچے آؤ بیٹا۔ کوئی پانچویں دفعہ انہوں نے نیچے آنے کی فرمائش دہرائی تو میں نے وعدہ کر لیا کہ فرصت ملی تو آپ کی طرف آ جاؤں گی۔ پھر جی بھر کے مل لیجیے گا۔ ادھر سے ہی میری بلائیں لیتی رخصت ہو گئیں اور تو سنو۔'' اس کے چہرے پر غصے کی سرخی پھیلتے دیکھ کر ندرت نے مزید اونچا سر لگایا۔
''پیچھے جو مڑی تو دل دھک سے رہ گیا۔ اپنے ٹیرس میں وہ کرسی پر بیٹھا تھا۔ پہلے تو گھورتا رہا گھورتا رہا' پھر ہاتھ کو بڑی آہستگی سے سر تک لے گیا۔ بڑے ہی ڈھکے چھپے انداز میں مجھے سلام کیا اور پھر سینے پر ہاتھ

ہ۔ ایک لمبی سی سرد سانس بھری۔ میں تو سٹ پٹا کر رہ گئی۔ تمہیں تو معلوم ہے دھوپ میں میرا چہرہ کیسے تپنے لگتا ہے اوپر سے شرماہٹ کی لالی۔ مجھے تو لگ رہا تھا میرے گال سورج کی گرمی اور اس کی آنکھوں کی حدت سے پگھل جائیں گے۔ پسینے پسینے ہوگئی میں تو۔''

اس نے قدم بہ قدم پیچھے ہٹتے ہوئے داستان جاری رکھی رانیہ کے بگڑے ہوئے تیور کسی بڑے دنگلے کا پیش خیمہ ہو سکتے تھے۔

''تمہاری بات میں اگر اتنی سی بھی سچائی ہے۔'' اس نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو ملاتے ہوئے ترش لہجے میں کہا۔ ''تو یقیناً اس کی دور کی نظر کمزور ہوگی یا ہوسکتا ہے تمہاری شکل اس کی بچھڑی ہوئی یا مرحومہ وغیرہ بہن سے ملتی ہو۔ ان دو صورتوں کے علاوہ تیسری بات نہیں ہوسکتی اور اگر پھر بھی تم بضد ہو تو چلو آؤ میں تمہیں آئینہ دکھاؤں۔'' رانیہ نے اسے بازو سے دبوچ کر ایسا زوردار جھٹکا دیا کہ اس کے حلق سے کراہ نکل گئی۔

دانیال نے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔

''یہ کیا دھینگا مشتی ہو رہی ہے؟ ابا کو بتا دینا میں صائم کے ساتھ ہوں۔ صبح اچانک ہی پروگرام بن گیا شادمان جانے کا وہاں صائم کو ملنا تھا کسی آدمی سے جلدی میں بتا نہیں سکا میں۔ ابھی لوٹتے ہیں وہاں سے اور یہاں آ کر یاد آیا نرسری بھی جانا تھا۔ کچھ ان ڈور پلانٹس چاہئیں ڈرائنگ روم کے لیے۔ صائمہ باہر گاڑی میں انتظار کر رہا ہے۔ ابا سے کہنا ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپس آجاؤں گا۔'' بتا کر وہ تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف بھاگا۔

اماں شاید اس کی آمد سے باخبر ہو چکی تھیں۔ وہ آوازیں دیتی رہ گئیں مگر وہ سنی ان سنی کر کے نکل گیا۔

''اے لڑکے ذرا ٹک تو گھر میں صبح سے کہاں مارا مارا پھر رہا ہے۔ تیرے ابا کو کام ہے کوئی۔'' اماں بڑبڑاتی رہ گئیں۔ ''یہ کیا آندھی کی طرح آئے اور طوفان کی طرح چل دیئے۔ گھر سے تو بھاگتا ہے یہ لڑکا آج چھٹی کے دن بھی چین نہیں اسے۔''

دانیال کے جانے کے بعد رانیہ نے ''اب کیا کہتی ہو'' جیسی نظروں سے ندرت کو دیکھا تھا مگر وہ یوں لاتعلق بنی گنگنانے میں مشغول تھی جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

☆............☆............☆

اودے کالے اور مٹیالے سفید بادل رینگ رینگ کر قریب ہوئے جا رہے تھے۔ جیسے ایک دوجے سے سرگوشی میں کچھ کہنا چاہتے ہوں مگر ان میں ٹھہراؤ نہ تھا بہے جا رہے تھے۔ ایک دوسرے کے تعاقب میں اڑے جاتے تھے۔

کیکر کی پھیلی ہوئی شاخیں ہوا کی تندی سے ادھر ادھر جھول رہی تھیں۔ مخملی زرد پھول شاخوں سے جدا ہو کر کبھی ہوا کے ہاتھوں میں جھولتے تو کبھی دیواروں سے ٹکرا کر زرد موتیوں کی طرح بکھر جاتے۔

گوریائیں اور شارکیں کیکر کی خاردار شاخوں پر پھولی ہوئی بیٹھی تھیں۔ ہوا کا جھونکا سرسراتا ہوا ہلکے سبز پتوں اور چھوٹے چھوٹے زرد روئی کے گالوں جیسے پھولوں کی جھنجھوڑ کر گزرتا تو ان کے پر اور بھی پھول جاتے۔

گھر کے پچھواڑے ایک خالی پلاٹ تھا جس میں کیکر کا ایک درخت ان کے گھر کی دیوار کے ساتھ

ساتھ سرکتا ہوا چھت پر جھانکنے لگا تھا۔ اس کی بڑھی ہوئی شاخیں چھت کے ایک گوشے پر برسوں سے سایہ فگن تھیں۔ کیکر کے پیڑ پر گلہریوں کے بے ڈھب گھونسلے تھے جن میں سے پرانے کپڑوں کی بوسیدہ کترنیں، مٹ میلی روئی، پولی تھین بیگ اور مختلف رنگوں کے دھاگے جھولتے رہتے پنچھیوں کے غول سارا سارا دن ڈالیوں پر بیٹھ کر انوکھی بولیاں بولتے۔ رانیہ چہکتے پرندوں کو آنکھوں میں تولتے ہوئے کچھ حساب کتاب کر رہی تھی۔

''بارہ چڑیاں تو گھر کے لوگوں کے لیے ہوگئیں۔ یعنی فی آدمی دو چڑیاں اور ہمسایوں کے لیے اندازاً سات آٹھ۔ ہوں یہ ہوگئیں تقریباً۔ انیس بیس۔'' اس نے انگلیوں پر گنتے ہوئے سر ہلایا۔

''چلو بھئی سب لوگ پوزیشنیں سنبھال لو۔'' اس نے ہدایات دینے کا آغاز کیا تو سب نے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھور کر دیکھا۔ مگر کوئی نوٹس لیے بنا اس نے بات جاری رکھی۔

''میں ادھر چارپائی کے پیچھے بیٹھوں گی۔ رسی میرے ہاتھ میں ہوگی۔ تم لوگ یوں سمجھو کہ سارا کام مجھے ہی کرنا ہے تم لوگوں کو تو صرف انہیں کڑاہی کے نیچے سے نکالنے میں میری مدد کرنا ہے۔ کیونکہ اگر وہاں چوک ہوگئی تو سارا کام چوپٹ ہو جائے گا۔ یہ چڑیاں خاص طور پر مادہ تو اتنی چالاک ہوتی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ اچھا انیقہ تم سیڑھیوں میں یہ بڑا والا کپڑا لے کر بیٹھو گی اور دانیال اور ندرت تم لوگوں نے بس اس بات کا دھیان رکھنا ہے کہ کوئی کوا چھت پر اترنے نہ پائے۔ ان کی خباثت سے خدا بچائے۔ سیدھا کڑاہی پر لینڈ کریں گے اور ایک بار چڑیاں بدظن ہوگئیں تو پھر انہیں بہلانا آسان نہیں۔ مگر تم دونوں بھی ایسی جگہوں پر بیٹھو گے۔ جہاں سے واضح طور پر دکھائی نہ دو۔''

وہ سب اپنی اپنی جگہ پر جمے کھڑے رہے اور ہنوز اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے رہے اتنی مفصل ہدایات کے نتیجے میں ایسا ردعمل دیکھ کر اس نے پیر پٹخے تھے۔

''تم لوگوں پر اثر کیوں نہیں ہو رہا۔ اب دفع بھی ہو جاؤ۔ یہ بدمعاش چڑیاں اتنی آسانی سے جھانسے میں آنے والی نہیں۔ سوچ سوچ کر کہیں گھنٹے بعد اتریں گی نیچے۔''

آخر کار دانیال نے لب کشائی کی تھی۔

''خدا کے قہر سے ڈرو رانیہ اتنی معصوم چڑیاں۔

تمہارا دل نہیں دہلتا ایسی بات سوچتے ہوئے۔''

''کیوں حلال پرندے ہیں۔ ڈرنے والی تو کوئی بات ہی نہیں۔''

''مگر ان سے تمہیں ملے گا کیا؟ ان بیچاریوں میں کچھ ہو بھی۔''

''گوشت۔ ملے گا' ذائقہ ملے گا اور کیا۔ چڑی پکوڑے کھا کر تم سب بھول جاؤ گے۔ ایسا چٹخارہ تم نے کبھی خواب میں بھی نہیں پایا ہوگا۔'' رانیہ نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر گویا تصور میں ذائقے کو محسوس کیا۔

''مگر کوئی گوشت ہو بھی ان کے جسم پر مجھے تو لگتا ہے ان میں ہڈی بھی نہیں ہوگی بس پروں نے بھرم قائم رکھا ہوا ہے۔''

''تم لوگوں کے دل میں ہمدردی کا جو سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ یہ اس وقت کہاں جاتا ہے جب تم معصوم مرغیوں، کبوتروں، تیتروں، بٹیروں اور خدا جانے کون کونسے معصوم جانداروں کی بوٹیاں بھنبھوڑتے ہو۔ تب تمہیں خدا کا خوف نہیں آتا۔''

''تم جو بھی کہو'' ندرت نے نفرت سے ناک سکوڑی۔ ''میں تم پر لعنت بھیجنے کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔''

''ہاں یہ ظلم کی انتہا ہے اور میں اس بھیانک کھیل میں ہرگز شریک نہیں ہوں گی۔'' انیقہ نے بھی صدائے احتجاج بلند کی۔

''سب کو ان کا احساس ہے۔ میرا کوئی خیال ہی نہیں۔ پچھلے ایک ماہ سے ان خرانٹ چڑیوں کو مانوس کرنے کی کوشش کر رہی ہوں اور دو کلو میرے چاول کھا گئیں یہ۔ وہ کس حساب میں گئے۔ تم لوگوں کو احساس نہیں ہے۔ چڑی پکوڑوں کی لذت کا ارے وہ سیالکوٹ اور گوجرانوالہ کے چڑے یونہی تو مشہور نہیں۔ ٹھیک ہے دفع ہو جاؤ تم لوگ میں اکیلی ہی کرلوں گی سب۔''

''خوامخواہ کرلوگی۔ میں یہ ظلم ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔ اگر کوئی چڑیا تمہارے جال میں آ بھی گئی تو میں پتھر پھینک کر اسے خبردار کردوں گی۔''

''اور میں وہی پتھر مار کر تمہارا سر پھوڑوں گی۔'' رانیہ۔ ندرت کے عزائم جان کر چلائی۔

''مجھے کسی کی مدد نہیں چاہیے میں اکیلی ہی کافی ہوں۔''

''تم جیسی ڈائنیں اکیلی ہی کافی ہوتی ہیں۔''

ندرت نے اس سے زیادہ بلند آواز میں چلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے پھر پکوڑے کوئی نہ مانگے مجھ سے۔''

اس نے قطعی انداز میں کہہ کر اپنے قریب پڑی ٹوٹے کنڈوں والی پیتل کی پرانی کڑاہی اٹھائی اور کسی مناسب جگہ کا انتخاب کرنے کے لیے دائیں بائیں نظریں دوڑائیں۔ ابھی وہ معائنہ ہی کر رہی تھی کہ انیقہ سات آٹھ انچ لمبی دو شاخہ لکڑی جس کے ساتھ رسی بندھی تھی' ہاتھ میں لیے اس کے قریب آ گئی اس نے تحسین آمیز نگاہوں سے انیقہ کو نوازا تھا۔

دانیال اور ندرت یک آہنگ ہو کر چیخے۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''بے چاری اتنا اصرار کر رہی ہے تو ٹرائی کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔ کیا معلوم چڑی پکوڑے بہت ہی زیادہ مزیدار ہوں۔'' اس نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا اور چاولوں سے مٹھی بھر کر احتیاط سے کڑاہی کے نیچے بکھیرنے لگی۔ جس کے کنارے تلے دو شاخہ لکڑی اٹکا کر رانیہ نے چھجہ سا تیار کر دیا تھا۔

''احتیاط سے چاول کناروں سے باہر نہ گرانا۔ ورنہ باہر سے ٹھونگ کر رخصت ہو جائیں گی۔''

رانیہ ایک بوسیدہ بوری پہن رہی تھی۔ جس میں تین گول سوراخ بنا کر اس نے سر اور بازو گزارنے کی

گنجائش پیدا کر لی تھی' دراصل وہ بوسیدہ ٹاٹ میں ملبوس ہو کر ماحول کا حصہ نظر آنا چاہتی تھی۔ اگر چڑیوں کو چارپائی کے پیچھے اس کی موجودگی کا احساس ہو جاتا تو ان کے چوکنا ہو جانے کا خدشہ تھا۔

لکڑی سے منسلک رسی پکڑ کر وہ چارپائی کے پیچھے بے حس و حرکت بیٹھ گئی۔ دانیال اور ندرت کو بڑی وقتوں سے منظر سے غائب کیا تھا۔ تاہم وہ نیچے جانے کی بجائے سیڑھیوں میں جمے ہوئے تھے۔ ان کے شر پسندانہ عزائم کی وجہ سے بھی وہ متفکر تھی۔

کچھ دیر بعد چڑیوں نے چھت پر اترنا شروع کیا تو وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ بادلوں کے چھوٹے بڑے ٹکڑے آپس میں مدغم ہو کر ایک پھیلی ہوئی بے پناہ کشادہ سرمئی شال کے روپ میں ڈھل چکے تھے۔ جسم کو چھو کر گزرتی ہوا میں نمی کا رچاؤ تھا۔ چھ سات چڑیاں کڑاہی کے نیچے گھس کر چاول چگنے لگیں تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

بھیگے بھیگے پروں والی چڑیوں کو حریصانہ نگاہوں سے آخری بار گن کر وہ رسی کھینچنے والی تھی کہ سیڑھیوں کی طرف سے ایک ہاہا کار مچ گئی۔ بوکھلا کر اس نے رسی کھینچ لی بہت سی چڑیاں کڑاہی گرنے سے قبل ہی پھر سے اڑ گئی تھیں۔ ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ کو اس نے دل پر تازیانے کی طرح محسوس کیا۔ آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے اس نے سیڑھیوں کی سمت دیکھا تو دانیال اور ندرت کے چہروں پر فتح مندی کی چمک دیکھ کر اس کا لہو گویا کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگا۔

ایک جست لگا کر اس نے چارپائی کے پیچھے سے نکلنے کی کوشش کی مگر بوری میں پھنسے ہونے کے باعث محض لڑکھڑا کر رہ گئی۔

تیزی سے قریب پڑی اینٹ اٹھا کر ان کی جانب اچھالی مگر اپنا ہی ہاتھ مڑ کر رہ گیا۔ ان کی ہنسی زہریلے تیروں کی مانند جسم میں پیوست ہو رہی تھی۔

اس کے بعد جو اس کے ہاتھ میں آیا دیکھے بغیر ان کو مارنے لگی۔ معاملے کو سنگین صورت اختیار کرتے دیکھ کر ان دونوں نے کھسک لینے میں عافیت جانی تھی۔ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح نڈھال قدم اٹھاتی و اوندھی پڑی ہوئی کڑاہی کے پاس پہنچی تھی۔ مگر قریب جا کر اچھل پڑی۔

''بھاگ کر آؤ انیقہ۔ ہم کامیاب ہو گئے ہیں۔ دو یا تین چڑیاں تو ضرور ہی پھنس گئی ہیں۔''

خاصے تردد کے بعد وہ کڑاہی تلے سے دو چڑیاں برآمد کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ ایک تو رانیہ کے ہاتھ میں آ کر بھی اڑ گئی تھی۔ اتنی زور سے اس کی انگلی پر کاٹا تھا کہ وہ بلبلا کر گرفت ڈھیلی کرنے پر مجبور ہو گئی۔''

''میں کہہ رہی تھی نا بڑی بدمعاش ہوتی ہیں یہ چڑیاں۔ کیسے وحشی درندے کی طرح چمٹ گئی میری انگلی سے بوٹی اکھڑنے میں بس ہلکی سی کسر رہ گئی تھی۔'' اس نے انگلی سہلاتے ہوئے محصور چڑیوں کو انتقاماً گھورا۔

انیقہ مایوسی سے منہ لٹکاتے ہوئے بولی۔

''پکوڑے تو بس دو ہی بن سکیں گے۔''

''ان بدبختوں نے دغا دے دیا۔ ورنہ......'' بات کرتے ہوئے اس کی نظر ساتھ والے گھر کی طرف غیر ارادی طور پر پڑی تو اس کی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ ٹیرس پر صائم سفید ریلنگ پر ہاتھ دھرے کھڑا تھا اور مسلسل اسے دیکھ رہا تھا خدا جانے کب سے وہ وہاں پر موجود تھا۔ پتا نہیں کیا کیا سن لیا ہوگا وہ لوگ بول بھی تو اتنی اونچی آواز میں رہے تھے۔ اسے چڑیوں کے متعلق کی ہوئی باتیں یاد آئیں اور اپنے موجودہ حلیے یعنی بوری کا دھیان آیا تو زمین آسمان گھومتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس وقت اس کی مٹھی میں ایک عدد چڑیا بھی کسمسا رہی تھی جسے چند لمحے پہلے آنکھوں سے قریب لاکر وہ باآواز بلند دھمکا رہی تھی اسے لگ رہا تھا وہ کسی بھی لمحے بے ہوش ہوکر گر جائے گی۔ اچانک انیقہ کی غیر موجودگی کو محسوس کر کے اس نے قریبی دیوار کا سہارا لیا تھا۔ شرمندگی کے مارے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ لرزتے ہاتھ سے چڑیا کو آزاد کرتے ہوئے اس نے مڑ کر بھاگنے کی سرتوڑ کوشش کی مگر کم بخت بوری اس کوشش کی راہ میں دیوار بن کے حائل ہوگئی۔

''ارے وہ چڑی پکوڑوں کا کیا ہوگا؟'' صائم کی مسکراتی آواز اس کے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح پڑی تو ساری ہڈیاں کڑکڑا کر رہ گئیں۔

''میں تو سوچ رہا تھا آج ہم بھی چڑی پکوڑے اڑائیں گے مگر آپ تو میدان چھوڑ کر جا رہی ہیں۔''

خود کو بوری کے شکنجے سے نجات دلانے کی جدوجہد کرتے ہوئے بمشکل وہ سیڑھیوں کے دروازے تک پہنچی تھی۔ دھندلائی ہوئی آنکھوں سے سیڑھیاں اسے کسی جھولتے ہوئے پل کی طرح ڈولتی نظر آرہی تھیں۔

☆............☆............☆

اکنامکس کا پیپر لینے کے بعد وہ دونوں لائبریری میں آگئی تھیں۔ رانیہ کا موڈ سخت خراب تھا۔ سر نے ساری کلاس کے سامنے اتنے شاندار ریمارکس جو دیے تھے۔

''اعلان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' وہ میز پر کہنی ٹکاتے ہوئے بڑبڑائی۔

''میرے مارکس تھوڑے سے کم تھے تو کیا قیامت آگئی ہونہہ اسے فریم کروا کے ڈرائنگ روم میں سجائیے۔'' سر کا کہا ہوا جملہ یاد آیا تو حلق میں کڑواہٹ گھل گئی۔

''وہ تو میں لحاظ کرگئی ورنہ ایسی کھری کھری سناتی کہ دماغ ٹھکانے آجاتے۔ پڑھانا تو آتا نہیں ہے سر کو۔ لیکچر ڈلیور کرتے ہوئے ناک میں بولتے ہیں مگر بے عزتی کرنی ہو تو گلے کی گراریاں بہترین کنڈیشن میں آجاتی ہیں۔''

ندرت نے اس کے دکھ درد میں شریک ہونے کی بجائے ''اکانومسٹ'' کا تازہ ایڈیشن اپنے سامنے پھیلا لیا۔

''یہ ایک نمبر دینے کی بھی کیا ضرورت تھی نرا احسان کیا۔''

ندرت نے نظر اٹھا کر ایک لمحے کو اس کا تپتا چہرہ دیکھا اور سر جھکاتے ہوئے بولی۔

''وہ تو منفی نمبر دینا چاہ رہے ہوں گے۔ مگر کیا کرتے۔ ایسا دستور ہی نہیں ہے۔''

''بکواس بند کرو اور اکانومسٹ میں سر گھسیٹر کر کیا ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی ہو۔'' رانیہ نے رسالہ جھپٹ کر پرے اچھال دیا۔

''میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں۔ تمہارے فرشتے بھی اس کی زبان نہیں سمجھ سکتے تمہارے چار پانچ نمبر آہی گئے ہیں تو اتنا اکڑنے کی ضرورت نہیں۔ رعب ڈالنے کے لیے اکانومسٹ' کھول کر بیٹھ گئی ہو انگلش تو پڑھنی آتی نہیں تمہیں پنجابی میڈیم اسکولوں میں مرغی بنتے بنتے عمر گزر گئی تمہاری اور اب مجھ جیسی انٹلکچوئل لڑکی پر رعب جمانے کی کوشش کر رہی ہو۔''

''تمہارا انٹلکچوئلزم تو وقتاً وقتاً کھل کر سامنے آتا ہی رہتا ہے۔ انگلش پر تو تمہیں خطرناک حد تک عبور حاصل ہے وہ پہلے دن کا قصہ یاد ہوگا تمہیں۔''

''لیلیٰ کی ایک آنکھ دوسری سے چھوٹی نہیں ذرا دیکھو تو وہ بیٹھی ہے کارنر میں۔'' رانیہ نے بات کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی مگر ندرت کو ٹریک سے ہٹانا آسان نہیں تھا۔ کوئی دھیان دیے بغیر اس نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔

''جب تم نے اکاؤنٹنگ کے پیریڈ میں کھڑے ہو کر نہایت ادب سے گزارش کی تھی۔ سر مے آئی گو ٹو ڈرنک باتھ روم۔'' کتنی دیر تو سر سمیت ساری کلاس تمہارے جملے کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتی رہی تھی پھر وہ قہقہے پڑے کہ۔''

''ہاں ہاں پتہ ہے مجھے۔ کتنے قہقہے پڑے۔ چمڑے کی زبان ہے۔ پھسل ہی جاتی ہے۔ تم تو خوامخواہ کی حاشیہ آرائی کر رہی ہو۔'' رانیہ نے دل ہی دل میں اسے بے شمار بددعائیں دے ڈالی تھیں۔ جن میں زبان میں کیڑے پڑنے والی اور یادداشت معطل ہونے کی خواہشات سرفہرست تھیں۔

''ارمغان تو ہنستے ہنستے کرسی سمیت پیچھے الٹ گیا تھا اور سر نے ڈائس کا سہارا لے کر خود کو سیدھا کھڑا رکھا ہوا تھا۔ بڑی مشکل سے انہوں نے تمہیں باہر جانے کے لیے کہا اور تمہاری ہی وجہ سے انہیں درخواست کرنا پڑی کہ آئندہ کسی کو باہر جانا ہو تو براہِ مہربانی خاموشی سے اٹھ کر چلا جائے۔ پوچھ کر شرمندہ نہ کرے۔''

''گڑے مردے اکھاڑنے سے کیا حاصل مٹی ڈالو اس معمولی سی بات کو لے کر بیٹھ گئی ہو۔'' رانیہ نے انتقام کی لہر کو دل میں دباتے ہوئے خاصی دقت سے یہ فقرات کہے۔

''ویسے تم لائبریری میں آئی کس لیے ہو۔؟''

''پرسوں کی ..... Presentation کے لیے مواد اکٹھا کرنے کا سوچ کر آئی تھی۔ ماھم بتا رہی تھی اکانومسٹ کے نئے ایڈیشن میں ایک زبردست فیچر شائع ہوا ہے۔ وہ پڑھ لو سارا مسئلہ حل ہو جائے گا مگر فیچر دیکھ کر میری آنکھوں کے سامنے تو اندھیرا چھا گیا ہے۔ پتہ نہیں کیا الا بلا لکھا ہوا ہے میرے تو سر سے گزر گیا۔ سر نے بھی کونسا ٹاپک اٹھا کر دے دیا۔ دنیا سے غربت کا خاتمہ کرنے میں بین الاقوامی مالیاتی اداروں کا کردار یہ کوئی موضوع ہے۔ غریبوں کا خاتمہ کرنے کے لیے سلسلے میں مالیاتی اداروں کی کاوشوں کا تذکرہ کرنا ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔''

رانیہ نے اسے پسلی میں کہنی سے ٹھوکا دیا تو وہ خاموش ہو کر مستفسرانہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی مگر

پھر اس کے بتائے بنا ہی سمجھ گئی۔ رفعت زیاد ٹیبل کی پرلی طرف ان کے عین سامنے کرسی سنبھال چکا تھا اور اب ٹکٹکی باندھے رانیہ کو دیکھے جا رہا تھا۔

''اچھا بھئی میں تو چلی۔ تمہیں تو بڑی اچھی کمپنی میسر آ گئی ہے۔'' ندرت اسے چڑانے کی خاطر اٹھنے لگی تو اس نے بازو سے کھینچ کر اسے واپس بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

''ٹانگیں توڑ دوں گی۔ خاموشی سے بیٹھی رہو۔'' رانیہ کی آواز میں شدید طیش تھا۔

اس لڑکے کو دیکھتے ہی اس کا دماغ کھولنے لگتا تھا۔ جب سے وہ کلاس میں آیا تھا۔ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑا تھا۔ کلاس روم میں' لائبریری میں کینٹین کمپیوٹر لیب ہر جگہ اس کی نظریں رانیہ کے چہرے سے چپکی رہتیں۔ ویگن کے انتظار میں اسٹاپ پر کھڑی ہوتی تو بائیک لے کر اس وقت تک وہاں موجود رہتا جب تک وہ ویگن میں سوار نہ ہو جاتی۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی تھی۔ بہانے بہانے سے مخاطب کرنے کی کوشش کرتا۔

''آپ کے پاس ایم ایس ایکسل کے نوٹس ہوں گے؟''

''مس رانیہ آج پاکستانی کرکٹ ٹیم کی پرفارمنس بڑی شاندار رہی۔''

'' آج اکنامکس کا لیکچر کچھ پھیکا سا تھا سر اکرام اپنا پوائنٹ آف ویو موثر طریقے سے سمجھا نہیں پائے۔''

''مس رانیہ یہ توس ضرورت سے زیادہ سینکے ہوئے نہیں لگتے''

وہ اس سے جتنا چڑتی تھی اسی قدر وہ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ حلیہ بھی تو خاصا عجیب سا تھا۔ بال کندھوں پر لٹکے ہوئے تھے جو چلنے پر باقاعدہ آگے پیچھے جھولتے تھے۔ قد غیر ضروری حد تک دراز تھا جس کے باعث کندھے کسی جل ککڑی کے پروں کی طرح آگے کی سمت ذرا سے جھکے ہوئے تھے۔ بات کرتے ہوئے نچلے جبڑے کو یوں گھماتا تھا۔ جیسے چکی کا پاٹ چل رہا ہو۔

رانیہ اس کی نظروں سے کبھی بھی خائف نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ خوفزدہ ہونے والی کوئی بات سرے سے تھی ہی نہیں۔ البتہ اس کے مسلسل تعاقب اور غیر معمولی ڈھٹائی سے عاجز ضرور آ گئی تھی۔

''مس رانیہ!'' اس نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے متذبذب انداز میں اسے پکارا وہ یوں بن گئی جیسے سنا ہی نہ ہو اور خود کو ''دی نیشن'' کے شوبز نیوز والے صفحات میں محو ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''وہ بلا رہے ہیں رانیہ۔''

اس نے ندرت کی پنڈلی پر زور سے ٹھوکر ماری اور پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولی۔

''تو جواب دے دو ناں مجھے کیوں بتا رہی ہو۔''

''لگتا ہے آپ اکنامکس کے ٹیسٹ میں کم مارکس آنے کی وجہ سے اپ سیٹ ہیں۔''

رفعت کے فقرے نے اس کے تن میں آگ سی بھڑکا دی اور جلتی پر تیل کا کام ندرت کی بے ساختہ مسکراہٹ نے کیا۔ وہ تو پھٹ ہی پڑی۔

''میرے پاس غیر ضروری سوالوں کا جواب دینے کا وقت نہیں۔آپ دیکھتے نہیں میں پڑھ رہی ہوں اورآپ کو باتیں بگھارنے کے لیے میں ہی ملی ہوں۔کتنی ٹیڑھی، میڑھی، اڑنگ بڑنگ لڑکیاں ادھر ادھر بکھری ہوئی ہیں۔'' اس نے خاص طور پر اپنے ساتھ بیٹھی ندرت اور کارنر والی ٹیبل پر براجمان لیلیٰ اور سطوت کی طرف انگلی سے اشارہ کیا تھا۔

''سب ہی فارغ بیٹھی ہیں۔کسی کا بھی دماغ کھایئے مگر خدا کے لیے مجھے بخش دیجیے۔''

اس کی پر جلال آواز پورے کمرے میں گونجی تو لائبریرین نے اسے فہمائشی نظروں سے دیکھا مگر اس کے پاس فرصت ہی کہاں تھی ادھر توجہ دینے کی بہت سی گردنیں اس کی طرف مڑ گئی تھیں۔

''ٹیسٹ میں اس سے بھی کم نمبر لوں گی میں۔کوئی مجھے روک کر تو دکھائے۔'' ٹیبل پر مکا مارتے ہوئے اس نے اپنا بیگ بغل میں دبایا اور پیر پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔

رفعت کے چہرے پر کسی صدیوں کے بیمار جیسی مردنی چھائی ہوئی تھی۔اور لٹکتے ہوئے بالوں والا سر لحہ بہ لحہ ٹیبل سے قریب تر ہوا جا رہا تھا کچھ دیر بعد ندرت بھی کرسی دھکیل کر اٹھ گئی کیونکہ وہاں بیٹھنا اب ممکن نہ رہا تھا۔

کینٹین میں کاؤنٹر کے پاس کھڑی رانیہ اپنا آرڈر نوٹ کروا رہی تھی۔اس نے خالی جگہ کے لیے چاروں طرف نگاہ دوڑائی لیکن مایوسی کا سامنا ہوا۔کوئی بھی ٹیبل اس وقت خالی نہ تھی۔''میرے لیے ایک کوک اور سموسوں کا کہہ دینا۔صبح ڈھنگ سے ناشتا کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔''

''تمہارے منہ میں جو ڈیڑھ گز کی زبان ہے۔اسے استعمال کرو۔'' رانیہ کی طرف سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی سو اس نے زیادہ توجہ نہ دی۔

''پیسے نہیں ہیں میرے پاس ہوتے تو تم سے کیوں کہتی بھلا۔''

''کہہ کر بھی تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔اگر پیسے نہیں ہیں تو پینے کے لیے تمہیں صبر کا گھونٹ میسر آسکتا ہے۔'' اس نے کورا جواب دیا۔

''اور کھانے کے لیے؟'' ندرت کی بات کا کوئی مناسب جواب دینے کے لیے وہ منہ کھول رہی تھی لیکن جھولتے ہوئے بالوں کو اپنے قریب سے گزرتے دیکھ کر اس کے ہونٹ سختی سے آپس میں پیوست ہو گئے۔

''میں رفعت سے جا کر کہتی ہوں۔رانیہ کو کچھ پیسے چاہئیں۔تم دیکھنا میرا مسئلہ فوراً حل ہو جائے گا۔''

ندرت چہکی تو رانیہ کا دل سر پیٹ لینے کو چاہا۔

وہ اپنے جیسے ایک مجہول سے لڑکے ساتھ بیٹھ چکا تھا اور اب منہ لٹکائے بڑی کربناک نگاہوں سے اسے تکے جا رہا تھا۔

''لگتا ہے بے چارہ معذرت کرنا چاہ رہا ہے۔لیکن ڈر کے مارے ہمت نہیں پڑ رہی مجھے تو ترس آ رہا ہے۔کیسی مسکین صورت بنائے بیٹھا ہے۔تم ذرا ہنس کر بات کرلیا کرو تو قیامت آجائے گی۔'' ندرت کی ہرزہ سرائیاں جاری تھیں۔

رانیہ چند لمحے خاموشی سے گہرے گہرے سانس لیتی رہی گویا ہوا سے توانائی کشید کر رہی ہو اور پھر بڑے پرسکون لہجے میں بولی۔

''تم کم از کم آہستہ تو بول سکتی ہو ندرت۔ یہ ہمارا گھر نہیں ہے چائے کا کہہ دوں۔ کوک کے لیے پیسے نہیں ہیں میرے پاس۔''

ندرت نے حیرت سے اسے دیکھا۔ رانیہ اور ایسا ٹھنڈا میٹھا انداز۔ چند لمحے تو اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

تھوڑے سے انتظار کے بعد ایک میز خالی ہوگئی تو وہ دونوں ادھر بیٹھ گئیں۔ رانیہ ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ بیٹھی تھی۔ انداز میں خلاف معمول ٹھہراؤ تھا۔ ندرت نے غصہ دلانے والی کوئی بات کی بھی تو وہ مسکرا کر ٹال گئی۔ اس کے بدلے ہوئے اطوار دیکھ کر ندرت کے دل میں کھدبدی ہونے لگی تھی۔ رانیہ کی یہ خوش مزاجی حلق سے اتر نہیں رہی تھی۔ کچھ تھا ضرور مگر کیا تھا؟ اس کا اندازہ اسے نہیں ہو رہا تھا۔

''تم یہ والا سوٹ بہت پہنتی ہو ندرت؟'' رانیہ نے اچانک پوچھا تھا۔

''کہیں مانگنے والی تو نہیں ہو ایک ذرا سی چائے کے بدلے اتنی بڑی قربانی کی متحمل نہیں ہو سکتی میں۔'' اپنے پسندیدہ ترین سوٹ پر اس کی عجیب سی نظریں جمی پا کر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

''ارے نہیں، گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں مانگ تھوڑی رہی ہوں۔ میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔ یہ کلر جچتا ہے تم پر۔''

''اچھا واقعی؟'' اس نے بے یقینی سے کہا۔

''دانیال بھی کہہ رہا تھا تم ان کپڑوں میں بہت اچھی لگتی، ہو سکے تو روز یہی پہنا کرو۔''

''اس کا مطلب ہے تم بہن بھائی کی چوائس بہت ملتی ہے۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔''

''نہیں اتنی بھی نہیں ملتی۔ بعض معاملات میں دانیال کی چوائس اتنی گھٹیا اور تھرڈ ریٹ ہوتی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔''

''مثلاً کس معاملے میں؟'' ندرت کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

''یاد نہیں تمہیں پچھلے مہینے جب اسے اماں نے اپنے لیے چوڑیاں لانے کا کہا تھا تو کیسے شاہکار اٹھا لیا تھا۔''

اس نے رانیہ کی بات کو شک کے ترازو میں تول کر نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی مگر اس کی آواز میں سادگی اور لاپرواہی کے سوا کچھ نہ تھا۔

''ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے مگر اسے عورتوں کے معاملات کی کیا خبر۔ مامی کو بھی تو شادی والے گھر جانے سے صرف ایک گھنٹہ پہلے چوڑیوں کا یاد آیا تھا۔''

''میں چائے لے آؤں۔ کاؤنٹر بوائے اشارہ کر رہا ہے۔'' رانیہ اٹھ گئی تو ندرت کی حیرانی ایک سیڑھی اور طے کر گئی۔

''میں لے آتی ہوں۔ پیسے بھی تمہارے اور اس قدر عاجزی۔ رانیہ آرام سے بتا دو تمہارا ارادہ کیا

ہے۔'' آخر کار اس نے کھل کر کہہ ہی دیا۔

''اوہو ندرتم تو ہمیشہ مجھے شک کی عینک سے دیکھتی ہو۔ آخر ہمارا اتنا قریبی رشتہ ہے کوئی دشمن تھوڑی ہیں ہم۔'' پتہ نہیں کیوں اسے لگا کر رانیہ دانت پیس رہی تھی۔

''رفعت سے کہہ دو وہ لے آئے گا۔'' اس نے ایک اور حربہ آزما دیکھا لیکن رانیہ تو آج حیران کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ محض مسکرا کر کاؤنٹر کی طرف چل دی۔

''یا اللہ خیر۔'' ندرت نے زیرلب دعا مانگتے ہوئے رانیہ کو دیکھا۔ وہ ٹرے اٹھائے سہج سہج قدم اٹھاتی واپس آ رہی تھی۔

ٹیبل کے قریب آ کر وہ ٹرے رکھنے کے لیے جھکی لیکن اچانک یوں لڑکھڑائی جیسے پاؤں مڑ گیا ہو۔ دودھ والا برتن ندرت کی گود میں الٹا اور چینی دان اس کی ناک سے ٹکرا کر دوپٹے میں اٹک گیا۔

''خدا تمہیں غارت کرے رانیہ۔'' وہ دامن کو جھٹکتی اٹھ کر چلانے لگی۔

''تو اس لیے مکر کر رہی تھیں تم۔ میں بھی کہوں یہ بھولپن کس لیے دکھایا جا رہا ہے۔ اللہ کرے تم بدصورت ہو جاؤ۔'' عجلت اور غصے میں اس کے منہ سے غلط جملہ پھسل گیا۔

''یعنی تم مجھے خوب صورت تسلیم کرتی ہو۔'' رانیہ نے مطمئن انداز میں دریافت کیا۔

''اللہ نہ کرے میں ایسا کہوں۔'' وہ تڑپ کر بولی۔ ''میں تو بھول گئی تھی اس پھٹکار برستی شکل میں مزید گنجائش نہیں نکلتی بس زبان غوطہ کھا گئی۔ جلتا کوئلہ بھی رکھوں زبان پر تو کفارہ ادا نہیں ہو سکتا۔''

اس ہنگامہ آرائی پر کینٹین میں موجود تقریباً سبھی لوگ ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے رفعت تو باقاعدہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔

''کیا ہوا مس رانیہ'' وہ سارے جہاں کا درد لہجے میں سموئے پوچھ رہا تھا۔

''آپ دیکھتے نہیں مشکل میں میں نہیں وہ ہیں۔ انہیں مدد کے لیے پوچھیے۔ شاید انہیں ضرورت ہو۔''

''میں دیکھ لوں گی تمہیں۔ تم سمجھتی کیا ہو خود کو۔''

ندرت روہانسی ہو رہی تھی۔

''اچھا اتنا واویلا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا بھی تو پاؤں مڑ گیا۔ پتہ نہیں کیسے بچت ہو گئی ورنہ زبردست موچ آ جاتی اور شکر کرو میں کھولتا ہوا چائے کا پانی وہیں کاؤنٹر پر چھوڑ آئی۔ معلوم نہیں کیوں پہلے سے مجھے ڈر سا لگ رہا تھا کہیں ٹرے میرے ہاتھ سے گر نہ جائے۔ کہیں کچھ ہو نہ جائے۔ اسی لیے تو اپنی کوک اور سینڈوچز بھی نہیں لائی ساتھ سوچا تھا اتنی ساری چیزیں سنبھالی نہیں جائیں گی۔ مگر مجھے کیا پتہ تھا کم بھی نہیں سنبھلیں گی۔'' اس نے معصومیت سے پلکیں جھپکا کر اسے دیکھا۔

کینٹین بوائے کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر صفائی کرنے آ گیا تھا۔ رفعت اب تک نہایت سنجیدگی سے کھڑا ان کی گفتگو سن رہا تھا۔

''میں جا رہی ہوں۔''

''تو اس میں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ضرور جاؤ اچھا ویگن کا کرایہ چاہیے ہو گا۔ ہاں تمہارے پاس تو پیسے ہی نہیں ہیں۔'' رانیہ نے جلدی سے بیگ میں ہاتھ ڈالا لیکن وہ قہر آلود نظروں سے گھورتی ہوئی چل دی۔

''اکیلی ہی جا رہی ہو؟ اماں پوچھیں تو کہنا میں لائبریری میں کچھ دیر رکوں گی۔'' اس کے چلے جانے کے بعد وہ سینڈوچز اور کوک کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''لگتا ہے برا منا گئی۔ میرا کوئی قصور بھی ہو'' اس نے سینڈوچ کا بائٹ لیتے ہوئے ساتھ والی میز پر نگاہ ڈالی تو ایک لمحے کے لیے انڈے اور توس کا ذائقہ کچھ نا مانوس سا لگا۔ رفعت گزشتہ جگہ سے اٹھ کر اس کے برابر والی ٹیبل پر منتقل ہو چکا تھا۔ اس نے کوک سے ایک بڑا سا گھونٹ لے کر بمشکل نوالہ نکلا تھا۔

☆............☆............☆

رانیہ نے کروٹ لے کر اپنے قریب بے سدھ سوئی ندرت کو ایک نظر دیکھا اور چادر ہٹاتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ انیقہ پہلو کے بل بیڈ کے سرے پر ٹکی ہوئی تھی اور اس کا بازو نیچے لٹکا تھا۔

''کیا مصیبت ہے سب ہی چین کی نیند سو رہے ہیں۔ مجھے کیا تکلیف ہے۔ نیند کیوں نہیں آتی؟''

اس نے دیواروں پر پھیلتے سمٹتے تاریک سایوں کو بوجھل مگر نیند سے خالی آنکھوں سے دیکھا۔ لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پٹ نیم وا تھے اور پردہ ہوا کی لے پر تھرتھرا رہا تھا۔

''ندرت اٹھو۔'' اس نے جھنجوڑ کر ندرت کو جگایا۔

''میری بات سنو اٹھو بھی۔''

''کیا بکواس ہے؟'' وہ بند آنکھوں کے ساتھ تلخی سے بڑبڑائی۔

''اس وقت کیا چیز تمہیں چین نہیں لینے دے رہی؟''

''میں تو چین سے ہوں مگر بلی کو سکون نصیب نہیں ہو رہا۔''

''کیا؟'' اس نے ادھ مندی آنکھوں سے رانیہ کو یوں دیکھا جیسے اس کے ذہنی توازن پر شبہ کر رہی ہو۔

''کون بلی۔ کیا فضول بک بک کر رہی ہو؟''

''سنو کیا تمہیں سنائی دے رہا۔'' رانیہ کے انداز میں فکرمندی کی جھلک تھی۔

''بلی رو رہی ہے۔ پتہ نہیں بے چاری کو کیا دکھ ہے۔ کیا پتہ شوہر سے لڑائی ہو گئی ہو یا کسی بچے کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔''

''یہ بلی کسی عورت کا نام ہے؟'' ندرت کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

''سیانے کہتے ہیں بلیاں روئیں تو کوئی آفت آتی ہے۔ کوئی بڑی مصیبت ہمارے صحن میں بلی، پچھلے پون گھنٹے سے مسلسل چلا رہی ہے۔ مجھے ڈر سا لگ رہا ہے۔''

''مجھے ان سیانوں کا پتہ بتانا جنہوں نے یہ بات تمہیں بتائی ہے۔ میں جلد ہی ان سے مل کر ان کی

زبانیں گدی سے کھینچ لوں گی۔" آخر میں وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخ ہی پڑی۔

"رانیہ مجھے سونے دو۔ ورنہ میں تمہارا گلا دبا دوں گی۔" اس نے کروٹ بدل کر دوسری طرف رخ کرنے کی کوشش کی مگر رانیہ نے اسے کندھوں سے دبوچ لیا تھا۔

"اچھا بلی کو گولی مارو روتی ہے تو پڑی روئے۔ ہوگا کوئی گھریلو مسئلہ تمہیں گٹار کی آواز تو سنائی دے رہی ہے نا لگتا ہے جیسے قریب ہی کوئی گٹار بجا رہا ہے بڑی مدھم سی آواز ہے۔ مگر ہے ذرا غور سے سنو تو سہی۔ بالکل صاف آواز ہے۔"

"میں بہری ہوں۔ مجھے بالکل بھی سنائی نہیں دیتا۔"

"اچھا لیکن اس بات کا انکشاف تم پر کب ہوا؟"

"مجھے ابھی ابھی پتہ چلا ہے اور اگر اب تم نے مجھے آواز دی یا ہاتھ لگایا تو میں چیخ چیخ کر سارے گھر کو اکٹھا کرلوں گی۔" اس کے صبر کا پیمانہ چھلک رہا تھا لیکن رانیہ پر اس بات کا ذرہ برابر اثر نہیں ہوا۔

"ٹھیک ہے ہاتھ نہیں لگاتی۔ پاؤں تو لگا سکتی ہوں یا اس پر بھی تمہیں اعتراض ہے۔ اچھا مجھے باتوں میں الجھا کر اصل موضوع سے بھٹکانے کی کوشش نہ کرو۔ کتنا رومانٹک لگتا ہے نارات کے وقت گٹار کی مدھر تانیں دل کو کچھ کچھ ہوتا ہے کوئی عجیب سا احساس دل انوکھے چلن سے دھڑکنے لگتا ہے۔ بے وجہ آنکھوں میں نمی تیرتی ہے اور......"

"اور سینہ دھونکنی کی طرح چلتا ہے۔ باچھوں سے جھاگ بہہ نکلتا ہے۔ ہاتھ پاؤں تڑنے مڑنے لگتے ہیں اور راہ چلتے لوگوں پر خوامخواہ حملہ کرنے کو دل چاہنے لگتا ہے یہی سب کچھ ہوتا ہے یا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے۔" ندرت نے سر کے بال مٹھیوں میں جکڑ کر جھنجھلاہٹ کی انتہا کو چھوتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کبھی سنجیدہ بھی ہوجایا کرو ندرت۔ تمہیں تو ہر وقت مذاق سوجھتا ہے۔" رانیہ کے انداز میں فرصت ہی فرصت تھی۔

"اف ندرت تمہاری اسکن کتنی رف ہورہی ہے۔ آنکھ کے قریب ایک دانہ بھی نکل آیا ہے۔" رانیہ نے اچانک کہا تو ندرت کی آنکھیں صندوق کے ڈھکن کی طرح پٹ سے کھل گئیں۔ اب کی بار ان میں نیند کا شائبہ تک نہ تھا۔

"میں تمہاری بات پر اعتبار نہیں کرسکتی تم جھوٹ بول رہی ہو۔" وہ بیڈ سے نیچے اتری اور سوئچ بورڈ کو ٹٹولتے ہوئے لائٹ آن کردی کمرہ سفید روشنی سے بھر گیا تھا۔ تیزی سے وہ آئینے کے سامنے گئی اور بنظر غائر چہرے کا معائنہ کرنے لگی۔

"پچھلے دنوں میں قدرے لاپرواہ رہی ہوں اپنی جلد سے کل سے ہی بالائی میں لیموں ملا کر مساج شروع کرتی ہوں۔" اس نے مڑ کر مشورہ طلب نظروں سے رانیہ کو دیکھا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"کوئی فائدہ نہیں بالائی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ تم کسی تگڑے سے تیزاب کا استعمال کرو دیکھ لینا

واتنی فرق پڑے گا۔''

انیقہ نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں مگر چبھتی ہوئی روشنی نے اسے آنکھوں پر ہاتھ رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''تم دونوں ابھی مر جاؤ۔ اللہ کرے تمہاری قبروں میں شیش ناگ پھنکاریں۔ تمہاری بوٹیاں توڑیں۔ دوزخ میں سارے دوزخی تمہیں روزانہ موٹی بدصورت اور زیادہ عمر کی کہیں۔'' اس نے ایک ہی سانس میں اتنی ساری بددعائیں دے کر چادر سے منہ ڈھانپ لیا۔'' وہ دونوں ہکا بکا رہ گئیں۔

ندرت نے لائٹ آف کی اور دوبارہ بیڈ پر دراز ہوگئی۔

''وہ گٹار تو بیچ میں ہی رہ گیا۔ باہر جا کر پتہ نہ کریں۔ آواز اب بھی آرہی ہے۔'' رانیہ کو اس صورت حال پر خاصی مایوسی ہوئی تھی۔

''بھاڑ میں گیا گٹار۔'' اس بار ندرت کی آواز خطرناک حد تک بلند تھی اس لیے اس نے خاموشی اختیار کرنے میں عافیت جانی بیڈ سے اٹھ کر وہ لان میں آگئی تھی۔

سیاہ رات کی مانگ میں ماہ کامل چمک رہا تھا۔ اجلی چاندنی میں کھڑ گلاب کے پودے اونگھ رہے تھے۔ شہنائی رو سرخ پھول بوجھل پلکوں کی طرح جھکے ہوئے تھے۔ چندنا کی سفید کلیاں گٹار کے تاروں سے پھوٹتی نغمگی پر سردھن رہی تھیں۔ نارنجی پھولوں والی سبز بیل دیوار سے لپٹی ہولے ہولے لرز رہی تھی سرو کے پیڑ ایڑیاں اٹھا کر دیوار کی پرلی طرف جھانک رہے تھے۔ اس کے پیروں تلے بھیگی ہوئی گھاس کا مخملی احساس تھا۔

وہ گربہ پائی سے چلتی ہوئی دیوار کے قریب گئی اور پنجوں کے بل اچک کر دوسری طرف جھانکنے لگی۔

لان میں کین کی چیئر پر وہ بیٹھا تھا۔ اسکا چہرہ واضح طور پر نظر نہیں رہا تھا۔ چٹکی ہوئی دودھیا چاندنی میں تنہا بیٹھا وہ کسی ساحر کی مانند لگ رہا تھا۔ اس کی گود میں گٹار تھا نہ جانے کتنی دیر وہ وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی اداس مگر گداز دھن کو سنتی رہی خمار آلود آنکھوں سے رات اسے دیکھ رہی تھی۔ سرخ پھول اس کی طرف اشارے کر رہے تھے۔ سرو کے پودے یوں سر ہلا رہے تھے جیسے کوئی بھید جان گئے ہوں یک لخطہ وہ چونک سی گئی۔ چاند کی ٹھنڈی روشنی میں تپش تھی۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ چکی تھیں اور حلق خشک ہو رہا تھا۔

ابا کے کھانسنے کی آواز سن کر وہ تیزی سے دیوار سے دور ہوگئی تھی۔

''رانیہ!'' وہ ان کے قریب چلی گئی۔

''کیا بات ہے۔ اب تک جاگ رہی ہو۔ یہاں باہر کیا کر رہی ہو؟'' وہ شاید پانی پینے کے لیے اٹھے تھے اور کچن کا دروازہ کھلا دیکھ کر باہر آگئے تھے۔

''کیا کروں نیند نہیں آتی۔'' اس نے بے بسی سے کہا تھا۔

☆..........☆..........☆

وہ دونوں تیار ہو کر انسٹی ٹیوٹ کے لیے نکلی تھیں۔ جب رانیہ نے ساتھ والے گیٹ میں سے ایک نفیس سی خاتون کو جھانکتے دیکھا۔ اس نے فوراً نظریں جھکا کر سلام کر دیا تھا۔

''میں اخبار اٹھانے آئی تھی تم لوگوں کو دیکھ کر ٹھہر گئی۔'' وہ اخبار ہاتھ میں لیے گیٹ سے باہر آگئیں۔
''تم لوگ اندر آجاؤ۔ اگر دیر نہیں ہو رہی تو......''
''نہیں آنٹی پھر کبھی سہی ہمیں انسٹی ٹیوٹ پہنچنا ہے اور پہلے ہی خاصی دیر ہوگئی ہے۔''
اسے ندرت کی بے جامداخلت زہر لگی تھی۔ انسٹی ٹیوٹ تو وہ روز ہی جاتی تھیں یہ کوئی ایسا ضروری کام بھی نہیں تھا۔ جس کے لیے اتنی اچھی اور پیاری آنٹی کی فرمائش کو رد کر دیا جائے۔ نہ جانے کیوں اسے صالحہ آنٹی پر ٹوٹ کر پیار آرہا تھا۔
''تمہاری طرف سے کوئی بھی ہمارے گھر نہیں آیا۔'' وہ شاکی لہجے میں بولیں۔
''سارا دن اکیلی بور ہوتی رہتی ہوں۔ تم لوگ نہیں آئے اس لیے مجھے بھی دوبارہ چکر لگانے کی ہمت نہیں پڑی۔ کیا معلوم زیادہ میل ملاقات رکھنا پسند نہ کرتے ہوں دانیال تو کبھی کبھار آجاتا ہے۔ تم رانیہ ہوناں؟''
''اچھا تو میرا تذکرہ ہوتا رہا ہے اس گھر میں۔'' رانیہ نے اثبات میں سر ہلا کر نہایت معصومیت سے آنٹی کو دیکھا۔
''ماشاء اللہ آنکھیں کتنی پیاری ہیں۔'' رانیہ تو ان کی بات سن کر نہال ہوگئی تاہم ندرت کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔
''تم آنا ضرور میں انتظار کروں گی اگر نہ آئیں تو میں'' انہوں نے ایک لمحہ توقف کیا۔'' تو میں خود آجاؤں گی۔''
رانیہ نے آنے کا وعدہ کرتے ہوئے کم و بیش چھ بار ان کی طرف آہستگی سے پلکیں اٹھا کر اور پھر نہایت دھیمے پن سے پلکیں جھکا کر دیکھا تھا۔ اس عمل سے اس کا مقصد اپنی خمدار پلکوں کی خوب صورتی کو آنٹی پر صحیح طرح سے اجاگر کرنا تھا۔
ویگن میں سوار ہونے تک ندرت جلے دل کے پھپھولے پھوڑتی رہی تھی۔
''مجھے تو پوچھا ہی نہیں اخلاقیات کے نام تک سے واقف نہیں لگتی وہ۔ یہ کوئی طریقہ ہے ایک کو للو چپو کرتے رہیں اور ساتھ کھڑے کو پوچھیں ہی نہ۔''
''خبردار آنٹی کو کچھ مت کہنا اب تمہاری شکل ہی اتنی معمولی سی ہے کہ نوٹس لینے کو دل نہیں چاہتا۔ آنٹی کی نظر میرے آفتابی کتابی گلابی اور شہابی چہرے سے ہٹتی تو انہیں تم نظر آتیں۔''
''کبابی کہنا تم غالباً بھول گئی ہو۔''
اسی روز شام کو خصوصی اہتمام کے ساتھ رانیہ آنٹی صالحہ کے سامنے وجود تھی۔ اس کے ساتھ بڑی لگن اور خلوص سے تیار کیے گئے نرگسی کوفتے تھے اور ندرت اور انیقہ تھیں جنہیں بہ امر مجبوری ساتھ لانا پڑا تھا۔ صائم کے ساتھ گزشتہ ملاقاتوں کا احوال سوچ کر اسے آنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی مگر پھر اس نے جی کڑا کر کے اور ساری شرمندگیوں کو پیروں تلے روندتے ہوئے چند قدموں کا یہ فاصلہ طے کر ہی لیا تھا۔ آخر تو یہ کڑوا گھونٹ اسے بھرنا ہی

تھا کیا ہوا جو صائم نے اسے چڑیوں کا شکار کرتے اور مینما میں ذرا سی بوکھلاہٹ کا شکار ہوتے دیکھ لیا تھا۔ لوگوں کے ساتھ تو بڑے بڑے حادثے گزر جاتے ہیں۔ اتنی معمولی باتوں کو وہ دل سے لگا کر تو نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ پھر آنٹی کے حوصلہ افزا رویے نے بھی اس کی ہمت بندھائی تھی۔ یہاں آنے کے لیے چونکہ اسے خصوصی طور پر تیار ہونا تھا اس لیے دو غیر ضروری نوعیت کے پیریڈ گول کر کے اس نے بہت سا قیمتی وقت بچا لیا تھا۔

''یہ کوفتے میں نے اپنے ہاتھوں سے تیار کیے ہیں۔ خاصا مشکل ہے انڈوں پر قیمے کی تہہ جمانا مگر میں بڑی مہارت سے کر لیتی ہوں۔ کہیں سے بھی قیمے کی تہہ پتلی یا موٹی نہیں ہوتی۔''

رانیہ اپنے سلیقے پر کسی تحسین بھرے فقرے کی منتظر تھی کہ انیقہ بول پڑی۔

''انڈے میں نے ابالے تھے آنٹی۔''

یہ کوئی موقع تھا اپنے احسانات گنوانے کا۔ رانیہ کو اس کی زبان درازی ایک آنکھ نہ بھائی۔

''رانیہ کو میں نے ہی سکھائے تھے نرگسی کوفتے بنانا۔ اسے تو اتنا بھی معلوم نہیں تھا کہ کوفتوں میں نرگیست کیسے پیدا کی جاتی ہے۔'' ندرت نے بھی اس کے نمبر گھٹانے کی کوشش کی۔

ایک لمحے کے لیے اس نے ان دونوں کو آنکھوں ہی آنکھوں میں خطرناک نتائج کی دھمکی دی اور پھر حساب برابر کرنے کو بولی۔

''ظاہر ہے انسان بڑوں سے ہی سیکھتا ہے۔''

آنٹی بے اختیار ہنس پڑی تھیں۔

''تم جیسے دلچسپ لوگ بہت کم دیکھے ہیں۔ دانیال بھی ایسی اچھی باتیں کرتا ہے کہ اس کی کمپنی میں گھنٹوں بور ہوئے بغیر گزارے جا سکتے ہیں۔ اس گھر میں آنے کی ایک خوشی یہ بھی ہے کہ تم جیسے ہمسائے میسر آ گئے۔''

رانیہ نے تجزیہ کرنے کی کوشش کی کہ کہیں آنٹی نے در پردہ انہیں مسخرے تو نہیں کہا تھا مگر ان کے چہرے سے کچھ اندازہ نہ لگا سکی۔

''تم آتی جاتی رہا کرو۔ زیادہ وقت میں اکیلی ہی ہوتی ہوں۔''

''پھر کیا فائدہ آنے کا۔'' رانیہ نے منہ بنا کر انہیں دیکھا۔

''تمہارے انکل تو رات گئے واپس آتے ہیں۔ صائم اپنا پورا دن طے شدہ شیڈول کے مطابق گزارتا ہے۔ صبح جاگنگ کرنے جاتا ہے۔ پھر آفس چلا جاتا ہے شام کو کچھ وقت دوستوں کے ساتھ اور کچھ وقت ایکسرسائز میں صرف ہو جاتا ہے۔ میرے پاس بیٹھنے کی زیادہ فرصت نہیں ملتی اسے۔ ہاں ایک سکھ ضرور ہے ناشتا اور رات کا کھانا وہی بناتا ہے باقاعدگی سے میرے ذمے صرف لنچ ہے۔''

''کیا آنٹی! وہ بناتے ہیں کھانا۔'' رانیہ کو صائم کے سگھڑاپے کے بارے میں جان کر خوشگوار حیرت ہوئی۔

''ہاں ایسا ہی ہے۔ اب کوئی لڑکی تو ہے نہیں میرا ہاتھ بٹانے والی بچپن سے ہی صائم کو اپنا ہر کام خود کرنے کی عادت ہے۔ ہم تینوں کے کپڑے تک وہی استری کرتا ہے۔ کھانا خاصا اچھا بنا لیتا ہے۔ اس جیسی گول

چپاتی تو مجھے بھی بنانی نہیں آتی۔ اس روز جو چکن پلاؤ میں لے کر آئی تھی وہ اسی نے تو بنایا تھا۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ مردوں میں اپنا کام خود کرنے کی بلکہ گھر بھر کا کام کرنے کی صلاحیت ہوتو یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔''

رانیہ نے چشم تصور سے صائم کو اپنی ساڑھیاں استری کرتے، بھنڈی گوشت تیار کرتے، گنگناتے ہوئے بیڈٹی پیش کرتے اور انتہائی گول چپاتیاں بڑی مشاقی سے توے پر گھما کر پھینکتے دیکھا تو فرط مسرت سے اس کا تنفس تیز ہو گیا۔

''چلو میں تم لوگوں کو گھر دکھا دوں۔ میں نے اور صائم نے مل کر سیٹنگ کی ہے تمام کمروں کی ڈرائنگ روم تو تم نے دیکھ ہی لیا ہے۔ اچھرہ میں ہم جس گھر میں رہتے تھے۔ وہ اس گھر کی نسبت چھوٹا تھا۔ ادھر ڈرائنگ روم میں جو کارپٹ بچھا تھا وہ یہاں کسی بھی کمرے میں پورا نہیں آیا۔ یہ والا کارپٹ ہمیں نیا خریدنا پڑا ہے۔ ابھی اس کے ساتھ میچنگ پردے لینا باقی ہیں۔ مارکیٹ چلی چلو گی میرے ساتھ رانیہ؟'' انہوں نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو وہ مجسم اثبات بن گئی۔

''چلو پھر ایک دو دن میں پروگرام بناتے ہیں مارکیٹ جانے کا۔ صائم سے کئی بار کہہ چکی ہوں۔ مگر وہ وقت نہیں نکال سکا۔ چلو اٹھو میں تمہیں ٹی وی لاؤنج اور اوپر کی منزل دکھاؤں۔'' وہ اٹھنے ہی لگی تھیں کہ صائم آ گیا۔ ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔ ایک دو دن کے بڑھے ہوئے شیو نے اجلے چہرے پر سرمگیں غبار کی صورت اس میں ایک انوکھی خوب صورتی پیدا کر دی تھی۔ رانیہ اس کی لو دیتی گہری بھوری آنکھوں سے خائف ہو کر ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنساتے ہوئے کارپٹ کے ریشوں میں مقید پیچیدہ ڈائزین کو دیکھنے لگی۔

''آپ نے مہمانوں کو کچھ کھلایا بھی ہے یا صرف باتیں ہی کیے جا رہی ہیں۔ جیسا کہ آپ کی عادت ہے۔'' وہ آنٹی صالحہ کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

''میں نے تو بس سافٹ ڈرنکس پہ ہی گزارہ کیا ہے۔ فریج بالکل خالی ہے اور چائے تو مجھ سے کبھی اچھی بنی ہی نہیں۔ اب تم آ گئے ہو تو شاباش کچھ ہمت کرو۔ پہلی دفعہ آئی ہیں یہ لوگ اور کم از کم پہلی دفعہ تو ڈھنگ سے خاطر ہونی چاہیے۔'' وہ مسکرائیں۔

''پہلی دفعہ ہی کیوں۔ ہر دفعہ شاندار تواضع ہونی چاہیے اور مہمان نوازی میں میرا کوئی ثانی نہیں۔ میں ابھی چائے لے کر آتا ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''نہیں پلیز کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔'' ندرت نے کہا۔

''چائے تو آپ کو پینی ہی پڑے گی۔ بلکہ چائے نہیں کافی کیسی رہے گی کیوں لیڈیز کافی چلے گی؟''

صالحہ آنٹی بھی اصرار کرنے لگیں۔

''صائم کافی بہت اچھی بناتا ہے اور میرا بھی دل چاہ رہا ہے چلو تم لوگوں کے بہانے میں بھی پی لوں گی۔''

''میرے ہاتھ کی کافی کی ایک زمانے میں دھوم مچی ہوئی ہے۔نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر مشہور ہے اس کا ذائقہ۔'' انہیں مزید کچھ بولنے کا موقع دیے بغیر وہ کافی بنانے چلا گیا تھا۔

''انہیں خواہ مخواہ زحمت ہوئی ہماری وجہ سے تھکے ہوئے ہوں گے۔شاید ایکسر سائز کر کے لوٹے ہیں۔''

''زحمت کیسی۔اس کے لیے یہ کوئی نئی بات تھوڑی ہے۔میرے جوڑوں میں درد ہونے لگتا ہے زیادہ چلنے پھرنے سے کوئی مہمان آجائے تو اسے ہی کرنا پڑتا ہے سب۔''

رانیہ پر آنٹی کی شخصیت کے پوشیدہ تاریک پہلو طلوع ہونے لگے۔آنٹی کی آنکھوں میں پنہاں مکاری جسے وہ نرماہٹ کے خول میں چھپا کر خلیق نظر آنے کی تگ و دو کر رہی تھیں اس پر اچانک عیاں ہو گئی۔

''واہ خود تو آرام سے بیٹھی ہیں اور اس بے چارے کو چولہے میں جھونک رکھا ہے۔مارکیٹ جانے کے لیے تیار بیٹھی ہیں۔گھر داری کرنے سے جوڑ دکھتے ہیں۔سبحان اللہ۔'' اس نے کینہ توز نظروں سے آنٹی کو دیکھا۔'' کیا پتا سوتیلا بیٹا ہو تبھی تو اتنا ظلم ڈھا رہی ہیں۔'' اس کا دل صائم کے لیے ہمدردی سے معمور ہونے لگا۔

ساتھ والے کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے آتی ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز پر انہوں نے معذرت خواہانہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''میں ابھی ایک منٹ میں آتی ہوں۔''

رانیہ نے ان کی چال کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا تھا۔'' ہٹی کٹی ہیں۔لنگڑا تو نہیں رہیں۔'' اس نے کچن کی طرف کان دھرے جہاں سے صائم کی مدھم گنگناہٹ سنائی دے رہی تھی۔

''کتنا مظلوم ہے لیکن خود پر ہونے والے ظلم سے بے خبر۔اسے کیا معلوم اس کی ماں ڈائن نما عورت یا شاید عورت نما ڈائن ہے۔'' اس کے دل میں امنڈتے جذبات میں شدت آتی جا رہی تھی۔دائیں آنکھ میں ایک آنسو بھی آ گیا تھا مگر مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ صائم کو اپنی ہمدردی سے کیونکر آگاہ کرے اس کے سامنے آتے ہی اس پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی تھی۔بات کرنا تو کجا اس کی طرف دیکھنا بھی محال تھا۔اس نے بے بسی سے ساتھ بیٹھی ندرت کو دیکھا جو کیوٹکس لگے ناخنوں کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

''میں جا کر ہیلپ نہ کر دوں صائم کی۔'' ندرت اسے اپنی طرف متوجہ پا کر بولی۔

''تم تو پتہ نہیں کس لیے میرے ساتھ آ گئی ہو۔آنٹی نے صبح اپنے طرزِ عمل سے جتا بھی دیا تھا کہ انہیں صرف مجھ سے دلچسپی ہے۔تمہیں تو انہوں نے منہ ہی نہیں لگایا۔ابھی دیکھ لو۔ان کی زبان رانیہ رانیہ کی گردان کر رہی ہے۔انسان میں اگر عزتِ نفس کا ذرا سا احساس ہو تو ایسی صورتحال پر چلو بھر پانی میں ڈوب کر مرنے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔مگر یہاں تو سرے سے انسانیت ہی مفقود ہے۔عزتِ نفس کہاں سے آئے۔''

''مجھے کوئی شوق نہیں تھا آنے کا۔صرف تم پر نظر رکھنے کے لیے آئی ہوں اکثر مہذب محفلوں میں تمہیں آپے سے باہر ہوتے پایا گیا ہے۔وہاں گھر بیٹھے مجھے کیسے پتہ چلتا کہ تم کیا گل کھلا کر آئی ہو مامی نے

زبردستی بھیج دیا مجھے تمہاری کارگزاری کا جائزہ لینے اور تمہیں خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے وفد کی بزرگ رکن جانتے ہوئے آنٹی تمہارے ساتھ سب سے زیادہ بات چیت کر رہی ہیں۔ اب ہم معصوم ناسمجھ بچیوں کے ساتھ وہ کیا بات کرسکتی ہیں۔''

انیقہ نے اکتائے ہوئے انداز میں ایک جماہی لی اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولی۔

''آنٹی نے جو سوٹ پہنا ہوا ہے۔ اسی کلر اور ڈائزین کا سوٹ عظمیٰ گیلانی نے پہن رکھا تھا ایک ڈرامے میں۔ پر وہ غریب کسان عورت بنی تھی اس ڈرامے میں۔''

صائم اور آنٹی صالحہ اکٹھے ہی ڈرائنگ روم میں آئے تھے۔ وہ تینوں سنبھل کر بیٹھ گئیں کافی کا ذائقہ واقعی بہت اچھا تھا۔

''بہت زبردست ہے کافی۔'' انیقہ کی تعریف پر وہ کھل کر مسکرایا۔

''تعریف کے لیے شکریہ۔''

''آپ کو ہماری وجہ سے بہت زحمت ہوئی۔'' ندرت نے لہجے میں حد سے زیادہ شیرینی گھولتے ہوئے رانیہ کو جتاتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

''بالکل بھی نہیں کافی بنانا تو میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ کیونکہ میں پیدائشی طور پر لیفٹ ہینڈڈ ہوں۔''

رانیہ دل ہی دل میں خدا کا شکرادا کر رہی تھی کہ صائم نے اب تک اُن باتوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا جن پر پردہ پڑا رہنا ہی اس کے حق میں بہتر تھا۔ ''بڑی مہذب گفتگو کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس روز چھت پر لفنگے پن کی انتہا کر دی۔'' اس نے مگ کے کناروں سے ایک نظر اسے دیکھا۔

اس کا سکون زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا۔ صائم کافی کا مگ سنٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے اچانک اس سے مخاطب ہوا۔

''وہ نرگسی کوفتے آپ لائی ہیں''۔

اس نے فقط سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا۔

''مجھے مایوسی ہوئی میں تو سوچ رہا تھا آپ کوئی بہت انوکھی ڈش بنا کر لائیں گی۔ دانیال بتا رہا تھا آپ کو ایک سے ایک عجیب وغریب ترکیبیں ازبر ہیں۔''

اس کے ہاتھ میں لرزش اتری اور آنکھوں میں رحم کی اپیل۔

آنٹی نے مداخلت کر کے معاملہ ٹھنڈا کر دیا۔ جس کے لیے وہ دل سے ان کی شکرگزار ہوئی۔

''صائم تم کیا عجیب سی بات کر رہے ہو۔ کوئی سر پیر ہی نہیں ہے۔'' اب انہیں کیا معلوم کہ سر پیر تو تھا اور تفصیل میں جانے سے دم اور سینگ نکلنے کا بھی قوی امکان موجود تھا۔ مگر قسمت رانیہ کا ساتھ دے رہی تھی۔ اس لیے یہ بات کئی دوسری باتوں کے بوجھ تلے دب گئی۔

☆............☆............☆

لان میں اماں پیاز کاٹتے ہوئے زاروقطار رو رہی تھیں اور ابا سرو کے پودوں کے پاس چارپائی پر نیم دراز شام کا اخبار پڑھ رہے تھے۔

آ گئیں تم" ان کی آواز بھی کچھ روئی روئی سی لگ رہی تھی۔

"اب بھی نہ آتیں میں مرجاؤں یا جیتی رہوں کسے پرواہ ہے۔"

"کیا ہوا اماں؟" آخر رانیہ نے ہمت کر کے پوچھ لیا۔

"کیا ہوا۔ پوچھتی ہے کیا ہوا۔ میں بتاؤں تجھے۔" اماں نے چارپائی کے نیچے چپل کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ تینوں بکھر کر محفوظ مقامات پر منتقل ہو گئیں۔

"میں نے بھیجا تھا پندرہ بیس منٹ بیٹھ کے آجانا۔ پر کہاں گھنٹوں بیت گئے۔ یوں جم کے بیٹھ گئیں جیسے سب گھر والوں کو دفنا آئی ہوں۔ سارا کام میرے ذمے چھوڑ کر گپیں ہانکتے تجھے حیا نہ آئی رانیہ۔" اماں کی آواز کی گرج لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔

"گھر سنبھالتے میری چولیں ڈھیلی ہو گئیں۔ تیرے ابا سے کہا ذرا پیاز کاٹ دو کورا جواب دے دیا مجھے۔ اتنا بھی احساس نہیں کہ میں بیمار رہتی ہوں ہاتھ بٹانا تو دور کی بات رہی گند پھیلانے میں سب سے آگے ہیں۔ یہ موزے پڑے ہیں وہ جوتے پڑے ہیں۔ ادھر بنیانیں ادھر تولیے ظاہر ہے انہیں کیا پرواہ کھاٹ پر بیٹھے جو کھانے کو ملتا ہے۔ جس کے نہ پھٹے والی وہ کیا جانے پیٹر پرائی۔"

ابا نے احتجاجاً اخبار کو مٹھی میں بھینچا اور اٹھ کر اندر چلے گئے ان کی پشت پر دروازہ زوردار دھماکے سے بند ہوا تھا۔

رانیہ نے آگے بڑھ کر اماں کے سامنے دھری پیازوں والی سینی اٹھائی اور چارپائی کی پائنتی پہ بیٹھ گئی۔

"اگر ایک روز کام کرنا ہی پڑ گیا۔ تو کون سی قیامت آ گئی۔ ہر روز میں کرتی ہوں سب کچھ میں نے کبھی اتنا شور نہیں مچایا۔ اب پتہ چلا مجھ پر کتنا ظلم ڈھا رہے آپ سب مل کر۔"

بکواس بند کر لے ورنہ میرے ہاتھ سے نہیں بچے گی آج۔" اماں نے آنکھیں پونچھتے ہوئے اسے وارننگ دی۔

"انیقہ تو جا کے بھائی کے لیے چائے بنا۔"

انیقہ ابھی اماں کو ایک نہایت ضروری ٹیسٹ کے بارے میں بتانے ہی لگی تھی کہ ندرت نے چائے بنانے کی ذمہ داری رضاکارانہ طور پر اٹھالی۔

"مامی میں بنا دیتی ہوں چائے۔ دانیال کو کسی اور کے ہاتھ کی چائے پسند ہی کہاں آتی ہے۔"

رانیہ کی غضب ناک نگاہوں کو خاطر میں لائے بغیر وہ کچن میں چلی گئی۔

"آج تو نے میری جان جلائی ہے میں نے بھی تیرا بندوبست کر دیا ہے۔" اماں نے رانیہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو جو کہ کچھ دیر کے لیے رک گئی تھی اسی مقام سے دوبارہ شروع کی۔

''جتنے بھی دھلے ہوئے برتن تھے۔ میں نے دھول مٹی مل کے کچن میں جمع کر دیے ہیں۔ رشیدہ اپنی بہن زبیدہ کے ساتھ آ گئی تھی۔ میں نے چار پلیٹوں میں انہیں بسکٹ ڈال کے دیے۔ فریج میں جتنے بھی نئے پرانے سالن پڑے تھے وہ سب میں نے دانیال اور تیرے ابا کو آٹھ دس برتنوں میں دے دیے۔ کیتلی اور فرائنگ پین خوب جلا کر رکھ دیے ہیں۔ چولہے پر جان بوجھ کے دودھ ابالا ہے۔'' اماں نے بڑے فخریہ انداز میں اپنے کارنامے گنوائے تو وہ پھیلی ہوئی آنکھوں سے ان کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔

بڑی مشکل سے پھنسی پھنسی آواز اس کے حلق سے برآمد ہوئی۔

''مگر کیوں اماں؟''

''تاکہ تجھے پتہ چلے کہ ماں کو دکھ دینے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ ایٹ بیٹ میں آج سجاد علی کا انٹرویو آنا تھا پر میں تیرے ابا کی شلوار قمیص استری کرتی رہی جو انہوں نے اسی وقت' ہر قیمت پر اور ہر حالت میں استری کرنے کا شاہی حکم نامہ جاری کیا تھا۔ میرے جلدی کرتے کرتے بھی چار گانے اور سجاد کا انٹرویو گزر گیا'' مغرور لیلیٰ'' بھی تھا آنے والے گانوں میں پورا ہفتہ انتظار کیا تھا اس پروگرام کا میں تجھ سے کیسے نہ انتقام لوں بول تجھے کیسے معاف کر دوں؟''

رانیہ نے یوں گردن لٹکالی جیسے اپنا جرم تسلیم کر چکی ہو واقعی وہ معافی کی حقدار نہ تھی۔

☆.............☆.............☆

ندرت نے بال دانیال کی سمت اچھالی اور رانیہ سے قدرے قریب ہوتے ہوئے بولی۔

''اس روز صالحہ آنٹی کی طرف جانے سے پہلے تم نے چہرے پر جو ماسک لگایا تھا۔ اس کے اجزا کیا تھے؟''

رانیہ دانیال کی بالنگ کا سامنا کر رہی تھی۔ اس لیے فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکی۔

''آں کیا کہا تم نے؟'' بال دیوار پر چڑھی ہوئی گھنے سبز پتوں والی بیل میں غڑاپ سے روپوش ہو گئی اور انیقہ جو فیلڈنگ پر متعین تھی اس کی تلاش میں روانہ ہوئی تو رانیہ کو اس کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت میسر آئی۔

''اس ماسک کا پوچھ رہی ہو جسے لگانے کے بعد میرا چہرہ سورج کی طرح دمکنے لگا تھا'' اس نے بیٹ سے زمین پر ضرب لگاتے ہوئے دریافت کیا لیکن ندرت خاموش رہی۔

''اس کے اجزائے ترکیبی میں ضرور بتاؤں گی تمہیں تاکہ تم جیسی نہایت معمولی شکل کی لڑکی کا بھلا ہو جائے۔ نیکی کے کام کرنے سے میں نے کبھی بھی دریغ نہیں کیا۔''

ندرت ہونٹ بھینچ کر انیقہ اور دانیال کو دیکھنے لگی جو اب تک بال کو تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

''میں ضرور تمہیں بتاؤں گی۔ تم دل چھوٹا کیوں کرتی ہو سنو کوڑے کے ڈھیر سے اٹھائے گئے گلے سڑے ٹماٹر۔ ٹماٹروں کا گلا سڑا ہونا اتنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن کوڑے کے ڈھیر پر موجود ہونا لازمی شرط ہے۔ اگر

اس پوائنٹ کو فراموش کیا گیا تو خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہو سکیں گے۔ ہری مرچیں ہم وزن لے کر گرائینڈر میں ٹماٹروں کے ساتھ مکس کرنی ہیں اور کوئی سا بھی طاقت ور تیزاب حسب ذائقہ اور حسب منشا ملا کر چہرے پر ایک بار لگاؤ۔ تمہاری اسکن کا صفایا نہ ہوا تو مجھے پکڑ لینا۔'' رانیہ کی ہرزہ گوئی اس کی برداشت سے باہر ہو گئی تو وہ وکٹوں کو ٹھوکر مار کر دانیال اور انیقہ کے پاس چلی گئی۔ یہ ٹھوکر رانیہ کے دل پر لگی تھی کیونکہ وکٹوں کے گرنے کی صورت میں انہیں صحیح حالت میں واپس لانا بیٹنگ کرنے والے کے ذمے تھا اور وکٹوں کو زمین پر ٹھہرانا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں تھا۔ شیشم کی ٹیڑھی سی شاخوں کو زمین میں جمانے اور ان پر نام نہاد بیلز ٹکانے میں جو ٹائلوں کے ٹوٹے ہوئے دو ٹکڑے تھے' دانتوں پسینہ آجاتا تھا ندرت کو بیوٹی ٹپ بتانا اسے بڑا مہنگا پڑا تھا۔ بال کی تلاش مکمل ہوئی تو سب لوگ دوبارہ اپنی سابقہ پوزیشنوں پر کھڑے ہو گئے۔ دانیال نے بال پھینکنے سے پہلے اسے تنبیہہ کی تھی۔

''تمہیں کتنی دفعہ منع کیا ہے۔ ادھر مت کھیلو باؤنڈری وال پار کی گیند نے تو اپنے آپ کو آؤٹ سمجھنا اور اٹھا کر بھی تم ہی لاؤ گی بلکہ اب اگر بیل میں گیند گم ہوئی تو بھی تم ہی ڈھونڈو گی اکیلی اور ندرت تمہیں وکٹ کیپنگ کے لیے کھڑا کیا ہے اور تم بیٹس مین کے کان میں گھسی خدا معلوم کون سے مسئلے حل کر رہی ہو۔ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو۔'' رانیہ کے آؤٹ نہ ہونے سے وہ سخت اکتایا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''بیٹس مین کسے کہا تم نے۔ میں بیٹس گرل ہوں۔ سوچ سمجھ کر بولا کرو۔'' رانیہ نے تصحیح کرنا ضروری سمجھا تھا۔

انیقہ خاصی دل برداشتہ نظر آرہی تھی۔

''بس میں تو باز آئی ایسے کھیل سے مجھ سے نہیں ہوتی فیلڈنگ سب سے مشکل کام پکڑ کر میرے ذمے لگا دیا ہے۔ آپ کی باؤلنگ میں ذرا دم نہیں ہے مگر خواہ مخواہ وقار یونس بننے پر تل گئے ہیں۔ میرے حوالے کریں باؤلنگ میں دو منٹ میں رانیہ کو ناکوں چنے نہ چبوا دوں تو میرا نام بدل دیجیے گا۔ آپ بھی تو ادھر ادھر پھینک رہے ہیں بال۔ اپنا نشانہ وکٹوں کو نہیں رانیہ کو سمجھیئے پھر دیکھیں کیسے ٹکتی ہے یہ۔''

'خبردار باؤنسر پر پابندی ہے۔'' رانیہ نے چلاتے ہوئے ایک بار پھر اونچا شاٹ کھیلا اور گیند ساتھ والے گھر میں جا گری۔

''اب جاؤ...... لے کر آؤ۔'' دانیال نے نتھنے پھلا کر کھیل ختم ہونے کا اعلان کیا۔

''آج کے لیے اتنا ہی کھیل کافی ہے۔ رانیہ کی عظمت کو سلام ہے۔ جو اپنی ہٹ دھرم پالیسی پر بڑی دل جمعی سے عمل پیرا رہی۔''

''مجھے آؤٹ نہیں کر سکے تو میدان چھوڑ کر بھاگ رہے ہو۔ یہ کیوں نہیں کہتے میرا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے تم لوگوں میں۔''

انیقہ باری نہ ملنے پر روہانسی ہو رہی تھی۔

''میری ٹانگیں دکھ گئی ہیں ایک گھنٹے سے فیلڈنگ کرتے ہوئے۔ رانیہ کے بعد میری باری تھی۔ مجھے

کچھ نہیں پتہ۔ کھیل ایویں ختم ہو گیا۔ اب تو کھیل شروع ہوا ہے۔''

اس کے احتجاج پر کسی نے کان نہیں دھرے تھے۔ ندرت نے رانیہ کے کان میں سرگوشی کی۔

''دیکھ بھال کر جانا ہارڈ بال تھی۔ کیا معلوم آنٹی لان میں بیٹھی ہوں اور...... ہوسکتا ہے تمہاری ملاقات کسی پھٹے ہوئے سر والی خونم خون لاش سے ہو جائے ہونے کو تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو ناں۔''

''اس نے دیوار کے پاس جا کر تین چار بار آنٹی کو آواز دی مگر کوئی جواب نہ ملنے پر جا کر کال بیل پر انگلی رکھ دی۔

گیٹ کھولنے وہی آیا تھا۔

''زہے نصیب آیئے۔'' اسے اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے وہ ایک طرف ہٹا۔

''نہیں شکریہ۔ ہماری بال آپ کے لان میں گر گئی ہے وہ لا دیں۔''

''بال بھی مل جائے گی۔ آپ اندر تو آئیں امی آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔ پتہ نہیں کیا جادو کر دیا آپ نے دن رات آپ کے نام کا ورد جاری رہتا ہے ان کی زبان پر۔'' رانیہ نے پلکیں اٹھا کر ان فسوں گر بھوری آنکھوں کو دیکھا اور اس کے قریب سے گزر کر سہج سہج قدم اٹھاتی اندر چلی آئی ایک کونے میں ایلوویرا کے گملے کے قریب پڑی ہوئی بال اندر آتے ہی اس کی نظروں میں آگئی تھی مگر وہ ادھر ادھر یوں دیکھنے لگی جیسے بال کو تلاش کر رہی ہو۔

''ایک الجھن ہے میرے ذہن میں۔ اگر آپ رفع کر دیں تو نوازش ہوگی۔'' اس کے قریب آ کر وہ دھیمے لہجے میں بولا تو وہ متعجب ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''اس روز چھت پر جو۔'' اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ کر رانیہ کو جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھا تو اس کے کان کھڑے ہو گئے۔

''چھت پر وہ جو ڈریس آپ نے پہن رکھا تھا۔ وہ آپ نے خود ڈائزئن کیا تھا؟''

''بڑا ہی چھچھورا ہے ایک بات کیا ہاتھ آ گئی۔ پیچھے ہی پڑ گیا۔'' رانیہ مٹھیاں بھینچ کر کوئی خاطر خواہ جواب دینے کے لیے خود کو تیار کرنے لگی تھی۔

''میں تو حیران رہ گیا تھا۔ وہ یقیناً تجریدی آرٹ تھا۔ ایسا نادر خیال آپ کے دماغ میں آیا کیسے۔ کسی عام انسان کی سوچ تو وہاں تک رسائی ہی نہیں کر سکتی۔ اگر آپ ہماری گارمنٹس شاپ کے لیے ایسے ہی اچھوتے آئیڈیاز پر کام کریں تو یقین مانیں ہم بہت ترقی کر سکتے ہیں۔''

رانیہ نے آنکھیں سکیڑ کر اس کے مسکراتے ہوئے چہرے پر نظریں جمائیں آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ شرمانے لجانے سے کام نہیں چلے گا۔ کھل کر مقابلہ کرنا ہوگا۔

''میرے دماغ میں اس سے بھی زیادہ نادر اور اچھوتے خیالات آتے رہتے ہیں۔ سفید لٹھے کے

ایسے ایسے ملبوسات تیار کر سکتی ہوں میں کہ مارکیٹ میں تہلکہ مچ جائے گا۔ آپ شاپ میں رکھنے کی ہامی تو بھریں۔"

اس کا اشارہ سمجھ کر صائم نے خوفزدگی کے مصنوعی تاثرات خود پر طاری کیے۔

"آپ کے ارادے تو بڑے خطرناک ہیں۔ بہرحال اللہ آپ کو کامیابی عطا فرمائے ہم تو دعا ہی کر سکتے ہیں۔"

"یہ سب بے تکلف ہونے کے بہانے ہیں۔" اس نے تیکھے پن سے کہا۔

"سیدھی طرح کہتے کیوں نہیں کہ آپ سے بات کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یوں عذر تراشنے کی کیا ضرورت ہے۔ لڑکوں کی یہی تو مصیبت ہے الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔ لڑکیوں سے فری ہونے کے لیے اتنا نہیں سمجھتے کہ لڑکیوں کو چھچھور پن سے متاثر نہیں تاہم بددل ضرور کیا جا سکتا ہے۔" اپنی ہمت پر وہ دل ہی دل میں خود کو داد دے رہی تھی۔

"آپ کی بات بجا ہے مگر انصاف سے کام لیجیے۔ چڑیاں آپ پکڑ رہی تھیں یا میں اس روز سینما میں۔"

"بس بس۔" رانیہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

"چڑیاں پکڑنا میرا اخلاقی اور قانونی حق ہے۔ آپ اس پر کوئی تعزیر نہیں لگا سکتے اور سینما۔"

پتہ نہیں کیا ہوا اسے بے تحاشا ہنسی آگئی۔ صائم نے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگاتے ہوئے اپنے سر پر ہاتھ رکھے کتنی دیر تک وہ دونوں ہنستے رہے تھے۔

"ویسے جو کچھ بھی ہوا۔ تھا دلچسپ۔" صائم چوبی بنچ پر بیٹھ کر آنکھوں میں آئی ہوئی نمی پونچھتے ہوئے بولا۔

"آپ سب لوگ بہت اچھے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے۔ آپ سب کے ساتھ میں بھی ویسے ہی گھل مل جاؤں جیسے آپ ایک دوجے کے ساتھ ہیں۔ مجھ سے دوستی کریں گی آپ؟"

ایک لمحے کے لیے تو اس کے دماغ میں 'ہاں کیوں نہیں' ابھی اسی وقت' یہی تو میں چاہتی تھی۔" جیسے فقرے اندھی اور انرجیٹک چمگادڑوں کی طرح پھڑ پھڑائے مگر جلد ہی اس نے خود پر قابو پالیا تھا۔

"فرمائش تو ایسی نامناسب نہیں ہے۔ بہرحال میں سوچوں گی۔" اس نے آواز کے ارتعاش کو چھپانے کی کوشش کی مگر پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی۔

"اس کا مطلب ہے آپ کو کوئی اعتراض نہیں۔ چھوڑیے تکلف وغیرہ۔ ابھی سے اپنی اور میری دوستی پکی سمجھیں۔ اب میں آپ سے یہ ہرگز نہیں کہوں گا کہ لائیے اس بات پر ہاتھ ملائیے۔"

"کتنا شریر ہے۔" رانیہ نے تخیل میں اسے ایک چپت بھی رسید کر دی۔

"آپ بیٹھیں تو......" وہ ہدایت پر عمل کرنے ہی والی تھی لیکن ندرت کی آواز سن کر ٹھٹھک گئی۔

"رانیہ!" دیوار کے اوپر سے چہرہ نکالے وہ کڑے تیوروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں کچھ زیادہ دیر نہیں ہو گئی؟ سلام علیکم۔" صائم کو متوجہ پا کر اس نے سلام کیا۔

''اچھا اب میں چلتی ہوں۔''

اس نے آنکھوں سے ندرت کو دفعان ہونے کا پیغام پہنچایا اور تراشیدہ ہونٹوں کو کھوئی ہوئی سی کیفیت میں نیم وا کرتے ہوئے اجازت چاہی۔ آئینے کے سامنے کئی بار یہ پوز بنا کر دیکھ چکی تھی۔ بڑا ہی جچتا تھا اس پر۔

''وہ بال تو ملی ہی نہیں۔''

اس نے مخروطی انگلیوں کی دلفریب جنبش سے چہرے پر جھولتی لٹ کان کے پیچھے اڑسی اور پلکوں کو سلوموشن میں جھپکا کر بولی۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے۔ آپ کو ملے تو بتا دیجیے گا۔''

جاتے ہوئے وہ سیاہ بالوں کی موٹی اور دراز چٹیا کو جھلا کر گردن کو خم دینا نہیں بھولی تھی۔

''آنٹی کو سلام کہیے گا۔''

ندرت نے اس کا استقبال بڑے تپاک سے کیا تھا۔

''تمہارے قہقہوں کی آوازوں سے پورا محلّہ گونج رہا تھا۔ دیدوں کا پانی ڈھلنا اسے ہی کہتے ہیں۔ اس طرح غیر لڑکے کے سامنے بے حیائی سے باچھیں پھاڑتے تمہیں خاندان کی عزت و ناموس کا ذرا بھی خیال نہیں آیا۔ ہماری عزت کو کلنک لگاتے ہوئے کیا تم نے اتنا بھی نہ سوچا کہ تمہارے بوڑھے ماں باپ اور ایک غیرت مند جوان اور اسمارٹ بھائی زمانے سے کیسے نظریں ملا پائیں گے۔ آوارہ، بے حیا، جاؤ تمہیں میری بددعا ہے کہ نادانستگی میں چہرے پر کوئی ایسا ماسک لگا بیٹھو جس سے تمہاری رنگت بھینس کی کھال جیسی ہو جائے اور اتنے دانے نکلیں کہ لوگ تم پر تھوتھو کریں۔ جاؤ چلی جاؤ تم پر اس گھر کے دروازے بند ہیں۔'' اس کا انداز خالصتاً ''فلمی ماؤں'' جیسا تھا۔

''تمہاری ڈائیلاگ ڈلیوری کچھ اتنی اچھی نہیں۔ بس گزارہ ہے۔ لیکن یہ جو تم نے میری مترنم ہنسی کو باچھیں پھاڑنا کہہ کر کسی دلی جذبے کو تسکین پہنچائی ہے۔ یہ بات مجھے بالکل پسند نہیں آئی۔''

''اچھا کہہ کیا رہا تھا؟''

''کہنا کیا تھا۔ وہی گھسے پٹے جملے' تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ تم کہو تو جان دے کر اپنی سچائی کا ثبوت پیش کروں' خدا کے لیے میری محبت سے کبھی منہ مت موڑنا تم دنیا کی سب سے خوب صورت انتہائی حسین اور بہت ہی زیادہ حسین لڑکی ہو وغیرہ اور کیا کہتا بے چارہ۔'' ندرت نے نفی میں سر ہلایا۔

''چاہے تم چلتے توے پر ہی کیوں نہ بیٹھ جاؤ۔ میں نہیں مان سکتی صائم تھوڑا بہت بے وقوف تو ہو سکتا ہے لیکن پاگل نہیں ہے۔''

''تمہیں منا تا بھی کون ہے۔'' رانیہ نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

''جسے ماننا تھا وہ تو مان بھی گیا۔ اب تم چاہے مانو نہ مانو میری نظر کے ایک ہی وار سے ڈھیر ہو گیا۔ بڑی قاتل ادائیں ہیں میری'' اس نے کتھک ناچنے والیوں کی طرح ابروؤں کو یکے بعد دیگرے جنبش دی۔

''بعض اوقات تو میں خود بھی گھائل ہو جاتی ہوں اپنے حسن کے جلوؤں سے۔''

☆............☆............☆

دانیال نے ان کے قریب فٹ پاتھ پر بائیک روکی اور انجن بند کرتے ہوئے سیاہ گاگلز کو آنکھوں سے ہٹا کر جیب میں منتقل کیا۔

''چلو ندرت تم میرے ساتھ آ جاؤ مال سے ہوتے ہوئے چلیں گے۔ دل چاہا تو بیڈن روڈ کی طرف سے بھی ٹرن لے لیں گے۔ آئسکریم کا موڈ ہے نا؟''

اس نے رانیہ کو یکسر نظرانداز کیا تو اس نے سلگ کر ہاتھ میں پکڑی فائل ندرت کے کندھے پر دے ماری جو اس آفر پر مسکراتے ہوئے دانیال کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔

''یہ کیا طریقہ ہے۔ غصہ تمہیں ہوگا تو دانی پر ہوگا۔ میرا کیا قصور ہے۔'' وہ کندھا سہلا کر بولی مگر دانیال کے پیچھے بائیک پر بیٹھنے سے پھر بھی باز نہ آئی۔

''اسے تم بائیک پر لے جا رہے ہو اور میں۔؟'' اس نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے پیر پٹخے۔

''یہ ہماری مہمان ہے۔'' دانیال کا لہجہ پرسکون اور دھیما تھا ''مجھے اچھا نہیں لگتا کہ ہماری معزز مہمان ویگنوں میں خوار ہو اور ہاں اماں سے کہہ دینا ندرت لائبریری یا کمپیوٹر لیب میں ایک اہم اسائنمنٹ پر کام کرنے میں مصروف ہے۔ اس لیے آنے میں دیر ہو جائے گی شاید۔''

''اسائنمنٹ۔'' اس نے دانت پیس کر دہرایا۔

''دانیال تمہاری عقل کو ہوا کیا ہے؟ اس مکار اور بدنما لڑکی کے چنگل سے نکل آؤ۔''

''او کے رانیہ خدا حافظ۔'' دانیال نے انجن اسٹارٹ کر کے کک لگائی تو ندرت نے ایک ادا سے ہاتھ ہلایا۔

''تم لوگ جو کھیل کھیل رہے ہو میں اس کا انجام ایسا خوفناک کروں گی کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

اس کی دھمکی کے جواب میں دانیال نے سر کے اشارے سے اسے خدا حافظ کہا اور جاتے ہوئے اسی دل جلانے والے مدھم انداز میں بولا۔

''تمہیں اس کھیل کا ایمپائر بنا بھی کون رہا ہے۔ تم تو سکہ بند بے ایمان ہو۔''

تیزی سے دور ہوتی بائیک کو شعلہ بار نگاہوں سے تکتے ہوئے وہ بڑبڑائی تھی۔

''یہ تم نہیں بول رہے دانیال اس منحوس لڑکی کا جادو بول رہا ہے۔ لیکن جادو تو روپ سے ہوتا ہے اور روپ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آہ میرے معصوم بھائی تمہاری چوائس کس قدر گھٹیا ہے میں کیسے تمہیں سمجھاؤں اماں کو بھی تو اس نے شیشے میں اتار لیا ہے۔''

غصے کے مارے اس کی پیشانی پر شکنوں کا جال سا بن گیا تھا۔ حالانکہ جانتی تھی اس طرح کرنے سے حسن کو گزند پہنچنے کا احتمال تھا۔ سلوٹوں کے مستقل نشان بھی پڑ سکتے تھے مگر کیا کرتی طیش میں خود پر اختیار ہی کہاں رہتا ہے۔

مطلوبہ نمبر کی دو ویگنیں آ کر چلی گئی تھیں۔ لیکن ان میں لوگ ایسے ٹھنسے تھے جیسے کسی ٹرنک میں نئے پرانے کپڑے۔ سواری کا انتظار کرنے والے لوگوں میں کمی کی بجائے اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے ماتھے پر سے پسینہ پونچھتے ہوئے بائیں طرف نظر ڈالی اور رفعت زیاد کی مستقل مزاجی پر عش عش کر اٹھی۔ اس سے تھوڑے سے فاصلے پر بائیک کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا وہ بظاہر ایک دوست کے ساتھ باتیں کرنے میں مشغول تھا لیکن نظریں اسی مقام کا طواف کر رہی تھیں، جہاں رانیہ موجود تھی۔

ایک دم اسے دھوپ کی شدت پہلے سے زیادہ محسوس ہونے لگی۔ موسم قدرے تبدیل ہو چکا تھا۔ صبح اور رات کے وقت ہوا خاصی خوشگوار ہوتی تھی تاہم دوپہریں اب بھی پرحدت اور چمکدار تھیں۔

ایک کار نے اس کے قریب آ کر بریک لگائے تو وہ خیالات سے چونک گئی۔

''آپ یہاں دھوپ میں کھڑی کیا کر رہی ہیں؟'' صائم نے شیشہ نیچے کرتے ہوئے اسے پکارا۔

کیسا احمقانہ سوال تھا۔ اس طرح ویگن اسٹاپ پر بے یارومددگار کھڑا کوئی دھوپ میں جل رہا ہو تو وہ کیا کر رہا ہوگا۔

میں یہاں اخبار بیچتی ہوں۔'' اس کے جلے بھنے انداز پر وہ مسکرایا اور فرنٹ ڈور وا کر دیا۔

''لگتا ہے آج گرمی بہت زیادہ ہے۔''

''بہت شکریہ ہمیں ویگن میں چلی جاؤں گی۔'' اس نے اپنے پیروں کو سختی سے زمین پر جمایا جو اسے کار کی طرف گھسیٹ رہے تھے۔

''ویگن میں پھر کبھی چلی جایئے گا۔ آج تو آپ کی ملاقات مجھ سے ہوگئی ہے۔ اس لیے گاڑی میں ہی جانا پڑے گا۔''

''اچھی دھونس ہے۔ نہ کوئی التجا نہ کوئی خوشامد۔ گاڑی کا رعب تو یوں دے رہے ہیں جیسے میں کبھی گاڑی میں بیٹھی ہی نہیں۔'' اس نے کلس کر سوچا۔

''نہیں آپ جایئے اچھا نہیں لگتا اس طرح ابا یا دانیال نے دیکھا تو کیا سوچیں گے۔'' اس نے انکار کیا اور دو قدم اٹھا کر غیر محسوس طریقے سے گاڑی کے قریب ہوگئی۔

''کچھ نہیں سوچیں گے اسٹاپ پر بہت رش ہے۔ ویگن پتہ نہیں کتنی دیر میں ملے آ جائیں آپ۔''

''نہیں یہ تو روز کا معمول ہے۔ سواری ملنے میں دیر سویر تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ میں چلی جاؤں گی۔'' وہ ایک قدم اور آگے سرکی۔

''چلیں جیسے آپ کی مرضی گڈ بائی۔'' اس نے کھٹاک سے دروازہ بند کر لیا۔ اس کا پاؤں فضا میں معلق رہ گیا تھا۔

''ہائے ذرا سا تو اصرار کرتا۔ میں بس بیٹھنے ہی والی تھی۔ ایک دفعہ اور کہہ دیتا تو'' حسرت اور طیش کی ملی جلی کیفیات اس کے دل میں مچلنے لگیں۔

گاڑی اب تک اس کے قریب ساکت تھی۔ خدا معلوم صائم جا کیوں نہیں رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ کھڑکی سے جھانک کر کہے ''میں تو مذاق کر رہی تھی۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے تم۔'' لیکن اس خواہش پر عمل نہ کر سکی۔

رفعت اب خاموش کھڑا تھا۔ اس کا دوست شاید جا چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خالی پن تیر رہا تھا اور نچلا جبڑا دروازے کے اکھڑے ہوئے طاق کی طرح لٹکا تھا۔ یقیناً یہ صائم کی آمد کا اثر تھا۔ اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر رانیہ کو عجیب قسم کا سکون اپنے اندر سرائیت کرتا محسوس ہوا۔

فرنٹ ڈور ایک بار پھر کھل چکا تھا۔

''آخری بار کہہ رہا ہوں۔ بیٹھ جائیں ویسے میں سمجھ نہیں پا رہا کیا بات آپ کو میرے ساتھ آنے سے روک رہی ہے۔ کہیں آپ میری شرافت کے بارے میں تو مشکوک نہیں ہیں؟''

رانیہ نے ایک ہی جست میں سیٹ پر بیٹھ کر طویل سانس بھری۔ اس بار وہ گزشتہ غلطی کو دہرانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے رفعت کے تاریک پڑتے چہرے کی جھلک نے اس کی خوشی میں اضافہ کیا تھا۔

''آپ کے بے تحاشا اصرار سے مجبور ہو کر بیٹھ گئی ہوں۔ ٹالسٹائی کا قول ہے کسی کا دل نہ دکھا کہ تیرے پہلو میں بھی دل ہے۔''

''یہ قول میں پڑھ چکا ہوں۔ غالباً پانچویں یا چھٹی کی اردو کی کتاب میں تھا۔''

اس نے شیشے کے پار گھومتے ہوئے سیاہ پہیوں اور تیزی سے پیچھے کی سمت سرکتی تارکول کی سڑک پر نظریں جما دیں۔

''سرکاری اسکولوں کا پڑھا ہوا نکلا۔ میں تو سمجھی تھی خیر۔''

''میوزک سننا پسند کریں گی آپ۔'' اس نے رانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا اور پھر اس کی رائے لیے بغیر بولا۔

''اس گیت کے بارے میں کیا خیال ہے وہ Aqua کا ''مائی او مائی۔'' رانیہ نے اس کی مسکراہٹ پر طیش کے تیر برسائے۔

''مجھے یہیں اتار دیجیے۔''

''آپ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گئی ہیں۔ چلیں گولی ماریں مائی والے گانے کو۔ ہمیں مائیوں سے لینا بھی کیا اوہ ہاں امی نے بات کی تھی آنٹی سے کام والی کے لیے اس سلسلے میں کچھ پیش رفت ہوئی کیا۔''

''ہاں مجھے بھی کہا تو تھا آنٹی نے لیکن ابھی تک کچھ نہیں ہو سکا۔ خالہ رشیدہ آئیں گی تو میں ان سے بات کروں گی۔''

''خدا کے لیے کچھ کریں۔ برتن بھی مجھی کو دھونے پڑتے ہیں۔ صفائیاں بھی میرے ذمے ہیں۔ کل شام کو میں ایکسر سائز کے لیے بھی نہیں جا سکا۔ اب بھی ان دھلے برتنوں کا ایک انبار میرے انتظار میں پڑا ہوگا۔

اچھرہ میں جو عورت ہمارے گھر کام کرتی تھی۔ اس نے ہمارے نئے گھر میں آنے کے بعد فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے کام چھوڑ دیا ہے۔ چار روز اور یہی صورت حال رہی تو میں خود کام والی ماسی میں تبدیل ہو جاؤں گا۔''

رانیہ ہنسی اور وہ تیز آواز میں بولا۔

''آپ ہنس رہی ہیں ویسے آپ بھی ٹھیک ہیں۔''

وہ اس کی طرف پرسوچ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''کیا مطلب؟ کس لیے ٹھیک ہوں۔'' وہ چونکی۔

''یہی ماسی کے طور پر ہم آپ کو مستقل گھر رکھنے پر تیار ہیں۔ ہزار روپے ماہوار روٹی کپڑا اور چائے پانی کا خرچ الگ۔''

کچھ دیر تو وہ بالکل خاموش رہی۔

''پرپوز کرنے کا کیا ڈھنگ نکالا ہے۔ میں بھی انجان بننے کی انتہا کردوں گی۔''

''آپ کا سینس آف ہیومر ہمیشہ سے اتنا چیپ ہے یا کام کے زیادہ بوجھ کے باعث یہ عارضہ لاحق ہوا ہے؟''

''آپ نے میری آفر کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ میں معاوضے میں تھوڑی لچک بھی دکھا سکتا ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں شرارت کا گہرا رنگ ہلکورے لے رہا تھا۔

ان کی گاڑی ایک سگنل پر رکی تو رانیہ کو رفعت نظر آیا وہ یقیناً کار کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس کے بعد بھی گھر تک وہ اس کی موجودگی کو نوٹ کرتی رہی سارا راستہ اڑتے ہوئے بال گاڑی کے آگے پیچھے ہوا میں لہراتے رہے۔ آج سے پہلے اس نے ایسا کبھی نہیں کیا تھا۔

ویگن کے پیچھے بائیک دوڑاتا وہ کبھی دکھائی نہیں دیا تھا۔ آج پہلی بار رانیہ کو اس کا وجود باعث تشویش محسوس ہوا تھا۔

''آنٹی صالحہ کے ساتھ اس کے تعلقات کی گاڑی چند روز میں ہی کسی ڈھلوان اور چکنی سڑک پر پھسلنے لگی تھی۔ بیچ کی دیوار پر چھائی ہوئی بیل کے نارنجی پھلوں سے متعدد بار رانیہ، رانیہ کی صدائیں پھوٹتیں کبھی رانیہ کو اپنی جوانی کے خوشگوار قصے سنائے جا رہے ہیں تو کبھی اس سے دوپہر کا کھانا تیار کرنے کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا جا رہا ہے۔ بازار میں مختلف اشیاء کے نرخوں سے لے کر بین الاقوامی سیاست تک ان کے درمیان موضوع بحث بنتی۔ رانیہ دن میں ایک چکر تو ضرور ہی لگاتی اور اگر فرصت نہ ملتی تو دیوار پر سے ہی مزاج پرسی کا فریضہ نبھا دیا جاتا۔ صائم کے ساتھ بے تکلفی روز بروز نئی منازل طے کر رہی تھی فاصلہ سمٹ رہا تھا۔ ابلق ایام میں دوریاں تحلیل ہو رہی تھیں۔

سب کچھ رانیہ کی منشاء کے مطابق تھا۔ اس کی دانست میں سب کچھ ٹھیک تھا۔ لیکن سب کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ ایک روز ایسی بات ہوگئی جس کی اسے ہرگز توقع نہ تھی۔ اچانک کہیں سے شمی ٹپک پڑی جیسے جاڑوں میں

زمین کے سرد سینے سے کھمبی پھوٹ نکلی ہو ایسی کسی صورت حال کے لیے وہ بالکل تیار نہ تھی سوشمی کی آمد اس کے لیے ایک دھچکہ ثابت ہوئی۔

دھوپ اور چاؤں کے دھبے لان میں جا بجا گھاس پر بکھرے پڑے تھے۔ اماں ایک رضائی سامنے پھیلائے اس پر نیا غلاف چڑھا کر انیقہ کی مدد سے اس کی سلوٹیں نکال رہی تھیں۔ انیقہ نے رضائی کے دو کونوں پر مضبوطی سے ہاتھ جما رکھے تھے تاکہ اسے کھینچنے پر گوشوں میں خلا نہ رہ جائیں۔ اماں چند روز سے اسی مہم پر کمر بستہ تھیں۔ سردیوں کی آمد سے قبل ہی وہ رضائیوں اور گدوں کی درستگی کے کام سے فراغت پانا چاہتی تھیں۔ رانیہ چندنا کے پودے کے قریب گھاس پر بیٹھی ایک کتاب کھولے فیشل کرنے کا طریقہ سمجھنے میں کوشاں تھی۔ برآمدے میں دانیال جاب کے لیے درخواست لکھ رہا تھا اور ندرت اس کے قریب پہاڑی نمک اور شیمپو ملے پانی میں پاؤں ڈبوئے پیڈی کیور کے ابتدائی مراحل میں مبتلا تھی۔

ساتھ والے گھر سے ایک بلند نسوانی قہقہہ اوپر اٹھا اور ہوا کے دوش پر لہرانے لگا۔ رانیہ کا جھکا ہوا سر اٹھ گیا۔ اماں کا لحاف میں نگندے ڈالتا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔

''ہائیں'' یہ صالحہ کی آواز اتنی جوان کب سے ہوگئی۔''

ان کی بات کا جواب کسی نے نہیں دیا۔ رانیہ اٹھ کر دیوار کی طرف بھاگی۔ انیقہ بھی اس کی تقلید میں دیوار کے قریب چلی گئی۔ ندرت کا پاؤں بھگونے کا دورانیہ چونکہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔ سو وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

''صائم میرے سامنے تو دومنٹ نہیں ٹھہر سکو گے۔ یہ میرا چیلنج ہے تمہیں۔'' ریکٹ کو ہاتھ میں تولتے ہوئے انگریزی گزیدہ لہجے میں وہ پنجوں کے بل اچھلتی کہہ رہی تھی۔

چست جینز کلف لگا پنک کرتا اور صائم سے تھوڑے لمبے بالوں کے ساتھ وہ کوئی مغرب زدہ مخلوق تھی۔ گلے میں بالکل ویسی کالی زنجیر جیسی وہ اپنے قربانی کے بکرے کی گردن میں ڈالا کرتے تھے۔ رنگت تازہ قلعی شدہ دیوار کی مانند سفید تھی۔ سرخی کی ایک چھینٹ بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتی تھی۔ دبلا پتلا جسم اور قد بانس کی چھڑی جیسا' ماتھا جی بھر کر فراخ تھا اوپری جبڑا ذرا سا اونچا اور چہرہ لمبوترا تھا۔ لیکن ان خامیوں کے باوجود بحیثیت مجموعی وہ توجہ کھینچنے والی شے تھی۔ اس کے اوپر والے جبڑے کی بناوٹ مختلف ہوتی تو شاید وہ بالکل عام سی لڑکی ہوتی اس کی ہنسی صورت کی ساری کجیوں کو اپنے اندر چھپالیتی تھی۔ اور یہی ہنسی اوڑھے وہ رانیہ کے مقابل آن کھڑی ہوئی تھی۔ بڑی پھرتی تھی اس کی حرکات وسکنات میں شٹل کاک کو ریکٹ سے ضرب لگانے کے لیے اچھلتی تو ربڑ کی گڑیا کی طرح لچک لچک جاتی۔

''کون ہے یہ گھڑمونہی؟ پھاوڑے سے دانت نکال کر ہنسے جارہی ہے۔ صالحہ نے تو ذکر ہی نہیں کیا۔'' اماں بھی لحاف کو چھوڑ چھاڑ اسے دیکھنے چلی آئی تھیں۔

''دشمی میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اگر تم جیت گئیں تو میں۔''

''جیتوں گی تو میں ہی۔ میں کبھی نہیں ہارتی۔ لیکن یاد رکھو ہارنے کے بعد تمہیں میری کوئی بھی فرمائش

پوری کرنا ہوگی۔''
''منظور ہے تم جو کہو گی میں کروں گی۔ لیکن وہ۔'' صائم کا فقرہ بیچ میں ہی رہ گیا۔ ریکٹ کا وار اوچھا پڑا تھا اور شٹل کاک نیٹ کے تنے ہوئے تاروں سے اچٹ کر گھاس پر گر گئی تھی۔
شمی نے قہقہہ لگایا۔ دہن کھلا ہونے کی وجہ سے ہنستے ہوئے اس کے اوپر نیچے کے دانت اور گلابی مسوڑھے بڑی وضاحت سے دکھائی دیتے تھے۔ ایسے وقت میں صرف اس کی ہنستی سامنے رہ جاتی تھی وہ خود کہیں اوٹ میں جا چھپتی تھی۔
صائم کے سرخ وسپید چہرے پر شکست خوردگی کے آثار پسینے کی بوندوں کی صورت میں نمودار ہو رہے تھے۔
''تمہاری شکست کا آغاز ہو چکا ہے صائم' اب بھی وقت ہے آرام سے ہار مان لو۔ ہوسکتا ہے ایسی صورت میں میرا رویہ رحمدلانہ ہو۔''
رانیہ نے اماں کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر پتہ نہیں کہاں سے ڈھیروں جھریاں اتر آئی تھیں۔
''جا ذرا پتہ تو کر کے آ۔ یہ شمی کون ہے۔'' دھیمی آواز میں کہہ کر وہ دوبارہ لحاف سینے بیٹھ گئیں۔
''کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔ ادھر کیا تماشا ہو رہا ہے۔'' ندرت پیروں کو تولیے سے خشک کرتے ہوئے بولی۔
رانیہ خاموش رہی اور دیوار کے قریب ہی گھاس پر نڈھال سے انداز میں بیٹھ گئی۔ شمی کے قدموں کی دھمک اسے اپنے دل میں گونجتی سنائی دے رہی تھی۔ انیقہ دانیال اور ندرت کو شمی کے متعلق بتانے لگی شمی کے بارے میں سنتے ہی دانیال نے درخواست والے کاغذ کا گولہ بنا کر ایک کونے میں اچھالا اور آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر بال بنانے لگا۔ ساتھ ہی وہ کسی رومانٹک گانے کی دھن پر سیٹی بجا رہا تھا۔ ندرت نے اماں سے آنکھ بچا کر ایک بھاری سول والا جوتا اس کی کمر میں مارا لیکن اس کی سیٹی موقوف نہ ہوئی۔
''دیکھنے میں تو کوئی حرج نہیں بھئی۔ کیا معلوم کوئی گرین کارڈ ہولڈر حسینہ ہو ہم دونوں کا مستقبل سنور جائے گا۔'' اس نے جھک کر دبی ہوئی آواز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی اور اس کے بگڑے ہوئے نقوش کو خاطر میں لائے بنا شمی سے شرف ملاقات حاصل کرنے چلا گیا۔
ندرت نے مساج کو ملتوی کیا اور دیوار کی اوٹ سے شمی کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد رانیہ کے پاس آ بیٹھی۔ وہ سر جھکائے تپتپا گھاس کی رس بھری پتیاں نوچ رہی تھی۔
''گھاس کے تنکے اکھیڑنے سے کیا فائدہ۔ جا کر اس کے بخیے ادھیڑ دو تو کوئی بات بھی ہے۔ ہے تو تم سے زیادہ خوب صورت معاملہ اب پیچیدہ ہو گیا ہے۔ اس کی آب و تاب کا مقابلہ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ لیکن چونکہ تم ازلی ڈھیٹ ہو اور جوتے کھائے بغیر واپس نہیں مڑو گی۔ اس لیے میں رحم کھاتے ہوئے اپنا نہایت قیمتی اور نفیس کریم ایمبرائڈری والا بلیک سوٹ تمہیں شام تک کے لیے ادھار دے دیتی ہوں۔ مل آؤ شمی سے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا میرے سوٹ پر کوئی آنچ آئی تو میں انتقاماً تمہارا فیروزی نگینوں والا نیکلس ضبط کرلوں گی۔ جس پر ایک عرصے سے میں نے نظر رکھی ہوئی ہے۔''

''میں تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں گی جو اب تم نے اس نیکلس کی طرف دیکھا تو۔'' رانیہ نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا اور دیوار کے پار ہوا میں ڈولتی اور ہچکولے کھاتی شٹل کال کو دیکھتے ہوئے عجیب طرح سے مسکرائی۔

''میں بھی کہوں اس کا ہک کیوں ٹوٹ گیا۔ یقیناً تم نے اپنی موٹی گردن میں پھنسانے کی کوشش کی ہوگی۔ اپنے گلے میں خود پھندا فٹ کرتے ہوئے تمہیں خوف نہیں آیا۔ چلو لے کر آؤ وہ سیاہ زرہ بکتر۔ سر پر کفن باندھ کر شمی سے مل آؤں۔''

''لے تو آؤں۔'' ندرت اٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔

''پر سوچتی ہوں۔ تم اس میں سماؤ گی کیسے۔ کہاں میرا نازک سراپا اور کہاں تم کہیں سلائیاں ہی نہ ادھڑ جائیں، مجھ پر وہ سوٹ اتنا جچتا ہے کہ کوئی حد نہیں کوئی حساب نہیں۔ اسے پہن کر جدھر سے گزروں چہ مگوئیاں ہونے لگتی ہیں کہ......''

''یہ بھینس دو ٹانگوں پر کیسے چلی آ رہی ہے۔'' رانیہ نے فقرہ مکمل کیا۔

''خبردار میری بات مت کاٹو ورنہ میں فیصلے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔'' وہ ڈپٹ کر بولی۔

''ہاں تو میں کہہ رہی تھی۔ لوگ حیرت سے تکنے لگتے ہیں۔ جنت کی حور زمین پر کیسے اتر آئی کون ہے یہ البیلی دوشیزہ۔''

''اس سوٹ میں تم مشکیزہ ضرور لگتی ہو۔ دوشیزہ کا لفظ استعمال کر کے مجھے اور خود کو شرمندہ نہ کرو۔''

رانیہ سیاہ لباس پہن کر آئی اور لان کے وسط میں ٹھہر کر نیم دائرے میں گھومی۔

''ہے کوئی مجھ سا تو سامنے آئے۔'' اس کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ دیوار سے پرلی طرف سنی جا سکتی۔

اماں نے ناک پر ڈھلکتی عینک سنواری اور سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے ان کی دھندلائی ہوئی آنکھوں میں چمک سی ابھری اور دوسرے ہی پل بجھ گئی۔ کچھ کہے بنا وہ پھر لحاف میں نگندے ڈالنے لگیں۔ ان کا ہاتھ دھیرے دھیرے لرز رہا تھا۔

دیوار کی اوٹ سے صالحہ آنٹی کا چہرہ ابھرا۔ رانیہ پر نظر پڑتے ہی انہوں نے اسے پاس آنے کا اشارہ کیا۔

''کتنی پیاری لگ رہی ہو۔ اتنے گہرے رنگ نہ پہنا کرو۔ نظر لگ جائے گی۔''

''میں تو ہوں ہی پیاری۔ لگنے والی کیا بات ہے۔'' اس نے دلفریب مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر ندرت کو دیکھا جو بڑی عجلت میں دیوار کی طرف آ رہی تھی۔

''آنٹی یہ جو سوٹ ہے نا۔'' رانیہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا مگر اس نے بیان جاری رکھا۔

''یہ سوٹ بہت خوب صورت ہے نا' یہ سوٹ۔''

''تمہارا ہے کیا۔'' وہ مسکرا کر بولیں۔

ندرت کھسیائی ہنسی ہنس کر خاموش ہو گئی۔ رانیہ اسے جن نظروں سے دیکھ رہی تھی وہ اسے مستقبل کے حالات سمجھانے کے لیے کافی تھیں۔

''میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ یہ سوٹ میں نے ڈیزائن کیا ہے۔''

رانیہ کے تاثرات قدرے دھیمے پڑے تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

''رانیہ تم ادھر میری طرف آؤ۔ ملوانا ہے تمہیں کسی سے فارغ تو ہونا۔''

''جی فارغ ہوں ابھی آجاؤں کیا۔''

''ہاں ابھی۔''

شی اسے بڑے فارمل سے انداز میں ملی تھی۔ صائم کے چچا کی بیٹی تھی۔ نیویارک سے آئی تھی۔ عید پاکستان میں منانے کے ارادے کے ساتھ۔

''شبینہ پاکستان میں یہ آپ کی پہلی عید ہوگی؟''

اس نے ہاتھ اٹھا کر رانیہ کو ٹوک دیا تھا'' مجھے شبینہ کہہ کر کبھی کسی نے نہیں پکارا۔ آپ بھی مجھے شی کہیں پلیز۔''

''اچھا تو شبینہ''۔ رانیہ نے زبان چٹخی کر کے شبینہ کی ادائیگی میں آواز انداز کے سارے تیر چلا دیے۔

''آپ نے پہلے بھی کبھی پاکستان میں عید منائی ہے؟''

شی کی ناک کے سیدھے بانسے میں ہلکی سی ٹیڑھ آ گئی۔

''میں دس سال پاکستان میں رہی ہوں میں گریڈ فائیو میں تھی جب ہم لوگ اسٹیٹس منتقل ہو گئے۔''

''اس کا مطلب ہے شبینہ آپ کو امریکہ میں رہتے ہوئے پچیس تیس سال بیت چکے ہیں۔'' رانیہ نے چہرے پر سنجیدگی کی دبیز چادر تانتے ہوئے سر ہلایا تو آنٹی صالحہ نے اپنی ہنسی چھپانے کے لیے بلا مقصد پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

''کیا میں اتنی ایجڈ نظر آتی ہوں۔'' شی کے وسیع و عریض ماتھے پر لہریں رینگنے لگیں۔

''وہ مذاق کر رہی ہے شی''۔ صائم نے مداخلت کر کے بات سنبھالنے کی کوشش کی لیکن رانیہ اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہ ہوئی۔

''میں تو مذاق نہیں کر رہی۔'' اس نے شدومد سے سر کو دائیں بائیں جنبش دی۔

''میں نے تو اندازے سے بات کی تھی۔ اب اندازے میں دو چار برس تو اوپر نیچے ہو سکتے ہیں۔''

صائم خاصا مضطرب نظر آرہا تھا۔ رانیہ کو اس کے اضطراب کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی جو کسی اور کے اور خاص طور پر کسی غیر شادی شدہ لڑکی کے لیے تھا وہ جب تک وہاں موجود رہی زبان سے چنگاریاں اڑاتی رہی۔

''آپ کو یہ ہیر اسٹائل بہت جچتا اگر آپ کا چہرہ تھوڑا سا کم لمبا ہوتا۔''

''ارے آپ کی بائیں کنپٹی کے پاس جھریاں سی پڑتی ہیں ہنستے ہوئے۔ کہیں آپ ڈائٹنگ وغیرہ تو نہیں کرتیں۔''

''آپ کی آواز ذرا سی مردانہ ہے پر ہے رعب دار۔''

جاتے ہوئے اس نے شمی کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ ''شبینہ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ ہماری طرف ضرور آیئے گا۔ اوہ میں بھی کیسی بے لحاظ ہوں۔'' اسے جیسے کسی غلطی کا ادراک ہوا تھا۔

''کتنی بے تکلفی سے شبینہ، شبینہ کہے جا رہی ہوں۔ آخر ادب بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ پاکستان میں اور کچھ ہو نہ ہو بڑوں کا ادب بہت کیا جاتا ہے۔ آئندہ میں آپ کو باجی شبینہ کہوں گی۔''

آنٹی صالحہ کے لیے ہنسی ضبط کرنا محال ہو رہا تھا۔ چنانچہ وہ اٹھ کر ملحقہ کمرے میں چلی گئیں۔

''آپ نے میری بے تکلفی کا برا تو نہیں منایا باجی شبینہ میں بڑی عمر کے لوگوں میں بھی بہت جلدی گھل مل جاتی ہوں۔ طبیعت میں ابھی بچپنا ہے ناں۔ اچھا باجی شبینہ خدا حافظ جلد ہی دوبارہ ملاقات ہوگی۔''

شمی کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ اس کے سختی سے بھنچے ہوئے جبڑے اور تنفس کی تیزی اس کی اندرونی کیفیات کی عکاسی کر رہی تھی۔

صائم رانیہ کے ساتھ ہی اٹھ کر باہر آ گیا۔

''رانیہ یہ کیا طریقہ ہے؟'' اس کے لہجے میں ناگواری تھی۔ ''شمی نے تمہارے بارے میں اچھا تاثر قائم نہیں کیا ہوگا۔ بیشک تمہاری عادت ہے مذاق کرنے کی مگر وہ تو تمہاری باتوں کو طنز ہی سمجھ رہی ہوگی۔''

وہ خاموشی سے ہوا کی چھیڑ سے مچلتے ہوئے سکھ چین کے پتوں کو دیکھتی رہی۔

''میں تم سے کچھ کہہ رہا ہوں رانیہ؟''

اس نے آہستگی سے نظروں کا زاویہ تبدیل کیا۔

''میرے طریقے تو ایسے ہی ہیں صائم۔'' نہ جانے کہاں سے اس کے گلے میں بہت سے آنسو آن چھپے تھے اسے پلکوں کے گوشوں میں نمی کا احساس ہوا تو رخ موڑ کر گیٹ کی سمت بڑھی۔

''اچھا کل ذرا وقت نکال کر آنا۔ شمی کے لیے کچھ اسپیشل ڈشز تیار کرنے کا ارادہ ہے۔ میری ہیلپ کر دو گی نا۔ انسٹی ٹیوٹ سے چھٹی کر لینا۔ میں بھی کل آفس نہیں جا رہا۔''

''کاش کہیں سے چٹکی بھر زہر مل جائے چکھتے ہی پھڑک جائے باجی شبینہ۔ لیکن نہیں اتنے سے زہر سے بچنے کا امکان ہو سکتا ہے۔'' زہر کی مقدار سے اس کا دل مطمئن نہ ہوا تو اس نے فوراً نظر ثانی کر ڈالی۔

''کم از کم مٹھی بھر تو ہو۔'' گیٹ کے قریب رک کر وہ واپس مڑی۔

''آ جاؤں گی۔ تم فکر نہ کرو۔ میں ایلوویرا کی ایک شاخ لے جاؤں کاٹ کر؟'' صائم نے سوالیہ انداز میں بھنویں اچکائیں۔

''وہ کس لیے؟''

''ایلوویرا جل بہت مفید ہوتا ہے اسکن کے لیے۔'' وجہ جان کر وہ مسکرایا تھا۔

''سارا گھر آپ کا ہے۔ آپ کا جی چاہے تو ایلوویرا کو جڑ سے اکھاڑ کر لے جائیں لیکن خدا کے لیے اس سے زیادہ خوب صورت مت ہونا۔ پہلے ہی تمہیں دیکھ کر سینے میں سانس اٹکنے لگتی ہے۔''

''جھوٹا کہیں کا۔'' رانیہ نے نظروں سے اس کی اجلی پیشانی کو چھوا اور اپنے آپ میں سمٹ گئی۔ پھر ڈرتے ڈرتے مژگاں کی اوٹ سے اس کی کشادہ چھاتی کو دیکھتے ہوئے خود کو سنبھال کر بولی۔

''تمہیں دمے کی شکایت نہ ہو۔ پہلی فرصت میں ڈاکٹر سے رابطہ کرو۔''

☆..........☆..........☆

اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ کروٹوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو اس کے اعصاب کو بوجھل کر رہا تھا۔ دائیں پہلو لیٹتی تو لگتا جیسے کئی گھنٹوں سے یہی پہلو جسم کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ بائیں پہلو کروٹ لیتی تو بایاں بازو سن محسوس ہونے لگتا۔ سوئیاں چبھتیں دل کی دھڑکن مدھم ہو جاتی' کانوں میں شائیں شائیں ہونے لگتی۔ گھڑی کی ٹک ٹک مسلسل اس کے دماغ میں گونج رہی تھی۔ گھوں گھوں کرتا سلو اسپیڈ میں گھومتا ہوا پنکھا اس پر غنودگی طاری کرنے کی بجائے ایک بے ہنگم شور برپا کر رہا تھا جیسے کسی پرانی مشین کی چرخی گڑگڑاہٹ کے ساتھ چل رہی ہو اور سب سے زیادہ پریشان کن گٹار کی آواز تھی جو اس کے سر کو کسی تیز آرے کی مانند دو حصوں میں چیر رہی تھی۔ آوازوں سے گھبرا کر وہ اٹھی اور چادر اتار کر پرے اچھال دی۔ اکتوبر کی ٹھنڈی رات تھی لیکن وہ پسینے میں شرابور ہو رہی تھی۔ قمیص جسم کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ بیڈ سے اتر کر وہ لان میں آ گئی تھی۔

آبنوسی بدن والی مضمحل رات سرد آہیں بھر رہی تھی' سرمئی آسمان کے سینے میں بے شمار چھید تھے جن سے جلتی ہوئی روشنی قطرہ قطرہ ٹپک رہی تھی۔ زعفرانی چاند کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح پچھلی دیوار کی منڈیر سے پیشانی ٹکائے ہمک رہا تھا۔ سرو کے پودے ایک سمت گردنیں جھکائے بیزار کھڑے تھے۔ چندنا کے قدموں میں منجمد آنسو بکھرے پڑے تھے۔ گلاب کے پیڑ کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ شہنائی رو سرخ پھول گٹار کی شوخ دھن سے دامن بچانے کے لیے سر نیہوڑائے زمین کو تک رہے تھے۔

وہ بنا کوئی آہٹ پیدا کیے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی دیوار کے قریب چلی گئی۔ دیوار کے بالکل پاس سکھ چین کے درختوں سے ذرا ہٹ کر دو بت آمنے سامنے ایستادہ تھے۔ گٹار کے تار خاموش ہو گئے۔

''بجاتے رہو' بہت اچھا لگ رہا ہے۔''

''میرا دل تو تم سے باتیں کرنے کو چاہ رہا ہے۔''

''باتیں تو اتنی ہیں کہ رات چھوٹی پڑ جائے گی۔ تمہارے بھیجے ہوئے سارے وش کارڈز اور خطوط میں نے سنبھال رکھے ہوئے ہیں۔ کاغذ کا ایک پرزہ بھی ادھر ادھر نہیں ہونے دیا۔''

''تم کیا سمجھتی ہو تمہارے گفٹس میں نے ضائع کر دیے ہوں گے نہیں جناب ہم جذبات کی قدر کرنے والے بندے ہیں۔ چار سال پہلے تم نے جو تصویر بھجوائی تھی جس میں تم چیری کے سفید شگوفوں سے لدے ہوئے پیڑ کے ساتھ سر سے پاؤں تک سرخ رنگ میں ڈوبی ہوئی ایک بڑی سی چیری لگ رہی ہو۔ وہ میرے بیڈ روم میں آج بھی موجود ہے۔ جب تمہاری یاد آئے اسے دیکھ لیا کرتا ہوں۔''

''کس قدر خوشگوار ہوا چل رہی ہے۔ پتہ نہیں کیوں مجھے کیٹس کی نظم اندم آن یاد آ رہی ہے جس میں

اس دیومالائی داستان کا ذکر ہے جس میں چاند کی دیوی ایک خوب صورت نوجوان پر اس لیے نیند طاری کردیتی ہے تاکہ اس کی بے خبری میں اسے چھو سکے۔ کوئی اچھی سی دھن بجاؤ۔ کوئی رومانویت بھری دھن۔''

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔''

گٹار کے تار بولنے لگے۔

اس نے اپنی ڈوبی ہوئی دھڑکن کو محسوس کرنے کی کوشش کی۔ اس کا حلق کانٹوں سے اٹا ہوا تھا ادھ مندی آنکھوں سے اداس رات اسے دیکھنے لگی۔ چندنا کا پودا جھرجھرایا اور جمے ہوئے سفید آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ سرو کے پودے ٹھنڈے ہو کے بھرنے لگے۔ نارنجی پھولوں والی بیل دیوار کے سینے سے چمٹی کانپ رہی تھی۔ سرخ پھول سر جھکائے سسک رہے تھے۔

☆..........☆..........☆

''باجی شبینہ اب تک سو رہی ہیں؟''

''صبح صائم کے ساتھ جاگنگ کرنے گئی تھی۔ واپس آکر پھر سوگئی ہے۔'' صالحہ آنٹی نے بتایا۔

رانیہ کی دھڑکن مدھم پڑ گئی۔

''اچھا کھانے میں کیا بنے گا؟'' اس نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

''پسندوں کے کباب اور بریانی میٹھے میں کسٹرڈ۔'' صالحہ آنٹی نے بتایا تو وہ متحیر لہجے میں بولی۔

''یہ سب کھائیں گی شبینہ باجی۔ میں تو سمجھ رہی تھی ہاٹ ڈاگ اور ایپل پائی ٹائپ چیزیں تیار رہوں گی۔''

''پاکستانی کھانے پسند ہیں اسے اس کی مرضی سے ہی صائم نے یہ ڈشز منتخب کی ہیں۔ بس تیز مرچ مسالے سے گھبراتی ہے۔ اب جتنے دن وہ رہے گی ہمیں بھی مجبوراً پھیکے اور بے مزہ کھانے کھانا پڑیں گے۔''

اس نے محسوس کیا تھا۔ آنٹی شی کے آنے سے خوش نہیں تھیں۔ اس کے بارے میں بات کرتے ہوئے ان کے لہجے سے ہلکی سی ناگواری جھلکنے لگتی تھی۔

''باجی شبینہ صرف عید ہی منانے آئی ہیں یا کوئی اور بات بھی ہے۔'' اس کا انداز کریدتا ہوا تھا۔

آنٹی نے اس کی بات سن کر چند لمحوں کی خاموشی اختیار کی اور پھر زرینہ کو جو سنک کے سامنے کھڑی بڑی تن دہی سے پتیلی مانجھ رہی تھی صائم کے کمرے کی جھاڑ پونچھ کرنے کی ہدایت کی۔

اس کے جانے کے بعد وہ رانیہ کی طرف مڑیں۔

''یہ جو زرینہ ہے نا' کام ٹھیک ٹھاک طریقے سے کرتی ہے لیکن کن سوئیاں لینے کی بہت عادت ہے اسے۔'' ان کا لہجہ دھیما تھا جیسے کوئی راز کی بات کرنا چاہتی ہوں۔

''شی خالی خولی عید کے لیے نہیں آئی۔ میں جانتی ہوں اپنے دیور کو اس کا کوئی بھی کام منصوبہ بندی کے بغیر نہیں ہوتا۔ بے شک میں یہاں پاکستان میں بیٹھی ہوں مگر نیویارک کی ساری خبر ہے مجھے۔ میری جیٹھانی

وہاں سے ہو کر آئی تھی پچھلے سال سب حال اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس نے شمی اپنے باپ کے قابو میں نہیں رہی آزاد اور خود مختار امریکن لڑکی بن گئی ہے۔ اس لیے وہ چاہتا ہے شمی کی شادی اپنے خاندان میں ہو جائے اور خاندان میں لڑکے ہی کتنے ہیں میرے جیٹھ کے دونوں لڑکے بیاہے ہوئے ہیں۔ لے دے کے صائم ہی بچتا ہے۔ پر میں ایسا ہونے نہیں دوں گی۔ صائم کے ابو کی مرضی بھی میں نے معلوم کر لی ہے انہیں بھی اپنی بھتیجی کو بہو بنانے کا کوئی چاؤ نہیں۔''

''اور اگر صائم ایسا چاہے تو۔'' اس نے دل پر ہاتھ رکھ کے پوچھا۔

آنٹی نے اس کی طرف پرسوچ نظروں سے دیکھا اور مسکرا کر بولیں۔

''وہ کیوں چاہنے لگا ایسا۔'' پھر قدرے تشویش زدہ سی ہو گئیں۔

''ہاں لیکن عقل پر پردہ پڑتے کون سی دیر لگتی ہے ہیرے کو چھوڑ کر کوئی دہکتا کوئلہ ہاتھ میں لینا چاہے تو......'' انہوں نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

'' آنٹی ایک بات تو بتائیں۔'' اس کے دل کی دھڑکن قابو سے باہر ہونے لگی۔ لیکن اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر لہجے میں سرسری پن کا تاثر دیا۔

''آپ کیسی بہو چاہتی ہیں؟''

''بالکل تمہارے جیسی۔'' انہوں نے ایک لمحہ توقف کیے بغیر جواب دیا تھا۔

''ماشاء اللہ آنٹی کے خیالات تو بڑے نیک ہیں۔'' اس کا دل آنٹی کے گلے میں باہیں ڈال کر جھولنے کو چاہا۔

''لیکن مجھے تو صائم کوئی خاص پسند نہیں ہے۔'' صائم کے قدموں کی آہٹ پا کر وہ خاصی بلند آواز میں گویا ہوئی ''اڑیل سا لڑکا ہے۔ سنجیدگی کا فقدان ہے اس میں کبھی کبھی تو بالکل چھچھورا لگنے لگتا ہے۔''

آنٹی اس کی باتوں پر مسکراتی رہیں۔ صائم اس کے قریب پہنچ کر زور سے کھنکارا تو وہ چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے پلٹی فطری تاثرات دینے کی کوشش میں ذرا اوور ایکٹنگ کی مرتکب ہو گئی تھی۔ اس لیے صائم کو متاثر کرنے میں ناکام رہی۔

''میری تعریف بیان کی جا رہی تھی۔ رک کیوں گئیں اور بتاؤ اس کے علاوہ کیا کیا خوبیاں ہیں مجھ میں جو اب تک خود میری نظر سے اوجھل ہیں۔'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔

''تم خود اتنی خوب صورت ہو۔ تمہاری آنکھوں کو کوئی اور کہاں بھائے گا۔''

''میرا خیال ہے کوکنگ شروع کی جائے۔'' اس کی آواز میں تلخی تھی۔

صائم نے ایک نظر اس کے چہرے کو غور سے دیکھا اور پھر کندھے اچکا کر بولا۔

''تمہارے ذمے بریانی ہے۔ باقی سب میں خود کر لوں گا۔ لیکن ایک بات خاص طور پر یاد رکھنا مرچیں بہت کم ڈالنا۔ ہری مرچ تو بالکل بھی نہیں۔ سرخ مرچیں محض رسماً استعمال کرنی ہیں۔ شمی کو پھیکی بریانی

پسند ہے۔"

"تم فکر نہ کرو صائم۔" وہ دانت پھیس کر مسکرائی۔ "سمجھ لو کہ آج بریانی کی تاریخ میں ایک نیا باب رقم ہوگا۔"

آنٹی نے رانیہ کو آنکھوں کے اشارے سے کچھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ کچھ اخذ نہیں کر سکی یہ راز تو اس وقت کھلا جب آنٹی نے اسے بریانی کی گریوی میں اندھا دھند مرچیں ڈالتے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔

اس نے کھسیانی ہنسی ہنس کر کوئی بات بنانا چاہی لیکن گھگھیا کر رہ گئی۔

"میں نے سوچا بریانی تو۔ مرچوں۔ مرچوں کے بغیر۔" کچھ نہ سوجھا تو وہ فرش کی ٹائلیں گننے لگی۔

کچھ دیر آنٹی خاموش اور ساکت کھڑی رہیں پھر کاؤنٹر پر پڑا سرخ مرچوں کا ڈبہ اٹھا کر خفگی سے بولیں۔

"تم اتنی کنجوسی سے کام کیوں لے رہی ہو۔ ہمارے گھر میں مرچوں کی کمی ہے کیا؟"

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ جب آنٹی نے ڈبہ ترچھا کر کے مرچوں کی ایک بڑی کھیپ دیگچی میں پہنچائی۔

"میں تو کہتی ہوں کسٹرڈ بھی مرچیلا بنا ڈالیں۔ باجی شبینہ کو بھی پتہ چلے چٹخارہ کسے کہتے ہیں۔"

انہوں نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر ہنستے ہوئے کہا تو وہ شاکڈ کھڑی ان کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

☆............☆............☆

اس نے کتاب کے پھیلے ہوئے حروف کو شناخت کرنا چاہا لیکن وہ کسی متروک شدہ قدیم زبان کی طرح اجنبی محسوس ہوئے۔ کچھ دنوں سے یہی ہو رہا تھا وہ کوئی کتاب لے کر بیٹھتی تو حروف روشنائی کے دھبوں میں تبدیل ہو جاتے۔ ایک سطر دوسری سطر میں مدغم ہونے لگتی۔ کبھی ورق بالکل کورے نظر آتے۔ شی کے دانتوں کی طرح سفید اور چمکدار کبھی صائم کی بھوری آنکھیں ایک سرے سے دوسرے سرے تک رینگنے لگتیں۔ کبھی ایک جاگنگ ٹریک اس کی آنکھوں کے سامنے بل کھانے اور لہرانے لگتا۔ وہ اکتا کر کتاب بند کر دیتی۔ آنکھیں بند کر کے ان ناچتے ہیولوں سے جان چھڑانے کی کوشش کرتی لیکن بے سود اس کا دماغ سنسناتا رہتا۔ دل کی زمین پر جاگنگ کرتے ہوئے پیروں کی چاپ گونجتی رہتی۔ اس نے کتاب بند کر کے ندرت کی طرف دیکھا جو کسی پیچیدہ تھیوری کے غوامض میں الجھی تھی۔

"اگر میں فیل ہو گئی تو تمہیں ہرگز معاف نہیں کروں گی۔"

ندرت نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور ایک اکتائی ہوئی نظر اس پر ڈالی۔

"مجھے تو یاد نہیں پڑتا اپنی پوری زندگی میں کبھی میں نے تم سے معافی مانگی ہو۔"

"تم نے ہی مشورہ دیا تھا یہاں ایڈمیشن لینے کا کوئی اونچ نیچ ہو جائے تو قصور تمہارا ہی ہوگا۔"

"ایویں میرا قصور ہوگا۔ پڑھتے ہوئے تمہاری جان جاتی ہے کتابوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتیں قصور میرا۔ تمہارے فیل ہونے کے روشن امکانات موجود ہیں۔" وہ دوبارہ کتاب کی طرف متوجہ ہوئی تو رانیہ نے جھپٹ کر کتاب اسے چھین لی۔

''میرا سر پھٹا جا رہا ہے ایگزام لینے کی اتنی جلدی کیا تھی انسٹی ٹیوٹ والوں کو۔ ہم بھاگ تھوڑا ہی رہے تھے اور کان کھول کر سن لو ایک نمبر بھی تمہارا مجھ سے زیادہ آیا تو میں تمہارا جینا حرام کر دوں گی۔ پتہ نہیں یہاں بوٹی چلے گی یا نہیں۔'' رانیہ کے انداز میں تشویش تھی۔

''کیا بھلا زمانہ تھا میٹرک کا۔ کیسی کیسی بوٹیاں بلکہ بوٹے یا شاید درخت کہنا مناسب ہوگا۔ کبھی کوئی مسئلہ درپیش نہیں آتا تھا امتحانوں میں مطلوبہ مقدار میں سوال حل کرنے کے بعد فارغ وقت گزارنے کا کوئی مشغلہ ڈھونڈنا پڑتا تھا۔ ہائے وہ وقت کیسا زمانہ تھا وہ بھی۔'' اس سنہرے دور کی یاد نے اس کے لہجے میں لہک پیدا کر دی تھی۔

''خیر چھوڑو کیا فائدہ اس دور کی باتیں یاد کر کے جی جلانے کا۔'' اس نے ایک سرد آہ بھری ''اٹھو گھر چلیں۔''

ندرت نے اسے گھور کر دیکھا۔ اکنامکس کا پیریڈ کون لے گا؟''

''گولی مارو۔ سونا ہی تو ہے۔ گھر جا کر سوتے ہیں۔ کیسا لوری نما لیکچر ہوتا ہے سر اکرام کا ناک میں گنگناتے ہوئے غنودگی بھرے لفظوں سے تھپک تھپک کر سلاتے ہیں۔''

''تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔'' ندرت نے کتاب اس کے ہاتھ سے لے کر دوبارہ سامنے پھیلا لی۔

''تمہیں جانا ہے تو اکیلی چلی جاؤ۔ میں ان دنوں کوئی ایک پیریڈ بھی مس نہیں کر سکتی تمہارے لیے میرا ہمدردانہ مشورہ ہے کہ پڑھائی پر توجہ دو۔ اس شمی کو دماغ سے نکال دو۔ سارا وقت تو تم اسے راستے سے ہٹانے کے منصوبوں پر غور کرتی رہتی ہو۔ کتابوں میں خاک دل لگے گا۔''

اس کی بات کا رانیہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ خاموشی سے واٹر کولر کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے لڑکوں اور کلاس روم کے سامنے ٹہلتی لڑکیوں کو دیکھنے لگی۔ اس وقت ان دونوں کے سوا کلاس روم میں کوئی موجود نہیں تھا۔ سر شعیب دس منٹ پہلے رخصت ہوئے تھے اور اگلا پیریڈ شروع ہونے میں کچھ وقت باقی تھا۔

ندرت اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے بولی۔'' تم نے شمی کے ساتھ جو رویہ اپنایا ہے۔ اس کی وجہ سے صائم کچھ کھنچا کھنچا سا محسوس ہوتا ہے تم ذرا میانہ روی اختیار کر و تو بہتر ہوگا۔''

رانیہ خاموش رہی کیونکہ عقبی دروازے سے رفعت اندر آ رہا تھا۔ وہ سیدھا ان کی طرف آ گیا۔

''اٹھو ندرت۔ میرے سر میں بہت درد ہے۔ اگلا پیریڈ نہیں پڑھوں گی میں۔'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولی تو رفعت نے بڑی التجائیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''مس رانیہ میری ایک بات سن لیں۔ پلیز پھر آپ چلی جایئے گا۔ آپ ہمیں تھوڑی دیر کے لیے ایکسکیوز کریں گی پلیز۔'' آخر میں وہ ندرت سے مخاطب ہوا۔

''کیوں؟'' وہ تڑخ کر بولی۔'' میں کہیں نہیں جا رہی اور رانیہ کو تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔''

''صرف ایک منٹ لوں گا میں۔ پلیز میری بات سن لیں۔ مس رانیہ میں بہت مجبور ہوں۔'' اس نے نچلے جبڑے کو گھما کر بات شروع کی چکی کا پاٹ چلنے لگا۔

''میں آپ ۔سے۔ میں محبت کرتا ہوں۔ شادی کرنا چاہتا ہوں آپ سے خدا کے لیے مجھے غلط مت سمجھئے گا۔''

رانیہ کی آنکھوں سے آگ کی لپٹیں سی نکلیں اگر یہ آگ مجسم ہوتی تو یقیناً رفعت کو بھسم کر ڈالتی۔

''تمہاری یہ جرات۔'' طیش کی شدت سے اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

''تم مجھے جانتے نہیں ہو۔ میں تمہارا وہ حشر کروں گی جو ظالم بادشاہ اپنی رعایا کا کیا کرتے ہیں۔ تمہیں معلوم نہیں ہماری پہنچ بہت دور تک ہے۔ اتنی دور تک کہ مجھے خود بھی اندازہ نہیں کتنی دور تک۔ آئندہ اگر تم نے میرا پیچھا کیا مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تو میں تمہارا نقشہ بگاڑ کے رکھ دوں گی اس کے باوجود کہ مزید بگڑنے کی گنجائش نہیں ہے۔''

''مس رانیہ آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔'' کندھوں پر لٹکتے بال آگے پیچھے جھولنے لگے۔

''میں بہت سنجیدہ ہوں۔ میرا مقصد فلرٹ کرنا ہرگز نہیں۔''

ندرت مٹھیاں بھینچتی ہوئی کرسی سے اٹھی۔'' مسٹر تم سنجیدہ ہو یا رنجیدہ ایک لفظ بھی مزید کہا تم نے تو تمہارے حق میں بہت برا ہوگا۔ اس بات کو غنیمت سمجھو کہ تمہیں ایک موقعہ دیا جارہا ہے۔ لیکن اب اگر تم نے کوئی بھی ایسی ویسی حرکت کی تو میں اس معاملے کو بورڈ آف ڈائریکٹرز تک لے جاؤں گی۔ اینڈ ناؤ گیٹ لاسٹ'' وہ چند لمحے ان کے لال بھبو کا چہروں کو دیکھتا رہا۔

''وہ گرے سوزوکی والا......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا اور تیزی سے مڑ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا۔

اس زجر و توبیخ کے بعد اتنا فرق ضرور پڑا کہ رفعت زیاد نے رانیہ کو دوبارہ مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ تاہم نظروں کے نرغے میں لینے کا سلسلہ ویسے ہی جاری رہا۔ لیکن نسبتاً محتاط انداز میں۔

☆............☆............☆

شمی کو صائم کی سالگرہ پر اسے دینے کے لیے کوئی تحفہ خریدنا تھا اور وہ راستوں سے اچھی طرح واقف نہیں تھی۔ اس نے رانیہ سے ساتھ چلنے کو کہا تو اس نے فوراً ہامی بھرلی تقریباً ڈیڑھ درجن گفٹ شاپس کے تفصیلی معائنے کے بعد بھی اس کے مطلوبہ معیار کی چیز دستیاب نہیں ہوسکی تھی۔ رانیہ کو رہ رہ کر اس پر طیش آرہا تھا۔ نہ جانے وہ کیا تحفہ دینا چاہتی تھی صائم کو کبھی کوئی بھاری گلدان دیکھ کر اس کا دل چاہتا کہ ایک ہی وار سے شمی کی کھوپڑی پاش پاش کردے اور کبھی اسے سیڑھیوں سے دھکا دینے کو دل مچلنے لگتا۔

خدا خدا کرکے نو بجے کے قریب ایک ڈیکوریشن پیس پر اس کی نظر انتخاب ٹھہر گئی۔ جس وقت وہ روانہ ہوئی تھیں تب پیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور تحفے کی پسندیدگی کے مرحلے تک پہنچتے پہنچتے رات ہوگئی تھی پانچ

گھنٹوں کی خواری نے پہلے ہی رانیہ پر اعصاب شکن جھنجھلاہٹ طاری کر رکھی تھی۔ سونے پر سہاگے کا کام شمی کے منتخب کردہ تحفے نے کیا۔

''گٹار بجاتے ہوئے آدمی کا کرسٹل سے بنا ہوا شفاف مجسمہ۔'' رانیہ نے اپنے دل کو کنپٹیوں میں بجتے ہوئے سنا۔

شمی شاپ کیپر کو پیکنگ کرنے کے لیے کہہ رہی تھی۔

''کتنی نفیس اور یونیک چوائس ہے آپ کی شبینہ باجی۔'' رانیہ نے پرجوش لہجے میں تعریف کرتے ہوئے کانچ کا بت اٹھایا۔

''بہت خوب صورت۔ بہت عمدہ۔ کتنا نازک ہے۔ ہاتھ لگاتے ہوئے بھی دل ڈرتا ہے۔'' یک لخت اس کا ہاتھ لرزا اور مجسمہ نیچے گر کر دو ٹکڑوں میں بٹ گیا۔

''ہائے اللہ میں تو پہلے ہی ڈر رہی تھی۔'' اس نے آنکھوں میں آنسو بھر کے شمی کی طرف دیکھا۔ جو چپ چاپ فرش پر بکھرے کانچ کے ٹکڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس وقت وہ کسی مومی بت کی مانند نظر آ رہی تھی۔ ساکت و صامت۔ جمی ہوئی برف کی قاش...... جیسے سانس بھی نہ لے رہی ہو۔

''آئی ایم ویری سوری باجی شبینہ۔''

بڑی دیر کے بعد شمی کے منجمد جسم میں حرکت کے آثار پیدا ہوئے۔ رانیہ کی طرف دیکھے بنا وہ شاپ کیپر کی طرف مڑی۔

''آپ کے پاس اسی طرح کا دوسرا ہوگا؟''

''جی نہیں۔ یہ ایک ہی تھا۔ میں آپ کو اس سے بہتر چیزیں دکھا دیتا ہوں۔''

''مجھے اور کچھ نہیں خریدنا۔'' اس نے پے منٹ کی اور خاموشی سے شاپ سے باہر نکل آئی۔

''آپ کچھ اور خرید لیں باجی شبینہ۔'' گاڑی میں بیٹھتے ہوئے رانیہ نے بڑی مسکین آواز بنا کر کہا لیکن وہ چپ رہی واپسی کا تمام سفر خاموشی کی گہری دھند میں ملفوف رہا۔

صائم کا برتھ ڈے سیلبریٹ کرنے کے سلسلے میں سب کا متفقہ فیصلہ تھا کہ گلشن پارک میں مل بیٹھ کر کچھ ہلا گلا کر لیا جائے۔ شرکاء ہی کتنے تھے۔ صائم اور شمی کے علاوہ وہ چاروں۔ اپنے ساتھ وہ پائن ایپل کیک ویجی ٹیبل رولز اور شاہی ٹکڑے لائے تھے۔ موسم خوشگوار تھا۔ دھوپ نکلی تھی مگر مرجھائی ہوئی سی۔ تپش سے محروم ہوا میں ہلکی سی ٹھنڈک رچی تھی۔ سبز مخملی تھان کی طرح بچھی ہوئی گھاس پر بیٹھے لوگ بے فکرے اور دکھ سے نا آشنا نظر آتے تھے۔ بہت سے بچے اور بڑے پتھریلی روشوں پر ٹہل رہے تھے۔ کہیں تصویریں بنائی جا رہی تھیں کہیں مختلف جھولوں میں سواری کرنے کے لیے ٹکٹ خریدے جا رہے تھے۔ لہراتے ہوئے رنگین آنچل، چمکتی پوشاکیں، نقرئی قہقہے، کھنکتی چوڑیاں، معصوم قلقاریاں رنگوں اور آوازوں کا ایک سمندر موجزن تھا۔

وہ لوگ ایک نسبتاً تنہا گوشہ منتخب کر کے بیٹھ گئے تھے۔ دانیال کولڈ ڈرنکس لے کر آیا۔ کیک کاٹا گیا اور

ندرت نے شاپر میں سے پلیٹیں نکال کر سب کے سامنے رکھیں کیک کے حصے بخرے رانیہ نے کیے تھے اور ''اتفاقاً'' سب سے زیادہ کیک اس کے حصے میں آیا تھا۔ انیقہ نے بہتیرا شور مچایا لیکن جب تک شنوائی ہوتی' رانیہ کام دکھا چکی تھی۔

''تم لوگوں نے میری خون پسینے کی کمائی کا کیک تو ٹھونس لیا ہے لیکن گفٹ مجھے کسی ایک کے پاس بھی نظر نہیں آ رہا۔''

صائم نے ان سب کو گھورتے ہوئے احتجاج کیا۔

''اف کیک میں خون پسینہ بھی شامل تھا۔'' انیقہ نے برا سا منہ بنایا۔ ''تبھی تو کچھ نمکین سا تھا۔''

''میں تو سمجھا تھا سب کے گفٹس دانیال کے پاس ہوں گے۔ لیکن بائیک کے ٹنڈ منڈ ہینڈل کو دیکھ کر یہ خوش فہمی بھی دم توڑ گئی۔ یہ کیا مذاق ہے آخر۔''

''تمہیں تو اسی بات پر پھولے نہیں سمانا چاہیے کہ ہم لوگ تمہاری اس تقریب میں شامل ہو گئے ہیں۔'' دانیال نے تفاخر بھرے لہجے میں کہا۔ ''یہ کوئی کم عزت کی بات ہے کیا۔''

''یہ تو صریحاً بے ایمانی ہے۔'' وہ روہانسا ہو گیا۔

''اچھا عید پر لے لینا گفٹس روتے کیوں ہو۔

سب ہی اسٹوڈنٹس بیٹھے ہیں تمہارے سامنے اور اسٹوڈنٹس تو بس کا کرایہ نہیں دے سکتے۔ گفٹ کے لیے کہاں سے پیسے لاتے ہم۔ عید پر کچھ آمدنی ہوگی تو دے دیں گے تمہیں تحفہ۔''

''بڑے ہی غریب' بدتمیز' ڈھیٹ' فقرے اور۔'' اس نے سر کھجایا۔ ''فی الحال کچھ اور نہیں سوجھ رہا۔

کس قسم کے مہمانوں کو بلا بیٹھا ہوں اور تم شمی۔'' اس نے روئے سخن سپاٹ چہرے کے ساتھ لاتعلق بیٹھی شمی کی سمت موڑا۔ ''تم سے کم از کم یہ امید نہیں تھی مجھے۔''

شمی نے عجیب سی نظروں سے رانیہ کی طرف دیکھا اور گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے بولی۔

''میں نے بہت تلاش کیا۔ سارا شہر چھان مارا لیکن کوئی بھی چیز تمہارے قابل نہیں لگی مجھے۔'' رانیہ اپنی پلیٹ پر جھک گئی تھی۔

''یہ اچھی منطق نکالی ہے تم نے اپنی کنجوسی پر پردہ ڈالنے کا یہ ڈھنگ خوب ہے۔ اچھا بھئی میں تو گانا گانے لگا ہوں۔'' صائم نے اچانک اعلان کیا۔

''جس کسی کو اپنے کان پیارے ہوں وہ محفوظ فاصلے پر منتقل ہو جائے۔''

دانیال نے چہرے پر خوفزدگی کے تاثرات طاری کیے۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ ہم میں سے کسی نے بھی تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ پھر آخر کس بات کا انتقام لینے لگے ہو ہم سے۔ ہاں اگر مس شمی گائیں تو ہم جی جان سے سننے کو تیار ہیں مس شمی آپ اپنی سریلی آواز میں کلاسیکل، نیم کلاسیکل پاپ فوک کچھ بھی گا دیجیے۔ ہم اف تک نہیں کریں گے۔''

ندرت کے چہرے کے بدلتے ہوئے زاویے بھی اسے زبان بندی پر مجبور نہ کر سکے صائم نے گلا کھنکارا۔

''ہاں تو سامعین و ناظرین و حاضرین آپ لوگ دل تھام کر بیٹھ جائیں کیونکہ میں اپنی آواز کا جادو جگانے پر تل چکا ہوں اور اب کوئی بھی چیز مجھے اس ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی۔''

''مر جاواں جاواں
مر جاواں مک جاواں مر جاواں''

اس کی آواز کانوں کو بھلی لگنے والی تھی۔ وہ سب تالیاں بجانے لگے۔

''مرجاواں مک جاواں مر جاواں
عشق دہائیاں دیوے ویکھے تیریاں راہواں''

دانیال اٹھ کر لے کے ساتھ ٹھمکنے لگا۔ پنجابی فلموں کی ہیروئنوں کو بھاری لیڈ سے مات دے رہا تھا۔

''خدا کے لیے دانیال ایسا مت کرو۔'' ندرت نے گلوگیر آواز میں التجا کی۔

''تمہیں دیکھ کر مجھے شرم سے رونا آ رہا ہے۔''

''نیناں دے پیالے تیرے
زندگی حوالے تیرے
یاداں سب تیریاں
خط وی سنبھالے تیرے''

رانیہ نے چوری چوری صائم کے چہرے پر نظر ڈالی۔

''نینوں کے پیالوں تک تو بات ٹھیک تھی۔ ظاہر ہے میری کٹوراسی آنکھوں کو ہی پیالوں سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ خط سنبھالنے والی بات۔ یہاں آ کے کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔''

اس کی توجہ شمی کی طرف منعطف ہوئی جو بولوں کا مفہوم جانے بنا ہی ہنسے جا رہی تھی۔ سفید دانت اس کی ساری ہستی پر چھائے ہوئے تھے۔ وہ خود کہیں دکھائی نہ دیتی تھی صرف اس کی ہنسی تھی جو ایک گوشے میں بکھری جگر جگر کر رہی تھی اور صائم کی نظریں اسی گوشے پر ٹکی تھیں۔

اس کے اندر بھانبھڑ مچنے لگے۔

''جاواں میں کیہڑے پاسے
ہویاں نیں سنجیاں تھاواں
مرجاواں مرجاواں
مرجاواں مک جاواں مرجاواں''

صائم جبراً سب سے داد وصول کرنے لگا۔ اس کا دل ایک دم اچاٹ ہو گیا تھا۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

انیقہ نے موقعے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ''ٹائی ٹینک'' کا تھیم سانگ سنانے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن ندرت نے اسے دو بولوں سے آگے بڑھنے نہ دیا۔

''جہاں تک میری معلومات ہیں یہ کوئی انگلش سانگ ہے۔تم اسے پنجابی میں کیوں گا رہی ہو انیقہ ؟''

''ہونہہ بندر کیا جانے ادرک کا سواد'' اپنی فنی صلاحیتوں کو ملیا میٹ کرنے والی ندرت کو کچھ دیر حقارت بھری نظروں سے دیکھنے کے بعد وہ شمی کی طرف متوجہ ہوئی۔

''شمی آپی چلیں میرے ساتھ ہم فلائنگ جائنٹ میں بیٹھتے ہیں۔''شمی کا ہاتھ پکڑ کر وہ بولی۔

''نہیں میرا جی نہیں چاہ رہا۔''

''اٹھیں نا سچی بڑا مزہ آئے گا اٹھیں بھی۔'' اس نے شمی کو سنبھلنے کا موقعہ ہی نہ دیا اور اسے بازو سے دبوچے تقریباً گھسیٹتی ہوئی ساتھ لے گئی۔

ہوا میں بلند ہونے سے پیشتر ہی انیقہ نے چیخنا شروع کر دیا تھا۔جھولے کی رفتار ذرا تیز ہوئی تو اس نے چیخ چیخ کر ایک قیامت برپا کر دی''ہائے آپی میری جان نکل رہی ہے۔ ہائے اللہ میں مرجاؤں گی۔'' شمی سے چمٹی وہ مسلسل چلائے جارہی تھی شمی اس افتاد پر بری طرح بوکھلا گئی تھی۔ بڑی دقتوں سے یہ کٹھن مرحلہ اختتام پذیر ہوا۔ انیقہ اس کے کندھے سے لگی لرزتی کانپتی نیچے اتری اور مشکل سے چند قدم چل کر ٹھہر گئی۔ اس کی ٹانگیں دھیرے دھیرے لرز رہی تھیں۔

''آپی مجھے سنبھالیں۔ مجھے چکر آرہے ہیں۔'' اس نے آنکھیں پھرائیں اور دونوں بازو شمی کی طرف لہرائے۔ اس کے آگے بڑھنے سے قبل ہی انیقہ نے جھکولا کھایا ایک زوردار ٹکر اس کی ناک پر مارتے ہوئے اس سمیت زمین پر ڈھیر ہوگئی۔ ایک طویل جدوجہد کے بعد شمی کو بے سدھ انیقہ کے نیچے سے برآمد کیا گیا۔ اس کی سفید چونے جیسی رنگت زرد ہورہی تھی' ناک کی پھننگ پر ایک سرخ دھبا تھا اور آنکھیں پانی سے لبریز تھیں۔ صائم نے اسے شانوں سے تھام کر بٹھایا تو رانیہ نے انیقہ کی تیمارداری پر لعنت بھیجی اور صائم کو ایک طرف ہٹا کر خود شمی کو دلاسا دینے لگی۔ انیقہ نے ایک دوبار جھنجھوڑنے پر کراہتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔

''ہائے۔ کیسا سنگلاخ ماتھا ہے آپ کا شمی آپی لگتا ہے میرا سر دو ٹکڑوں میں بٹ گیا ہے۔ اب نہیں بیٹھوں گی کبھی بھی ایسے خطرناک جھولے پر۔'' وہ کہنیوں کے بل اٹھتے ہوئے بولی۔

''میری گوراؤنڈ پہ بیٹھیں آپی۔ وعدہ بالکل نہیں چیخوں گی۔'' اس کی معصومیت بھری تجویز سن کر شمی یوں چوکنی ہوگئی جیسے کسی بھی لمحے اٹھ کر بھاگنے والی ہو۔

☆............☆............☆

رمضان کا چاند نظر آنے کا اعلان ہوتے ہی اماں نے رانیہ کو طلب کیا''سحری تو بنائے گی الارم والی گھڑی سرہانے رکھ کر سونا۔''

وہ تو اچھل ہی پڑی۔'' یہ نہیں ہوگا اماں چاہے کچھ ہو جائے میں سحری نہیں بنا سکتی۔ مجھ سے نہیں اٹھا

جاتا آدھی رات کو۔''

ابا ڈپٹ کر بولے۔'' خاموشی سے بات سنو ماں کی۔ دن بدن بے لحاظ ہوتی جا رہی ہو۔''

وہ زیر لب بڑبڑاتی سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

''اور تم چلو میرے ساتھ نماز تراویح ادا کرنے۔'' ابا کی ہدایت سن کر دانیال کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ چہرے پر جانکنی کے سے آثار نمودار ہوئے تھے۔ گھٹی گھٹی آواز اس کے حلق سے برآمد ہوئی۔

''میں گھر پہ ہی پڑھ لوں گا۔ میرا پاؤں دکھتا ہے مجھ سے چلا نہیں جائے گا۔''

''ایک منٹ میں اٹھ جاؤ ورنہ میں تمہیں سڑک پر گھسیٹتا ہوا مسجد تک لے جاؤں گا۔ بے ہودہ لوگ جمع ہیں اس گھر میں۔ ٹی وی پر فلمی گیتوں کا پروگرام آجائے تو کسی کا پاؤں دکھتا ہو یا سر۔ ہر حالت میں ٹی وی تک پہنچ جاتے ہیں جہاں کہیں اللہ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا نام آجائے۔ موت آنے لگتی ہے۔''

اماں نے تیزی سے تسبیح کے دانے گرانے شروع کر دیے جو انہوں نے ابھی ابھی گدے کے نیچے سے نکالی تھی۔

''آئے کب سے بیٹھی ہوں میں عشاء کی نماز پڑھ کے ٹی وی پہ نظریں جمی تھیں کہ چاند کا اعلان ہو تو نماز تراویح ادا کروں۔''

ابا نے ایک قہر آلود نظر ان پر ڈالی۔

''تم تینوں بھی نماز کی تیاری کرو اور رانیہ تمہیں سحری کے وقت میں اٹھا دوں گا۔'' وہ باہر کی سمت مڑے تو دانیال ان کے پیچھے مرے مرے قدموں سے چل پڑا۔

ان تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ تھوڑی بہت کمی بیشی کے ساتھ سب پر ایک جیسی کیفیت طاری تھی۔ نماز تراویح کی طوالت یاد کر کے قبل از وقت ہڈیاں کڑکڑانے لگی تھیں۔ کچھ دیر بعد رانیہ اس صدمے سے سنبھلی تو سحری بنانے کا دکھ ایک کوہ گراں بن کر اعصاب پر سوار ہو گیا۔

''میری طرف سے بہت زیادہ سفید جواب ہے۔ میں سحری نہیں بناؤں گی۔''

''تو ہی بنائے گی میری بچی اور کون ہے' چل افطاری پہ میں روٹیاں پکا دیا کروں گی۔ اب خوش ہے۔'' اماں نے پچکارا۔

''یعنی اس سے پہلے آپ نے افطاری بھی مجھ پر چھوڑ رکھی تھی۔'' وہ مزید سیخ پا ہوئی ''یہ ندرت کس خوشی میں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہے۔ اسے کہیں نا سحری یہ بنایا کرے۔''

''اے وہ تو ہماری مہمان ہے۔'' اماں کا لہجہ شہد ٹپکانے لگا۔'' پڑھائی کرنے آئی ہے۔ اسے چولہے چوکی پہ لگا دیں۔''

اس لاڈ پر اترا کر ندرت اماں کے پہلو میں جا بیٹھی۔ '' کتنے دن ہو گئے آپ نے مہندی نہیں لگوائی بالوں میں سارے سفید ہو گئے ہیں۔ اب کسی روز کڑکتی دھوپ نکلے تو یاد سے لگوا لیجیے گا عید سے پہلے پہلے۔'' اس

نے اماں کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رانیہ کی طرف دیکھا۔ جس کے نقوش بگڑے ہوئے نظر آرہے تھے۔

''ایسے حرامخور مہمانوں کو خدا سمجھے۔ میں سردی میں ٹھٹھروں اور باقی سب گرم بستروں میں چین کی نیند سوئیں۔ کیسا انصاف کا دوردورہ ہے اس گھر میں مجھے ٹھنڈ لگ جائے نمونیہ ہو جائے' کسی کو کیا پرواہ۔ مجھے لگتا ہے میں اسی رمضان میں مرجاؤں گی پھر میری لاش پر بیٹھ کر کھا لیجیے گا سحری۔''

''جا دفع ہو۔ سارا ڈرامہ غارت کر دیا تو نے اور تیرے باپ نے مل کر۔'' اماں نے ہاتھ جوڑ کر اس کی طرف جھٹکے گود میں پڑی تسبیح اٹھا کر واپس اسی جگہ پر رکھی اور ٹی وی کا ریموٹ ہاتھ میں لے کر پاور کا بٹن دبایا۔

''اب تو خبرنامہ ہی رہ گیا ہے۔ اسے کیا چاٹوں میں۔'' ان کی آواز میں گہرا دکھ تھا۔

انیقہ آہستہ سے اٹھ کر اماں کے قریب گئی اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دھیمی آواز میں بولی۔

''عید کے سوٹ کے لیے مجھے کم از کم تین ہزار چاہئیں۔ ابا سے کہہ دیں گی نا آپ۔'' اسے ابھی سے اپنے عید کے جوڑے کی فکر لاحق ہوگئی تھی۔

''اس عید پر کسی کے نئے کپڑے نہیں بنیں گے۔ ہاتھ تنگ ہے کچھ اس بار۔ اتنے بغیر سلے جوڑے پڑے ہیں تیرے پاس ان میں سے کوئی پہن لینا۔''

''میرے پاس تو ایک بھی ڈھنگ کا سوٹ نہیں ہے۔''

اماں نے اپنے کندھے پر دھرے اس کے ہاتھ پر ایک زوردار تھپڑ مارا۔'' اسے دیکھو ماگھ ننگی بیسا کھ بھولی کپڑے نہ ہوئے اس کے پاس کبھی۔'' اماں غصے میں محاوروں کا بے دریغ استعمال کرنے لگتی تھیں۔

''جو چار مہینے پہلے تجھے سیما کی شادی پر بنا کے دیا تھا۔ پورے سولہ سو کا وہ کفن تھا کیا۔ چلی جا ادھر سے مجھے ابھی نماز بھی پڑھنی ہے۔ دو گھڑی چین سے ٹی وی بھی نہیں دیکھنے دیتے۔'' وہ ان کی طرف سے رخ موڑ کر ٹی وی دیکھنے لگیں۔

''اماں میرے سمسٹر بھی تو روزوں میں شروع ہو رہے ہیں۔ مجھے تو سر کھجانے کی فرصت نہیں ہوگی۔ سحریوں' افطاریوں کے لیے کہاں سے وقت نکالوں گی۔ میں فیل ہوگئی تو مجھے الزام مت دیجیے گا۔'' اس نے متوقع دھچکے کے لیے اماں کو ذہنی طور پر تیار کرنے کی بنیاد رکھی۔ وہ ہنوز ٹی وی اسکرین میں منہمک رہیں تو انیقہ اور رانیہ کمرے سے واک آؤٹ کر گئیں جبکہ ندرت اماں کے کندھے دبانے لگی جو مختلف انداز نشست میں ٹی وی دیکھنے کے باعث دکھتے رہتے تھے۔

سحری کے وقت ابا رانیہ کو جگانے کے لیے آئے۔ رمضان میں باقاعدگی سے تہجد کی نماز ادا کرنا برسوں سے ان کا معمول تھا۔

''اٹھ جاؤ رانیہ۔'' انہوں نے اس کے سرہانے کھڑے ہو کر آواز دی تو وہ اوں کر کے تکیے میں سر گھسیڑنے لگی۔

دو تین بار پکارنے پر جب وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تو ابا کا لہجہ آسمانی بجلی کی طرح کڑکدار ہوگیا۔

''فوراً اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔ ایک لمحے کے توقف کے بغیر۔''

چاروناچار اسے آنکھیں کھولنا پڑیں۔ دل ہی دل میں سب گھر والوں کو صلواتیں سناتی وہ بیٹھ کر دائیں بائیں جھولنے لگی۔

''تین بج گئے ہیں۔ میں سونے جا رہا ہوں۔ مجھے سحری کا وقت ختم ہونے سے صرف پندرہ منٹ پہلے اٹھانا اور میرے لیے انڈا دے سے فرائی کر لینا۔'' اس نے سوئی جاگی کیفیت میں ساری ہدایات سنیں اور جب ان کے قدموں کی چاپ دور ہو گئی تو چادر منہ تک اوڑھ کر لیٹ گئی۔

''اتنا وقت پڑا ہے ابھی۔ ابا کو اللہ ہی ہدایت دے تو دے' ہنگامی حالات نافذ کیے رکھتے ہیں ہر دم۔''

وہ بڑبڑاتی ہوئی دوبارہ غافل ہو گئی۔ نہ جانے کتنی دیر بعد وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ اندھوں کی طرح ٹٹولتے ہوئے سائیڈ ٹیبل سے گھڑی اٹھائی اور آنکھوں کے قریب لا کر اس کی لائٹ آن کی۔ صدمے سے اس کی آنکھیں پھٹنے کے قریب ہو گئیں سحری کا وقت ختم ہونے میں صرف ایک گھنٹہ باقی تھا۔ اس کے دماغ پر چھائی ہوئی غنودگی یوں غائب ہو گئی جیسے ڈیٹرجنٹ کے کمرشل میں داغدار کپڑوں سے پلک جھپکنے میں دھبے ناپید ہو جاتے ہیں۔ چھلانگ مار کر وہ بیڈ سے اتری تھی اس قدر حواس باختہ ہونے کے باوجود کچن میں جانے سے قبل وہ چند نہایت ضروری نوعیت کے کام کرنا نہیں بھولی تھی الارم آن کر کے اس نے گھڑی انیقہ اور ندرت کے درمیان ایسے مقام پر رکھی کہ دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی ناانصافی نہ ہو اور سیلنگ فین کی رفتار آخری حد تک تیز کر کے بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اس کے تعاقب میں کوسنوں اور نازیبا کلمات کا ایک تیز ریلہ ادھ کھلے دروازے سے باہر بہہ نکلا لیکن کچھ ہی دیر بعد اس کے آثار معدوم ہو گئے تھے۔

کچن بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ مٹر قیمے کا سالن رات کو ہی ختم ہو گیا تھا۔ اب اسے یاد آ رہا تھا کہ اماں نے سونے سے پہلے اسے آلو اور پیاز کاٹ کر رکھنے کو کہا تھا اور تب اس نے بڑی لاپرواہی سے ہاتھ ہلا کر جواب دیا تھا ''صبح دیکھا جائے گا'' اس کا دل پہلو میں زور زور سے دھڑ دھڑانے لگا۔ سب کو مختلف قسموں اور مختلف ناموں والے انڈے بھی تو چاہیے تھے۔ دانیال کے لیے ابلا انڈا' انیقہ کے لیے کچلا ہوا اماں کو میٹھا انڈا درکار تھا۔ ابا کی فرمائش فرائی انڈے کی تھی اور ندرت کے لیے۔'' وہ انڈے گنتے ہوئے رک گئی۔ ''اس کے لیے سانپ کا زہریلا انڈا۔'' اور خود اس کو بھی تو آملیٹ کی اشد ضرورت تھی۔ مختلف رنگ و نسل کے انڈے اس کے گرد نیم برہنہ وحشیوں کی طرح ''جھنگالا ہو ہو'' کے نعرے بلند کرتے ہوئے موت کا رقص کرنے لگے۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے فریج کھولا اور برفیلا آٹا باہر نکالا جو روٹی میں ڈھلنے پر کسی صورت آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔ پانچ منٹ کی جانفشانی کے بعد سنک کے نیچے کچرے والی ٹوکری کے عقب سے ایک گیلی سیلی ماچس کی ڈبیا دستیاب ہوئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے کچن کی دیواریں اپنی جگہ سے پیچھے ہٹتی دکھائی دیتی تھیں۔

''یا اللہ مجھے موت دے دے۔ اس کے سوا کوئی حل نہیں۔'' اس نے دل کی گہرائیوں سے دعا کی۔

اس سے پہلے کہ وہ بے ہوش کر گرتی ایک خیال اس کے ذہن میں رعد کی طرح چمکا۔ سرپٹ بھاگتی ہوئی وہ لان

میں آئی ساتھ والے گھر میں کچن اور ڈرائنگ روم کی بتیاں جل رہی تھیں۔ آواز دیتے دیتے وہ رک گئی اس میں ابا کے بیدار ہونے کا اندیشہ موجود تھا اور یہ خطرہ وہ کسی صورت مول نہیں لے سکتی تھی۔ گیٹ کے سامنے جا کر اس نے کال بیل پر مسلسل انگلی جما دی۔ چند لمحوں کے جان لیوا انتظار کے بعد صائم نمودار ہوا۔ اسٹریٹ لائٹ کی زرد روشنی میں اس کا چہرہ رانیہ کو کسی فرشتے کی مانند لگا۔ بس اس فرشتے کے پر نہیں تھے۔ آستینیں کہنیوں تک فولڈ کی ہوئی تھیں اور ہاتھ چکنائی سے تر تھے۔

''سحری تم بنا رہے ہو؟''

اس کے سوال کو نظر انداز کر کے وہ بولا۔

''اس وقت تمہیں اپنے سامنے دیکھ مجھے کس قدر خوشی ہوئی ہے تم اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ تمہیں دیکھنے کو بہت دل چاہ رہا تھا۔''

''مجھے بھی بہت خوشی ہوئی ہے۔'' وہ اسے ایک طرف ہٹا کر تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ ''یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔''

وہ گیٹ بند کر کے اس کے پیچھے آیا ''تو پھر کن باتوں کا ہے؟''

''بکواس بند کرو۔ میری جان پر بنی ہوئی ہے۔'' وہ کچن کی طرف اڑی چلی جا رہی تھی۔ صائم نے متعجب ہو کر اس کے سراپے کو نظروں کے احاطے میں لیا۔

یکدم اس کا لہجہ کسی منجھی ہوئی پیشہ ور فقیرنی سے مشابہہ ہو گیا۔

''خدا کے لیے میری مدد کرو سحری کا وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے میرا مسئلہ حل نہ ہوا تو سمجھو یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔''

اس کی مشکل سن کر صائم نے ایک نظر رسٹ واچ پر ڈالی اور نہایت چابکدستی سے پراٹھے بنانے لگا۔ پتیلی میں اس نے آدھ درجن انڈے ابلنے کے لیے رکھ دیے تھے۔

رانیہ کچن کے دروازے میں ایستادہ اسے صدقے واری جانے والی نظروں سے کام کرتے دیکھ رہی تھی۔ پھر کچھ یاد آنے پر اس کا منہ بن گیا۔

''میرے لیے تو کم از کم آملیٹ بنا دیتے۔ میرے حلق سے نہیں اترتا ابلا ہوا انڈہ۔''

صائم نے پراٹھا توے سے اتار کر ہاٹ پاٹ میں رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، ہنس پڑا۔

''ہنستے ہوئے کیسا آنکھوں میں کھبنے لگتا ہے کمبخت سینے سے روح کھنچنے لگتی ہے۔'' رانیہ کی نظریں چکنے فرش پر پھسلنے لگیں۔

''بڑی ناشکری ہو تم۔ ایک تو اتنے شارٹ نوٹس پر میں تمہاری مدد کر رہا ہوں اس پر تم نخرے بھی دکھا رہی ہو۔ وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ مجھے امی ابو کو جگا کر سحری بھی کھلانی ہے برتن تو چلو صبح زرینہ آکر دھو دے گی۔''

تم فریج کے اوپر والے ریک سے کبابوں کی چھ ٹکیاں نکالو۔ باؤل میں انڈے پھینٹو اور جیسے ہی انڈے ابل جائیں۔ کباب فرائی کرنا شروع کرو۔'' بہت مصروف انداز میں کہتے ہوئے اس نے کیتلی کے نیچے آنچ تیز کی تھی۔

''باجی شبینہ بھی روزہ رکھیں گی؟'' جھکے ہوئے سر کے ساتھ تیزی سے انڈے پھینٹتی رانیہ کا سوال بظاہر عام سا تھا۔ لیکن لہجے میں محسوس کی جانے والی چبھن شاید صائم سے مخفی نہیں رہ سکی تھی۔

''کہیں تم میرے اور شبی کے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا تو نہیں ہو؟''

فرائنگ پین میں کھولتا تیل جیسے رانیہ کے اوپر آن گرا ہو۔ ضبط کے باوجود وہ آواز میں رچی تلخی کو پوشیدہ نہ رکھ سکی۔

''کیوں مجھے کیوں پرواہ ہونے لگی۔ تم دونوں کے بیچ چاہے کچھ بھی ہو۔ مجھے فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟''

چند ثانیے وہ بالکل چپ رہا۔ پھر اس کے تنے ہوئے چہرے پر نظریں جما کر بولا۔

''شبی بڑی عجیب سی لڑکی ہے۔ جب تک اسے اسپیشل پروٹوکول نہ دیا جائے وہ مطمئن نہیں ہوتی۔ پچھلی بار جب وہ پاکستان آئی تھی تو صرف اس بات پر روٹھ کر ہوٹل میں ٹھہر گئی تھی کہ میں اسے ریسیو کرنے ایئر پورٹ کیوں نہیں پہنچا۔''

''یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟''

صائم نے ایک طویل سانس بھری۔ ''چلو نہیں سناتا ویسے روزہ نہیں رکھیں گی تمہاری باجی شبینہ ان کا کہنا ہے۔ خیر چھوڑو اس سلسلے میں ان کا فرمان کچھ زیادہ موزوں نہیں ہے۔''

پندرہ بیس منٹ کے قلیل عرصے میں صائم نے اس کی مدد سے اتنا انتظام کر دیا کہ وہ گھر والوں کی خوانخوار نظروں کا سامنا کرنے سے محفوظ رہ سکے۔

اس نے کباب ٹشو پیپرز میں لپیٹ کر ہاٹ پاٹ میں پراٹھوں کے اوپر دھرے ابلے ہوئے انڈے بھی ایک طرف احتیاط سے جمائے اور ڈھکن بند کر کے ایک آسودگی بھری سانس سینے کی تہ سے کھینچ کر کچن کی پر حدت فضا کے سپرد کی۔

''ایک بات کہوں رانیہ مارو گی تو نہیں۔''

''یہ تو بات کی نوعیت پر منحصر ہے۔'' رانیہ نے ہاتھ بڑھا کر بیلن اٹھالیا۔

''اتنی احسان فراموشی اچھی نہیں ہوتی۔'' وہ ایک قدم پیچھے ہٹا۔ ''میں باز آیا کچھ بھی کہنے سے۔''

''اب تو تمہیں کہنا ہی پڑے گا اور ایک سیکنڈ کے اندر اندر میرے پاس وقت کی بہت کمی ہے۔''

''بیلن تو رکھ دو۔ ویسے بات یہ ہے کہ......'' وہ ایک لمحہ رکا۔ ''تمہاری آنکھوں سے زیادہ خوب صورت آنکھیں میں نے کبھی نہیں دیکھیں۔ انہیں نظر بھر کر دیکھنے سے دل کو کچھ ہونے لگتا ہے۔''

رانیہ کا بیلن والا ہاتھ کٹی ہوئی شاخ کی طرح پہلو میں جھول گیا۔ بھوری آنکھوں کا طلسم اس کے چاروں طرف عنکبوتی جال بن رہا تھا۔ اسے لگا وہ قیامت تک اس مقام سے نہیں ہل سکے گی۔

اس کی خاموشی کو محسوس کر کے صائم نے کاؤنٹر سے ہاٹ پاٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا اس سے نظریں ملائے بنا رانیہ نے ہاتھ اٹھائے۔ صائم نے اس کا ہاتھ گرفت میں لے لیا تھا۔

''ہمارا بیلن تو دیتی جاؤ۔ ایسے نہیں جانے دوں گا میں۔'' اس کی آواز بوجھل تھی۔

لمس کی حدت سے رانیہ کو اپنا وجود پگھلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کوئی شوخ جواب دینا چاہتی تھی لیکن گلا رندھ گیا تھا۔ بھاگ جانے کی خواہش اس کے دل میں مچل رہی تھی مگر پاؤں شل تھے۔

اچانک دروازے میں سے ایک موم کا مجسمہ نمودار ہوا۔

صائم نے ہاٹ پاٹ اس کے بے جان ہاتھوں میں تھما دیا۔

''میری ابھی آنکھ کھل گئی تو میں نے سوچا تم سے پوچھ لوں آج جاگنگ کے لیے جاؤ گے یا نہیں۔''

موی بت نے رانیہ کی طرف ایک بار بھی نہیں دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی یا شاید رانیہ کو ہی ایسا لگا تھا۔ یک لخظہ اسے احساس ہوا کہ وہ اب تک کیوں ٹھہری ہوئی تھی۔

''سحری کھانے کے بعد جاگنگ کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا واک کریں گے آج۔ کچھ کھاؤ گی تم؟'' جاتے ہوئے اس نے صائم کو کہتے سنا تھا۔

☆..........☆..........☆

اماں اور ندرت نے مل جل کر بڑے چاؤ سے گجریلا تیار کیا تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد گھر کے سب افراد اپنی اپنی پلیٹیں سامنے رکھے یلغار کرنے کا سوچ ہی رہے تھے کہ چند خواتین آ گئیں دروازہ کھلا تھا اور وہ دستک دیے بغیر آن دھمکی تھیں۔ اس لیے انہیں تب خبر ہوئی جب وہ سر پر پہنچ چکی تھیں۔ طوعاً کرہاً گجریلا انہیں پیش کرنا پڑا۔ وہ بھی ایسی بے حس ثابت ہوئیں کہ اصل حقداروں کے سامنے بیٹھ کر گجریلا ہڑپ کرنے سے ذرا نہ ہچکچائیں حتیٰ کہ انہوں نے آمد کا مقصد بھی یہ ظلم ڈھانے سے پہلے نہ بتایا۔ ان کی بات سن کر سوائے ابا کے باقی سب کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ایک تو انہوں نے سرخ و سفید ٹھنڈا ٹھار گجریلا ان کے حسرت ٹپکاتے چہروں کی پرواہ کیے بغیر ٹھونس لیا تھا اس پر طرہ یہ کہ وہ رفعت کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔

اماں ان کی طرف سے رخ موڑ کر اس کلینڈر کو تکتی رہیں جس پر فلمی اداکاروں کی تصویریں چھپی تھیں۔ ندرت نے پٹخ پٹخ کر ان کے سامنے چائے کے برتن رکھے۔ ایک ایک کپ کو میز کی سطح سے تین بار ٹکرانے کے بعد رکھا۔

انیقہ ادھر سے ادھر جاتے ہوئے کبھی میز کے پائے سے ٹکرائی تو کبھی کرسی کو ٹھوکر رسید کی۔ دانیال کو رفعت سے تو کوئی بیر نہ تھا۔ تاہم گجریلا کھانے والا جرم اس کے نزدیک قابل معافی نہیں تھا۔ وہ مسلسل ان کے سامنے جما ہنستا رہا۔ حتیٰ کہ اس کے جبڑے دکھنے لگے لیکن اس نے ان کے رخصت ہونے تک ہمت نہ ہاری۔

رانیہ رفعت کا نام سنتے ہی آپے سے باہر ہوگئی۔ وہ ان کے سامنے آنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہو رہی تھی لیکن ابا آخر ابا تھے۔ اسے واپس آپے میں ہونا پڑا۔ ماتھے پر بے شمار بل ڈالے اور نتھنے پھلائے وہ جن نظروں سے ان خواتین کو دیکھ رہی تھی اگر ان میں ذرا سی سوجھ بوجھ ہوتی تو ایک پل نہ ٹکتیں۔ خاصی ڈھیٹ لگ رہی تھیں اس توہین آمیز سلوک کے باوجود وہ ابا سے تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد ٹلیں۔

ان کے جاتے ہی گھر ایک میدان جنگ میں تبدیل ہوگیا۔ دھاڑوں اور چنگھاڑوں سے درودیوار لرزنے لگے۔

ابا نے ہر ایک کی مزاج پرسی اس کے جرم کو مدنظر رکھتے ہوئے کی۔

اماں کو تو گجریلے کا غم کھائے جا رہا تھا۔ کتنی محبت اور مشقت سے انہوں نے مرحوم و مغفور گجریلے کو تکمیل کے مرحلے تک پہنچایا تھا۔

''ہائے......'' اماں نے ایک طویل سرد آہ بھری ''پیس موئی پکا موئی آئے لوٹھے اڑا گئے کیسی لال لال رس بھری گاجریں تھیں اور کیا ملائم بنا تھا گجریلا۔''

''میں پوچھتا ہوں تم نے ان کے ساتھ ڈھنگ سے بات کیوں نہیں کی۔ رانیہ کے لیے بات کرنے آئی تھیں وہ کوئی بھکارنیں تو نہیں تھیں۔''

''اے پتہ نہیں کون تیلی تمبولی لوگ ہیں۔ مجھے تو لڑکے کا نام ہی نہیں بھایا۔ رفعت۔'' اماں نے منہ بگاڑ کر کہا۔ ''لڑکیوں والا نام ہے۔ صورت بھی ویسی ہی ہوگی جیسی اس کی ماں اور بہنوں کی تھیں اور کیسا کرودھ تھا ان میں۔ منگنی ابھی کرلو۔ لڑکی آگے نہیں پڑھے گی لڑکا کورس کرلے تو شادی ہوگی۔ واہ جیسے ہم ان کے غلام ہیں جو لوگ رشتہ جڑنے سے پہلے ہی ایسی باتیں کر رہے ہیں وہ بعد میں کیا کیا گل نہ کھلائیں گے۔ تم انہیں انکار کردو بس۔ بلکہ تم نے کھڑے کھڑے ہی انہیں جواب کیوں نہ دے دیا۔ میری پھول جیسی بیٹی کے لیے رشتے بہتیرے۔''

رانیہ نے جو دروازے کی اوٹ میں چھپی ان کی گفت و شنید سن رہی تھی' اماں کو پیار بھری نگاہوں سے سے دیکھا۔

''ذرا پھول کی نسل اور رنگ کے بارے میں وضاحت کردیتیں تو زیادہ بہتر تھا۔ تھوڑی سی تشنگی رہ گئی۔ بہرحال یہ بھی غنیمت ہے۔''

''تم جس آس پر بیٹھی ہو وہ مجھے پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔'' اس بار ابا کی آواز قدرے دھیمی تھی۔

''روز فجر کی نماز سے لوٹتے ہوئے میں اس امریکن لڑکی کو صائم کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔'' آواز فروتر ہوگئی۔

''یہ جو دیوار سے پرے سارا دن قہقہے گونجتے ہیں۔ ان کا مفہوم تم نہیں سمجھتیں؟''

رانیہ نے خود کو مزید چھپا لیا اور دم سادھ کر سننے لگی۔

''صالحہ یا اس کے میاں نے کبھی اشارہ تک نہیں دیا اس بارے میں کوئی امید دلائی ہوتی انہوں نے تو ہم انتظار کرتے بھلے بھی لگتے۔ جب سرے سے کوئی بات ہی نہیں تو تم کس خوش فہمی میں بیٹھی ہو۔''

اماں بلا مقصد عینک کے شفاف شیشوں کو پلو سے رگڑ کر صاف کرنے لگیں۔

''وہ شمی تو بس عید تک ہے ادھر پھر چلی جائے گی' صالحہ بڑا پیار کرتی ہے رانیہ سے۔'' انہوں نے کمزور لہجے میں شاید اپنے آپ کو دلاسا دیا تھا۔

''تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔'' وہ شعلے کی طرح بھڑکے۔ لیکن ایسا ایک لمحے کے لیے ہوا تھا۔ اگلے ہی پل ان کا انداز پھر سرگوشیانہ ہو گیا۔

''اسد اعوان صاحب سے ملاقات ہوئی تھی کل فجر کی نماز کے بعد۔ وہ بتا رہے تھے شاید صائم نیو یارک چلا جائے۔ اس کے چچا نے بلایا ہے اسے۔ انہیں کاروبار میں ہاتھ بٹانے کے لیے کسی قابل بھروسہ شخص کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے ہونے والے داماد سے زیادہ موزوں کون ہو سکتا ہے اس کام کے واسطے' تم اپنے دماغ سے یہ خناس نکال دو۔''

اماں کی عینک کے شیشوں پر نہ جانے کیسی گرد جمی تھی جو کسی طرح صاف ہی نہ ہو رہی تھی۔ رانیہ دروازے کا پٹ تھامے ساکت کھڑی تھی۔ ابا کی آواز کہیں بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''عفت پڑھا لکھا لڑکا ہے۔ کھاتے پیتے گھرانے کا ہے۔ اسے دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں رانیہ کا کلاس فیلو ہے۔ اس نے تو دیکھ رکھا ہوگا۔ اس کی مرضی تم معلوم کرو۔ ابھی ان عورتوں کو میں نے کوئی حتمی جواب نہیں دیا سوچنے کا وقت ہے ہمارے پاس مل بیٹھ کر صلاح کر لو پھر آگے جو اللہ کی مرضی۔''

☆..........☆..........☆

اماں نے صائم کے گھر والوں کو افطاری پر بلانے کا پروگرام بنایا تھا۔ باقاعدہ دعوت دینے کا کام اسے سونپا گیا تھا۔ سحری تیار کرنے کے لیے وہ اٹھی تو سوچا فجر کی اذانوں سے ذرا پہلے جا کر یہ فرض نبھا آئے۔ اس وقت جانے کے کئی فائدے تھے۔ انکل سے بھی ملاقات ہو جاتی ان سے بہت کم سامنا ہوتا تھا اور پھر سب افراد اکٹھے ایک جگہ پر دستیاب ہو جاتے۔ جانے کا تہیہ کر چکی تو ایک اور بات زیر نظر آ گئی۔ بھاپ لے کر انڈے کی سفیدی کا لیپ کرنے میں کونسے گھنٹے صرف ہو جاتے۔ مشکل سے بیس پچیس منٹ کا معاملہ تھا اسکن میں نئی چمک اور نکھار پیدا ہو جاتا۔ سحری کا وقت ختم ہونے میں تو ابھی بہت دیر باقی تھی۔ وقت بھی آسانی سے کٹ جاتا اور حسن کی نشوونما تو ہمیشہ سے اس کے نزدیک اولین حیثیت رکھتی تھی۔ ویسے بھی سارا گھر نیند میں ڈوبا تھا۔ شور شرابے اور خاص طور پر اماں کی موجودگی میں ایسے مشاغل خوش اسلوبی سے انجام نہیں دیے جا سکتے تھے۔

بڑا سا تولیہ سر اور گردن کے گرد لپیٹے بھاپ اڑاتے برتن پر چہرہ جھکائے اسے بمشکل دو منٹ گزرے ہوں گے کہ کوئی نہ سمجھ میں آنے والی آفت ٹوٹ پڑی چند لمحے خالی الذہنی سے وہ یہ جاننے کی کوشش کرتی رہی کہ اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آ چکا ہے۔ دو ہنٹر اس کی کمر پر پڑا تھا اور وہ چیخ کر اچھلی تھی وہ تو خیر گزری کھولتے

ہوئے پانی سے بھری دیگچی نے اچھلنے میں اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔

''بیڑہ غرق ہو تیرا۔'' اماں کی بگڑی ہوئی صورت دیکھ کر ساری صورت حال اس پر واضح ہو گئی۔

''اماں کبھی تشدد سے باز بھی رہا کریں۔'' وہ ان سے زیادہ اونچی آواز میں چلائی۔'' میرا چہرہ جلانے لگی تھیں آپ۔''

ایسے نازک وقت میں اماں کے نازل ہونے سے وہ سخت کوفت زدہ ہو گئی تھی۔ ابھی تو چہرے کو تولیے سے ڈھانپ کر پرسکون حالت میں تھوڑی دیر بیٹھنے اور درجہ حرارت نارمل ہونے کے بعد انڈے کی سفیدی کا ماسک لگانے کے مراحل باقی تھے۔ اسے اپنی جلد کے کھلے ہوئے مساموں اور کمرے کے سرد ماحول میں ناموافقت کا دھیان آیا تو تولیہ کھینچ کر چہرے پر ڈال لیا۔

اماں نے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کے ایک اور کاری ضرب اس کے کندھے پر لگائی۔

''پتیلی میں سر دیے تو کر کیا رہی تھی؟ تیرا دماغ تو درست ہے نا۔'' انہوں نے تولیہ جھپٹنا چاہا لیکن اس کے ہاتھوں کی گرفت سخت تھی۔

''تو ان چونچلوں میں پڑی ہے۔ وقت سرکتا جا رہا ہے۔ سحری میں اپنا کلیجہ کھلائے گی کیا۔ اب بھی میری آنکھ نہ کھلتی تو کام دکھا گئی تھی تو۔ وہ تو شکر ہوا ایک ڈراؤنا خواب دیکھ کر میری نیند ٹوٹ گئی۔ کیا دیکھتی ہوں۔ سن تو۔'' اماں اس کے سامنے چوکی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں تو اس نے تولیہ سرکا کر آنکھوں کے لیے خلا پیدا کر دیا۔

''بڑا ہی برا خواب تھا۔ میں نے دیکھا ندیم جعفری مجھ پر پاؤں رکھ کر گزر گیا۔ دہل کر اٹھی ہوں۔ پسینے میں بھیگی ہوئی اب تک دل قابو میں نہیں آیا۔''

خواب تو حقیقتاً بڑا ہولناک تھا۔ اسے اماں سے ہمدردی محسوس ہوئی لیکن چونکہ اس کا چہرہ ابھی تک تپ رہا تھا اس لیے ہونٹوں سے ہمدردی کا اظہار نہ کر پائی۔

''اب اٹھتی ہے یا اتاروں جوتی؟ مجھے تو ابھی اسی وقت تین پرتوں والا پراٹھا بنا کے دے میٹھے انڈے کے ساتھ کھاؤں گی خون نچوڑ لیا میرا اس منحوس خواب نے دل ڈوبا جا رہا ہے۔''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور پیر پٹختی فریج کی طرف بڑھی۔

''اے رانیہ تو کہتی تھی میرے پرچے شروع ہونے والے ہیں۔ پر میں نے تجھے کبھی کتاب پکڑے نہیں دیکھا وہ ندرت سارا دن سر کھپاتی ہے۔''

اس نے دیا سلائی کو شعلہ دکھا کر ماچس زور سے دیوار پر دے ماری۔

''اسے ہاتھ پیر ہلائے بغیر کھانے کو مل جاتا ہے۔ مجھے دو نوالے حلق سے اتارنے کے لیے سارا دن ساری رات بھاڑ جھونکنا پڑتا ہے۔ بہت فرق ہے مجھ میں اور ندرت میں۔''

اماں گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کراہ کر اٹھیں۔

''تو تو بس اپنی شکل کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہے۔ جب تک بگاڑ نہیں لے گی تجھے چین نہیں پڑے گا۔ جب سے وہ شی آئی ہے میں دیکھ رہی ہوں تیرا دھیان اس طرف اور بھی زیادہ ہو گیا ہے۔ دیکھ میری بچی۔'' اماں نے اسے شانوں سے تھام کر اس کے سر کی پشت پر بلکہ نم تولیے پر بوسہ دیا۔

اس التفات پر وہ حیرت سے گھومی اماں کی بوڑھی آنکھیں دھندلی ہو رہی تھیں۔

''تیرا اس لمبے منہ والی شی کے ساتھ کیا میل۔ تو عرش کا تارا وہ خاک مٹی دھول۔''

اماں کے ساز کی بدلی ہوئی دھن رانیہ کی سماعتوں میں پھول کھلانے لگی۔

''وہ پینٹ کس کے پھرتی ہے تو تیرے مقابلے کی ہو گئی۔ تیری تو مت ماری گئی ہے۔ تیرے جوڑ کی ایک بھی اس پورے شہر میں نہیں ہو گی۔ ایسا ناک نقشہ ڈھونڈ کر دکھائے ذرا کوئی۔''

اماں نے تولیہ پرے ہٹا کر اس کی پیشانی چوم لی۔

رانیہ نے اپنے بازو پر چٹکی لے کر خود کو یقین دلایا کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہی تھی۔

''تیرے باپ کے دماغ میں سودا سما گیا ہے۔ اے پر میں اس کی مرضی چلنے دوں بھی۔ جو تو چاہے گی وہی ہو گا۔ بس اللہ پہ آسرا رکھ۔'' ساری کائنات کا پیار لہجے میں سموئے بولتے ہوئے اماں کو نہ جانے کیا ہوا۔ ان کے چہرے کے تاثرات اتنی تیزی اور مہارت سے بدلے کہ آسکر ایوارڈ یافتہ فنکار بھی پیچھے رہ گئے۔

''جلا دیا نا پراٹھا۔ تجھ سی نکمی سارے جہاں میں نہ ہو گی۔ خدا غارت کرے تجھے۔'' اماں نے اسے اتنی قوت سے دھکا دیا کہ وہ چولہے پر گرتے گرتے بچی۔

☆............☆............☆

عجیب دن تھے۔ سکڑے سکڑے، بوجھل اور گیلے سے۔ ایسی بجھی ہوئی راکھ کی طرح جس پر پانی کے چھینٹے پڑ گئے ہوں نہ کھل کر دھوپ نکلتی اور نہ ہی یخ بستگی کا احساس نمایاں تھا۔ سحری کے وقت اور افطاری کے بعد بے اختیار کمبل اوڑھنے کو جی چاہتا اور دوپہر میں کسی ویگن کے محبوس ماحول میں سفر کرتے ہوئے، پیشانیوں، اوپری لبوں پر ہتھیلیوں اور انگلیوں کے بیچ پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ پڑتیں۔ دن ڈھلنے کا پتہ بھی نہ چلتا۔ جیسے کسی ڈھلان پر پتھر لڑھک گیا ہے۔

رات اتنی طویل، ڈھلنے میں صدیاں بتا دیتی۔ اندھیرا ٹھہرا رہتا۔ بے حس و حرکت سا پانی کی طرح۔ رات کسی ایسے گاڑھے سیال کی مانند رینگتی جو انجماد کی منزل پر پہنچنے سے چند گام پیچھے رہ گیا ہو۔

رمضان کا دوسرا عشرہ چل رہا تھا۔ ان کے سمسٹر شروع ہو چکے تھے۔ عید کی خریداری آخری عشرے پر اٹھا رکھی تھی۔ آنٹی صالحہ نے بھی شاپنگ کا پلان ان کے سمسٹرز کو مدنظر رکھتے ہوئے ترتیب دیا تھا۔ ان کے پیپر مارننگ شفٹ میں ہو رہے تھے اور رانیہ کی خوش قسمتی یا شاید رفعت کی بدقسمتی تھی کہ وہ ایوننگ میں پیپر دے رہا تھا کتابیں پڑھتے ہوئے۔ کمرہ امتحان میں پیپر حل کرتے ہوئے لائبریری میں نوٹس بناتے ہوئے۔ سڑک پر چلتے ہوئے، اس کے ساتھ بولتی' اشارے کرتی گہری بھوری آنکھیں لہراتا بل کھاتا' ناچتا ہوا جاگنگ ٹریک' چمکدار

سفید دانت' بھاگتے قدموں کی چاپ' سڑک پر اچھلتے بوٹوں کی دھپ دھپ' ہر دم موجود رہتی۔ وہ کہیں بھی ان سب سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب نہ ہوسکی۔

فجر کی نماز پڑھنے کے بعد وہ لان میں نکل آتی اور اس وقت تک ٹہلتی رہتی جب تک ٹانگیں شل ہو کر جسم کا ساتھ نہ چھوڑ دیتیں۔ دیوار کے پرلی طرف ٹریک سوٹ میں ملبوس وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کندھے سے کندھا جوڑے' چھوٹے بچوں کی طرح کھلکھلاتے' راہگزر پر تیز تیز قدم دھرتے کسی الکھ نگری کی طرف روانہ ہو جاتے' وہ بہت عجلت میں ہوتے تھے۔ لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہو جاتے لیکن ان کے قدموں کا لمس دیر تک دھڑکتا رہتا۔ گجردم آسمان پر بجھتے ستارے اسے تاسف سے دیکھتے اوس میں بھیگے سبز مخملی قالین پر بکھری چند نا کی سفید کلیاں اس کے قدموں سے لپٹ لپٹ کی بین کرتیں، کھُ گلاب کے اونگھتے ہوئے سرخ پھول اس کے اضطراب کو محسوس کر کے چونک چونک اٹھتے۔ سرد ہوا میں ٹھٹھرتے سرو کے پیڑ لمبی لمبی سرد آہیں بھرتے۔

رات بھر پھوئیاں پھوار برسی تھیں۔ چھتوں کے پنکھے ساکت رہے۔ کھڑکیاں اور روشندان بند رہے۔ موٹے سوت کے کھیسوں کی جگہ نرم گرم کمبلوں نے لے لی۔ سحری کے وقت رہ رہ کر بدن میں کپکپاہٹ رینگتی رہی۔ صبح دھوپ نکلی لیکن کسی ایسے تھکے ماندے مسافر کی طرح جو لمبے سفر کی تھکان سے چور قدم قدم پر ستانے لگتا ہو۔ سورج ابھرنے لگتا تو بادل اجلی سفید روئی سے بنے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کا کندنی چہرہ ڈھانپ دیتے۔

اگلے روز ان کا کمپیوٹر کا پریکٹیکل تھا۔ وہ کمپیوٹر کے نوٹس اور کرسیاں اٹھائے چھت پر آ گئیں۔ آسمان کی نیلاہٹ اور دھنکی ہوئی روئی کی طرح سفید بالوں کا امتزاج یوں سر پر پھیلا تھا جیسے کسی نیلگوں سمندر میں برفانی تودے تیر رہے ہوں۔

ٹیرس پر صائم اور شی بیٹھے تھے۔ شی ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے مسلسل پاؤں ہلائے جا رہی تھی۔ انہیں چھت پر آتا دیکھ کر صرف ایک لمحے کے لیے اس کی تھرکتی ہوئی ٹانگ کی حرکت تھمی۔ لیکن اگلے پل پھر جاری ہو گئی۔ اس کی پینٹ کا پائنچا اوپر سرکا ہوا تھا' سفید چونے جیسی موم کی پنڈلی لشکارے مار رہی تھی۔ ندرت نے اس سے نظریں ملتے ہی ایک مودبانہ سلام جھاڑ دیا۔

''آداب آپا'' اس نے پیشانی جھکا کر ہاتھ اٹھایا۔ شی نے پرے منہ پھیر لیا۔ صائم نے ان کی طرف ہاتھ لہرایا تھا۔

ندرت کی آنکھوں سے شرارے پھوٹنے لگے۔

''اس بڈھی انگریزنی کی یہ جرات کہ میرے سلام کا جواب نہ دے۔ میں نے اسے آنٹی کیوں نہ کہا۔ ہر کام کی بات وقت گزرنے کے بعد سوجھتی ہے۔'' اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

رانیہ صائم کی مسکراہٹ اور قلعی شدہ پنڈلی میں الجھی ہوئی تھی وہ اس کی بات کیسے سن سکتی تھی۔

''لگتا ہے صائم نے تین چار ہفتوں سے سیٹنگ نہیں کروائی۔ بال خاصے بڑے ہو گئے ہیں۔ کیڈٹ کٹ

بھی جچتی تھی اس پر اور ایسے بھی آنکھوں کو بھلا لگ رہا ہے۔''
''تمہاری آنکھوں کو بڑے پیمانے پر علاج کی ضرورت ہے۔'' وہ چیخ کر بولی۔
''تمہیں اس کی مکاری اور فریب دکھائی نہیں دیتا؟
سارا دن رانیہ یہ رانیہ وہ اور اس کے ساتھ کیسے چپک کر بیٹھا ہے۔ چہرے سے کتنی خباثت ٹپک رہی ہے دیکھو تو ہنس ہنس کے بے حال ہوا جا رہا ہے جیسے شمی باتیں نہ کر رہی ہو۔ اسکے پہلو میں گدگدیاں کر رہی ہو۔''
رانیہ نے ٹیرس پر سے نظریں ہٹا کر اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔
''میں تمہارے بہکاوے میں آ کر بدظن نہیں ہو سکتی۔ اس وقت تم پھاپھا کٹنی کا کردار بڑی عمدگی سے نبھا رہی ہو۔ خود تو بدشکلی کے باعث تم ساری زندگی بن بیاہی بیٹھی رہو گی مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتی ہو تا کہ تمہارے احساس کمتری کو تسکین مل سکے۔'' بولتے ہوئے ایک بار پھر اس کی توجہ ٹیرس کی طرف منعطف ہوئی۔ شمی نے کسی بات پر بلند آہنگ قہقہہ لگایا تھا اور بازو پھیلا کر صائم کے بال بکھرا دیے تھے۔ پھر اس نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا صاف جتاتا ہوا انداز تھا۔ صائم ہنس رہا تھا۔ اسے لگا وہ مل کر اس کا تمسخر اڑا رہے ہیں۔ وہ بالکل چپ ہو گئی غصے کے مارے اس کے جسم میں لرزش اتر آئی۔ نوٹس پر رکھے ہوئے ہاتھ کی انگلیاں سختی سے آپس میں جڑ گئیں۔
''یہ کیا؟'' ندرت کی تیز و تند آواز پر وہ چونکی۔
''میں مانتی ہوں شمی کی بدمعاشی دیکھ کر تمہیں غصہ آ گیا۔ اصولاً تمہیں اپنے نوٹس کا صفحہ پھاڑنا چاہیے تھا۔ تم ہو کہ میرے نوٹس کے ورق اکھاڑ رہی ہو' گانٹھ کی پوری ہو۔ طیش میں بھی اپنا نقصان نہیں کیا۔''
''دفع ہو جاؤ'' رانیہ نے چیخ کر کہا۔ ''تمہاری ٹرٹر مجھے زہر لگ رہی ہے۔ اگر جلد ہی تم یہاں سے نہ گئیں تو تمہیں نیچے اترنے کے لیے سیڑھیوں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔''
ندرت کے انداز میں سر مو فرق نہ آیا۔ ''تمہاری موجودہ ذہنی حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں تمہاری گستاخی معاف کرتی ہوں لیکن آئندہ کے لیے محتاط رہنے کی تنبیہہ کے ساتھ۔'' اس کے سرخ چہرے پر نظریں جمائے وہ اٹھی اور اسے بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔
رانیہ نے ابرو اچکا کر اس کی وجہ دریافت کی لیکن پھر اس کے چہرے پر پھیلی پُر اسراریت بھانپ کر اٹھ گئی۔
''میں نے اس بڈھی بدمعاش کا بندوبست سوچ لیا ہے۔'' اس کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی اس کے ارادے جان کر رانیہ نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔
''تمہارے دماغ میں بھس بھرا ہے۔ شک تو مجھے پہلے ہی تھا۔ یقین تم نے دلا دیا ہے۔ اسے سب سے پہلے میرا خیال آئے گا۔''

''آتا ہے تو آتا رہے۔ سو بار آئے لیکن شک کی پھانس تو سینے میں اٹک جائے گی نا۔ اور پھر ہمارے دل کی بھڑاس بھی نکل جائے گی۔ بس تم دو تین گھنٹے ان کی طرف ہی موجود رہو بلکہ ہو سکے تو ادھیڑ عمر آپا شبینہ کے سامنے رہنا۔ پھر وہ جس پر مرضی شک کرتی پھرے ہماری بلا سے۔''

''اچھا میں جا کر صائم کے پی سی پر ایم ایس ورڈ اور پاور پوائنٹ کی پریکٹس کرتی ہوں۔'' رانیہ نیم دلی سے رضا مند ہو گئی تھی۔

ندرت نے انیقہ کو ساتھ لیا اور وہ رحمان پورہ میں انیقہ کی ایک سہیلی کے گھر چلی گئیں ٹیلی فون سیٹ اور تنہائی انہیں جلد ہی میسر آ گئی تھی۔ انیقہ نے آخری بار ناقدانہ نظروں سے اس اسکرپٹ کا معائنہ کیا جو ندرت اور رانیہ نے پورے آدھے گھنٹے کی عرق ریزی کے بعد تحریر کیا تھا۔

''دم نہیں ہے تحریر میں۔'' اس نے منہ بنایا۔ ''تھرڈ ریٹ' تھرڈ کلاس' بوگس قسم کے فقرے ہیں۔ کسی پنجابی فلم کے مصنف کے مکالمے کاپی کر لیتیں۔ تو دھاک بیٹھ جاتی شمی پر فون سنتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر نیویارک روانہ ہو جاتی۔''

ندرت نے چیل کی طرح جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے کاغذ چھین لیا۔

''تم خاموشی اختیار کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔'' اس نے زہر خند سے کہہ کر ٹیلی فون سیٹ قریب کھسکایا۔ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس پر دوپٹے کا پلو دوہرا کر کے جمایا اور نمبر پریس کرنے لگی۔

فون صائم نے ریسیو کیا تھا وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''با...... شمی'' وہ باجی شبینہ کہتے کہتے رک گئی۔ ''بیڑہ غرق ہو اس رانیہ کا اسکرپٹ میں بھی باجی شبینہ لکھا ہوا ہے۔''

''شمی کو فون دیں پلیز۔'' اس نے گلے پر زور ڈالتے ہوئے آواز بدل کر کہا۔

انیقہ اس کی پرفارمنس سے مطمئن نظر نہیں آتی تھی۔ اس کی تمسخر اڑاتی نگاہیں اس بات کا واضح ثبوت تھیں۔

شمی کے فون پر آتے ہی وہ کسی ایسے چرندے کی طرح شروع ہو گئی جسے چارہ دکھا کر رسی کھول دی گئی ہو۔

''تم وہی شمی بول رہی ہو نا۔ جس کی شکل گھوڑے کی تھوتھنی سے ملتی جلتی ہے۔ تمہیں تو کسی اصطبل میں ہونا چاہیے تھا۔ تم انسانوں کے گھر میں کیا کر رہی ہو؟''

''کیا بکواس ہے؟'' دوسری طرف سے چیخ کر کہا گیا۔

''فون بند نہ کرنا۔ میری پوری بات سنے بغیر فون بند کر دیا تو بہت پچھتاؤ گی۔''

''کون ہو تم؟''

''میں جو کوئی بھی ہوں کم از کم تم سے پچیس سال چھوٹی ہوں اور میرے دانت بھی اتنے لمبے نہیں ہیں جنہیں دیکھ کر دندان سازوں کے بورڈ یاد آ جاتے ہوں، کان کھول کر سنو میں صائم کی منگیتر بول رہی ہوں۔ ہم اپنی خفیہ منگنی کا اعلان کرنے ہی والے تھے کہ تم ٹپک پڑیں میں تمہیں وارن کر رہی ہوں' صائم کا پیچھا چھوڑ دو

ورنہ تمہارا حشر عبرتناک ہوگا۔''

اس نے اپنی شاندار کارکردگی پر شاباش وصول کرنے کے لیے انیقہ کو داد طلب نظروں سے دیکھا جو اب کسی قدر متاثر لگ رہی تھی اور کھسک کر اس کے قریب ہوگئی تھی۔

ایئر پیس کے سوراخوں سے چھن چھن کر آتی شمی کی ہنسی نے اس کا تنفس تیز کر دیا۔

''تم ہنس رہی ہو؟ میں ریسیور میں سے نکل کر تمہارے دانت توڑ دوں گی۔ تم جانتی نہیں ہو مجھے میری اپروچ بہت دور تک ہے۔ نیویارک کی سڑکوں پر دہائیاں دیتے تمہارے پندرہ بوڑھے ضعیف بوائے فرینڈز کے نام اور پتے میں حاصل کر چکی ہوں۔ کسی بھی لمحے صائم کے سامنے تمہارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دوں گی۔ آئندہ اگر تم گھر میں یا گھر سے باہر پھاندا کودی یا۔'' ایک لمحے کے لیے الفاظ اس کی نظروں میں گڈمڈ ہوئے تو وہ گڑبڑا گئی لیکن فوراً ہی خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

''کودا پھاندی کرتی نظر آئیں تو تمہاری خیر نہیں۔ یہ جاگنگ اور واک کے بہانے صائم کو پھانسنے کے طلسمانہ ... میں نہیں چلنے دوں گی۔ اس وارننگ کے بعد بھی تم باز نہ آئیں تو تمہاری ٹانگیں کاٹ کر ہتھیلی پر رکھ دوں گی۔ ... چھوڑے ہوئے آدمی ہر وقت تمہاری نگرانی کرتے ہیں۔ اپنا بوریا بستر گول کرو اور وہیں چلی جاؤ جہاں سے آئی ہو۔'' اس نے کھٹاک سے ریسیور رکھا اور سینے پر ہاتھ دھر کے چند گہری گہری سانسیں لیں۔

''مجھے انگریزی میں تین چار موٹی موٹی گالیاں دیں اس نے اب ڈکشنری میں ان کا مطلب ڈھونڈنا پڑے گا۔''

''جب تمہیں مطلب ہی نہیں پتہ تو تمہیں کیسے معلوم وہ موٹی تھیں یا پتلی۔'' انیقہ نے حیرت سے استفسار کیا۔

''زبان کو گول کر کے منہ بھر بھر کے بول رہی تھی۔ مجھے تو وہ الفاظ بڑی غلط نوعیت کے لگ رہے تھے۔''

''ایک بات تو تم نے سوچی ہی نہیں۔'' انیقہ کے انداز میں تشویش تھی۔ ''اگر ان کے فون پر سی ایل آئی کی سہولت موجود ہوئی تو میری دوست پھنس جائے گی۔ اس کے بھائی وہ سب کچھ اس کے ساتھ کر گزریں گے جس کی دھمکی تم شمی کو دے رہی تھیں۔''

''اس بات کا اطمینان میں نے پہلے ہی کر لیا تھا۔ میری پلاننگ فول پروف ہے۔'' اس نے فاتحانہ انداز میں گردن تان کر جواب دیا۔

☆..........☆..........☆

آنٹی صالحہ کے ساتھ عید کی شاپنگ کرتے ہوئے وہ بڑی عجلت دکھا رہی تھی اس سے کپڑے کے رنگ کے متعلق رائے پوچھی جاتی تو وہ بنا دیکھے اثبات میں سر ہلا دیتی۔ جیولری کا ڈیزائن دکھایا جاتا وہ خلا میں گھورتے ہوئے ''بالکل ٹھیک ہے۔ بہت خوبصورت ہے'' کی گردان کرنے لگتی۔ آنٹی نے متعدد دفعہ اس کی بے دھیانی پر ٹوکا۔ لیکن وہ ''آں۔ کچھ نہیں۔'' کر کے خاموش ہوگئی۔ اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ گھر پر شمی اور صائم بالکل تنہا

تھے اور اس کے اندر کیسی شورش برپا تھی۔

''اب چلیں بھی آنٹی باقی چیزیں پھر کبھی لے لیں گے۔ ابھی تو آٹھ نو دن باقی ہیں۔'' آخر کار اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ ''انکل بھی آچکے ہوں گے۔ افطاری کا وقت ہونے والا ہے۔''

انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''میں نے بتایا تو تھا تمہارے انکل ساہیوال گئے ہوئے ہیں۔ میری نند کے جیٹھ فوت ہو گئے ہیں بھول گئیں؟''

ندرت کو بھی اس کی پھرتیاں بری طرح کھل رہی تھیں۔ ''افطاری کی فکر تمہیں کیوں ستانے لگی مامی اور انیقہ تیار کرتی ہیں روزانہ۔ روز روز گھر سے نکلنا کوئی آسان کام ہے۔ اب شاپنگ مکمل کر کے ہی جائیں گے اور اگر ہو بھی گئی اذان ہمارے بازار میں ہوتے ہوئے تو ڈھیروں دوکانیں ہیں۔ روزہ کھولنا کوئی ایسا گمبھیر مسئلہ نہیں ہے جس نے تمہیں پریشان کر رکھا ہے۔''

''ہاں تو اور کیا۔'' آنٹی نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''میرا دل گھبرا رہا ہے۔ میں ایک لمحہ بھی اور اس شور شرابے میں نہیں گزار سکتی۔'' اس کے لہجے میں اتنی تلخی تھی کہ وہ اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئیں۔ شاپنگ ادھوری چھوڑ کر انہیں لوٹنا پڑا تھا۔ رانیہ آنٹی کے ساتھ ان کے گھر چلی آئی تھی۔

صائم کچن میں پکوڑے تل رہا تھا۔ کچن کے دروازے سے ٹیک لگائے شمی کھڑی تھی۔

''امی۔!'' صائم چمچہ ہاتھ میں لیے باہر نکلا۔

''آپ کے جانے کے بعد شمی نے اچانک پروگرام بنا لیا تایا کی طرف جانے کا کہتی ہے چاند رات کو واپس آؤں گی۔''

آنٹی کچھ دیر خاموش رہیں۔

''وہ لوگ اصرار بھی تو بہت کر رہے تھے۔ اچھی بات ہے ایک ہفتہ ان کے ہاں بھی رہ آئے۔''

''مجھے دو میں کر لیتی ہوں۔'' رانیہ نے چمچہ اس کے ہاتھ سے لیا اور شمی کے قریب سے گزر کر کچن میں چلی گئی۔ ایک چولہے پر کڑاہی دھری تھی اور دوسری طرف دودھ ابلنے کے لیے رکھا ہوا تھا۔

''آپ بھی کمال کرتی ہیں امی۔ میں تو اسے ہرگز جانے نہیں دوں گا۔ کم از کم عید تک تو بالکل بھی نہیں۔ عید کے بعد بیشک چند روز کے لیے ہو آئے۔''

جواب میں انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔

پھر اس نے صائم کو کہتے سنا۔ ''شمی تم باز آؤ گی یا نہیں۔ سچ کہہ رہا ہوں تمہیں باندھ کر اسٹور میں ڈال دوں گا۔''

شمی ہنسنے لگی۔

''صرف سات دنوں کے لیے جا رہی ہوں۔ عید تمہارے ساتھ ہی مناؤں گی۔''

رانیہ چیخ پڑی۔ ''صائم آنچ بہت تیز کر رکھی ہے تم نے۔ پکوڑے باہر سے جل گئے ہیں اندر سے بیسن کچا رہ گیا ہے۔''

صائم نے جیسے اس کی بات ہی نہ سنی ہو۔

''آ تو جاؤ گی۔''

''ہر حالت میں۔''

''کیسے یقین کرلوں تم نہ آئیں تو میری عید پھیکی رہ جائے گی۔''

کڑاہی میں کھولتے ہوئے تیل کی ننھی ننھی بوندیں اچھل رہی تھیں۔ بیسن کے جلے ہوئے سیاہ ٹکڑے تیل کی سطح پر ڈول رہے تھے۔

''عادتیں بگاڑ کر جا رہی ہو۔ اکیلا واک کیسے کروں گا۔''

''تم نے بھی تو مجھے بگاڑ دیا ہے میں تو دس بجے سے پہلے اٹھتی ہی نہیں تھی۔''

''عید پر تمہیں دینے کے لیے کیا گفٹ خریدوں؟''

''جو تمہارے دل کو اچھا لگے۔''

رانیہ پھر چلائی ''دودھ ابل رہا ہے۔''

''پتیلی نیچے اتار لو۔'' صائم نے شمی کے چہرے سے نگاہ ہٹائے بغیر کہا تھا۔

''جب تم چاند رات کو لوٹو گی تو میں گٹار پر کوئی ملن کی دھن بجا کر تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔ کیسا فلمی منظر ہوگا۔ کیا خیال ہے۔''

''تم بھی ساتھ چلے چلو۔ میرا سفر بھی اچھا کٹ جائے گا۔ تم میں اور گٹار۔''

دودھ میں ابال آنے لگے۔ سطح پر جمی ہوئی بالائی کی تہ پھولنے لگی۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

''سوچتا ہوں یہ طویل سات دن کیسے کٹیں گے۔ تم بہت یاد آؤ گی۔''

''اس وقت تم بہت معصوم نظر آ رہے ہو۔''

شمی ہنسنے لگی۔ رانیہ کی نظریں اس کی ہنسی میں الجھ کر رہ گئیں۔ رفتہ رفتہ اس کی اجلی ہنسی پھیلنے لگی۔ اس کا حجم بڑھنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہر شے پر چھا گئی گلابی اور سفید رنگ کے چھینٹے در و دیوار پر ابھرنے لگے۔ ایگزاسٹ فین کے پر گلابی تھے' وہ سفید دائرے میں گھوم رہا تھا۔ دودھ شمی کے دانتوں جیسا سفید تھا'' حدت سے پتیلی کے کنارے گلابی ہو رہے تھے۔ صائم کا اوپری دھڑ گلابی رنگ میں رنگا تھا' اس نے سفید رنگ کی پینٹ پہن رکھی تھی۔ سنک میں گلابی پھولوں والی سفید رکابیاں پڑی تھیں۔ کچن کے سفید پینٹ والے دروازے پر گلابی اون سے بنی ایک تتلی لٹک رہی تھی۔ شمی کے مسوڑھوں جیسی گلابی تتلی۔ شمی کی ہنسی پھیلتی چلی جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ سارا کچن اس کی ہنسی سے بھر گیا۔ رانیہ کے لیے ٹھہرنے کی

کوئی جگہ نہ بچی اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ اسے اپنا وجود سمٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ شمی کی سفید اور گلابی ہنسی کے سامنے وہ یوں سہمی کھڑی تھی جیسے گلیور کے مقابل کوئی بالشتیا دودھ ابل ابل کر پتیلی کے کناروں سے باہر گرنے لگا۔

رانیہ نے دوپٹہ ہاتھوں پر لپیٹ کر جلتی ہوئی پتیلی اتار کر کاؤنٹر پر رکھنا چاہی باریک دوپٹے میں سے دہکتے کناروں نے اس کی انگلیاں جھلسا دیں۔ جلن سے بے حال ہو کر اس نے ہاتھ چھوڑ دیے۔ چھک سے پتیلی نیچے گری اس نے اچھل کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن ابلا ہوا دودھ اچھل کر اس کے پیروں پر گر گیا اس کے حلق سے سسکاریاں نکل گئیں۔ صائم اور آنٹی صالحہ بھاگتے ہوئے آئے۔ شمی اپنی جگہ پر جمی رہی۔ پتیلی سیدھی گری تھی اس لیے سارا دودھ نہیں بہا تھا ورنہ شاید اس کے پاؤں بری طرح جھلس جاتے۔

صالحہ آنٹی اس کے سینڈل اتروا کر بازوؤں میں بھر کے باہر لے آئیں۔ صائم سخت متوحش نظر آ رہا تھا۔ موٹے موٹے گرم آنسو رانیہ کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔ صائم بھاگ کر ٹوتھ پیسٹ کی ٹیوب لے آیا۔

''ابھی جلن کم ہو جائے گی۔''

وہ اس کے پاؤں پر پیسٹ ملنے لگا تو اس نے جھٹکے سے ٹانگیں سکیڑ لیں۔

''رانیہ میری بیٹی ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔ شاباش صبر کرو۔'' وہ اسے سینے سے لگائے مسلسل دلاسا دے رہی تھیں۔ وہ منہ سے کچھ نہیں بولی روتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔

صائم نے ایک بار پھر اس کے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ خود کو آنٹی صالحہ سے چھڑا کر ایک جھٹکے سے اٹھی اور چہرے کو ہاتھوں سے ڈھانپے ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ صائم ہاتھ میں ٹیوب پکڑے اسے دیکھتا رہ گیا۔ آنٹی کی آنکھوں میں حیرت کا ایک جہاں سمٹ آیا تھا۔ شمی بت کی طرح ساکت تھی۔

☆............☆............☆

اس نے سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

اماں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر زور سے دبا دیا۔

''آہستہ بول۔ تیرا باپ تو پہلے ہی تیار بیٹھا ہے۔''

وہ بپھر کر پیچھے ہٹی۔ ''کیوں آہستہ بولوں؟ دو دفعہ ان کی طرف سے بلاوا آ چکا ہے۔ ابا کئی بار مجھ سے میری مرضی پوچھ چکے ہیں۔ بہت ہو گئی سوچ بچار مجھے کوئی اعتراض نہیں' ابا راضی ہیں تو ہاں کر دیجیے بس۔ دیکھ بھال کی بھی ضرورت نہیں۔ میرا کلاس فیلو ہے۔ میں جانتی ہوں اسے مجھے ان لوگوں کی سب شرائط منظور ہیں۔ میں پڑھائی چھوڑ دوں گی۔''

''یہ لڑکی تو بس کی گانٹھ ہے۔ پتہ نہیں کیا خبط سما گیا ہے بیٹھے بٹھائے۔''

''آخر تو میری شادی ہونی ہی ہے۔ جب ایک مناسب رشتہ آ گیا ہے تو بس ٹھیک ہے۔'' اس کی آواز میں کوئلوں کی چیخ تھی۔

''وہ صالحہ کیسی تیرے پیچھے دیوانوں کی طرح بھاگی آئی تھی۔ ذرا سا پاؤں پر دودھ گر گیا تو کیسے تڑپ رہی تھی۔شمی بھی تو چلی گئی اب تو......''

اس نے چلا کر اماں کی بات کاٹ دی۔

''شمی' صالحہ' صائم۔اس کے علاوہ آپ کے پاس کوئی بات ہے ابا کو بتا دیجیے جا کر میری مرضی اور اگر آپ خود نہیں بتا سکتیں تو یہ کام بھی میں کر دیتی ہوں۔''

''تیری یہ قینچی کی طرح چلتی زبان میں کاٹ دوں گی۔'' اماں نے لرزتا ہوا ہاتھ اٹھا کر اسے تھپڑ مارنا چاہا تو ندرت نے آگے بڑھ کر انہیں کندھوں سے تھام لیا۔

''آپ جائیں مامی میں اسے سمجھاتی ہوں۔''

اماں کچھ دیر کھڑی اس کی متورم آنکھوں اور دہکتے ہوئے رخساروں کو دیکھتی رہیں اور پھر ڈھیلے قدموں سے باہر چلی گئیں۔

وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے خاموشی سے چھت کے ساکت پنکھے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

ندرت چند ثانیے چپ رہی اور پھر اس کے قریب جاتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

''بے شک تم بڑی مشکل سے قبول صورت ہو اور تمہارے لیے کوئی ڈھنگ کا رشتہ آنے کی دور دور تک کوئی امید نہیں۔ پھر بھی تم اتنی دلبرداشتہ نہ ہو۔کیا معلوم کسی معقول قسم کے نوجوان کی عقل پر پردہ پڑ جائے اور وہ تمہیں قبول کر لے۔امید پر دنیا قائم ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ رفعت کے ساتھ تمہاری جوڑی مناسب ہے۔ یہ تم دونوں پر ظلم ہوگا۔اب یہ فیصلہ کرنا خاصا مشکل ہے کون زیادہ مظلوم ہوگا اور کون کم۔''

رانیہ کے ہونٹ کپکپائے اور آنکھیں شفاف پانی سے بھرنے لگیں۔ وہ آگے بڑھ کر ندرت کے گلے لگ گئی۔ شانے پر ندرت کی قمیص بھیگنے لگی۔ وہ اس کے لرزیدہ وجود کو تشفی بھری تھپکیاں دے رہی تھی۔ بڑی دیر بعد رانیہ بھیگی آواز میں بولی۔

''مجبوری ہے۔تم جیسی مٹیالے کلر کی معمولی شکل والی لڑکی کے گلے لگ کر رونا پڑ رہا ہے۔''

''دودھ گرانا ہی تھا تو اس گھر مونہی آپا شبینہ پر کیوں نہ گرایا۔ ابلا ہوا دودھ اس پر انڈیل کر آتیں تو کوئی بات بھی تھی۔تم نے اپنے پیر جلا ڈالے۔ پہلے ہی حسن کا اتنا کال تھا۔اوپر سے پیروں پر بھی داغ پڑ گئے۔ اب تو تمہاری بدصورتی میں چار چاند لگ گئے ہیں۔''

ندرت بھی رو رہی تھی۔ پھر اس نے دھیرے سے رانیہ کے کان میں سرگوشی کی۔

''صائم کہہ رہا تھا اسے ہماری طرف بھیجو۔'' اس نے ندرت کے شانے پر رکھا سر اٹھا کر اسے سرخ آنکھوں سے دیکھا اور اسے دھکا دے کر پرے ہٹا دیا۔

''تم کیا مجھ سے جونک کی طرح چمٹ ہی گئی ہو۔ مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔ابا نے افطاری میں سویوں کی فرمائش کی تھی۔تم جیسے حرامخور لوگ اس گھر میں بستے ہیں اس لیے یہ کام صرف میرا فرض ہے۔''

ندرت چند لمحے چپ رہی تھی۔ پھر وہ بیڈ پر دھم سے گرتے ہوئے بولی۔

''ہو آؤ صالحہ آنٹی بھی دیوار کے اوپر سے لٹک لٹک کر بے حال ہو چکی ہیں۔ مجھے لگتا ہے کسی دن ان کا اوپری جسم اس طرف آ گرے گا اور نچلا دھڑ ادھر رہ جائے گا۔ چلو میں تمہارے بال بنا دوں۔ ایسا ہیئر اسٹائل بناؤں گی کہ دیکھنے والوں کی چیخیں نکل جائیں گی۔''

رانیہ نے دوپٹے کے پلو سے گیلا چہرہ صاف کیا اور چپ چاپ باہر نکل گئی۔

اسے ابا کے کمرے کی طرف بڑھتے دیکھ کر اماں اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگیں لیکن ان کے قریب پہنچنے سے قبل وہ دروازہ پار کر چکی تھی۔

اماں نے حسرت بھری نگاہ نارنجی پھولوں والی سبز بیل سے ڈھکی دیوار پر ڈالی ان کی عینک کے شیشوں پر ان دیکھی گرد کے ذرات چمٹ گئے۔ وہ پلو سے رگڑ کر دھندلے شیشوں کو شفاف بنانے کی کوشش کرنے لگیں۔

کچھ دیر بعد رانیہ اور ابا اکٹھے ہی باہر آئے۔ ابا ایڑیاں اٹھا اٹھا کر چل رہے تھے۔ ان کی چھاتی فوجی جوانوں کی طرح ابھر آئی تھی اور وہ رانیہ کے سر پر بار بار شفقت بھرا ہاتھ پھیر رہے تھے۔

کسی سے کچھ کہے سنے بنا انہوں نے رفعت زیاد کے گھر فون کھڑکا دیا۔ ''ہم لوگ آ رہے ہیں افطاری آپ کی طرف ہی کریں گے۔''

ریسیور رکھتے ہی وہ اماں سے مخاطب ہوئے۔ ''چلو تیار ہو جاؤ لڑکا دیکھ آئیں۔ رمضان کے مبارک دن ہیں۔ اللہ برکت ڈالے گا۔ ہماری بیٹی کی زندگی میں خوش بختی آئے گی انشاء اللہ۔''

اماں چارپائی سے اٹھنے لگیں تو ان کے گھٹنے میں بل آ گیا۔ خاصی دیر کراہنے کے بعد کسی ایسے سوٹ کی تلاش شروع ہوئی جو متوقع سمدھیانے میں پہن کر جانے کے لائق ہو اور ایسا سوٹ اس بڑی پیٹی کی تہہ میں پڑا تھا۔ جس پر چار ٹرنک' دوا ٹیچی اور ایک لمبا چوڑا سوٹ کیس رکھا ہوا تھا۔ سوٹ کی تلاش کا معرکہ سر ہوا تو میچنگ چادر ڈھونڈنے کا مسئلہ سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کے بارے میں کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ گھر کے کس کونے کھدرے میں روپوش ہے۔

ابا کے صبر کا پیمانہ چھلک رہا تھا لیکن اماں ڈھنگ سے تیار ہوئے بغیر کیسے جا سکتی تھیں ان لوگوں پر کیسا برا امپریشن پڑتا۔

''اے میری وہ عنابی کڑھائی والی کریم چادر تو ڈھونڈ کے لاؤ کہیں سے۔ وہی میچ کرتی تھی ان کپڑوں کے ساتھ۔ رنگ برنگی ٹاکیاں جوڑ کر جاتی میں بھلی لگوں گی؟''

یہ بظاہر ناممکن کام ابا نے کر دیا۔ بڑے والے سوٹ کیس میں سب کپڑوں سے اوپر دھری تھی پھر خدا معلوم باقی لوگوں میں سے کسی کی نظر اس پر کیوں نہ پڑی چادر اوڑھنے کے بعد اماں کا دھیان چہرے کی خشک جلد کی جانب مبذول ہو گیا۔

''کیسی پھٹکیاں اکھڑی پڑی ہیں سارے منہ پر جیسے کیکر کی چھال ہو۔ اے انیقہ ذرا مجھے کولڈ کریم کی

شیشی تو پکڑا۔''

شیشی اماں کو پکڑاتے ہوئے انیقہ کے ہاتھ میں لرزش اتر آئی اور ملائم سفید کریم فرش پر کانچ کے ننھے ننھے ٹکڑوں کے ساتھ بکھر گئی۔

''کم بخت اتنی مہنگی کریم کی نئی شیشی غارت کر دی۔ ہاتھ ٹوٹیں تیرے۔''

رانیہ نے یہ مسئلہ حل کر دیا۔ اس نے لوشن کی بوتل لا کر اماں کے ہاتھ میں تھما دی یہ بوتل نرم پلاسٹک سے بنی تھی۔ گر بھی جاتی تو ٹوٹنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اماں نے رانیہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور ابا کی نظر بچا کر ایک زوردار دھمو کا کمر میں جڑ دیا۔

جب ساری تیاری مکمل ہوگئی اور ابا دہلیز پار کرنے لگے تو اماں ٹھٹکیں اور ماتھے پر ہاتھ مار کر بولیں۔

''لو میں تو بھول ہی گئی تھی۔ بڑا ہی اچھا پروگرام آنا تھا افطاری سے پہلے۔ میں وہ نہیں چھوڑ سکتی۔ پورے ہفتے میں صرف ایک ہی بار آتا ہے وہ۔'' ابا گردن موڑ کر دھاڑے۔

''کیا بکواس ہے یہ تقریباً سب ہی پروگرام ہفتے میں ایک بار نشر ہوتے ہیں۔ باہر نکلو فوراً۔''

اماں نے بڑا سا منہ بنایا لیکن آگے بڑھنے کی بجائے واپس پلٹ کر دیوار کے قریب چلی گئیں۔

ابا نے لاکھ گھوریاں ڈالیں۔ ہاتھوں کے اشاروں سے دھمکایا مگر وہ آواز دینے سے باز نہ آئیں۔

''اے صالحہ ذرا ادھر تو آ۔'' انہوں نے دیوار کے اوپر سے منہ نکال کر لمبی سی آواز دی۔

''کیسی ہیں آپا؟''

''تمہیں کتنی بار کہا ہے مجھے آپا نہ کہا کرو۔ اب ایسی ننھی بھی نہیں ہو تم۔''

وہ ہنس پڑیں۔ ''اچھا رانیہ کو تو بھیجیں ہماری طرف۔ میں تو اس کی صورت کو ترس گئی ہوں۔ نہ جانے کہاں چھپی بیٹھی رہتی ہے۔''

اماں نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

''رانیہ کے لیے رشتہ دیکھنے چلے ہیں شاہ عالمی تک۔ میں نے سوچا تمہیں بھی ساتھ لیتی چلوں۔ فارغ ہو تو ذرا چلی چلو ساتھ۔''

صالحہ آنٹی کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ کچھ دیر وہ بالکل خاموش رہیں۔ پھر ابا سے مخاطب ہو کر بولیں۔

''بھائی صاحب ایک بڑا اچھا لڑکا ہے اسد کی نظر میں مجھ سے ذکر کیا تھا انہوں نے پھر وہ ساہیوال چلے گئے تو بات بیچ میں رہ گئی۔ ان کی بہن کے سسرال میں فوتگی ہوئی ہے ابھی ابھی ان کا فون آیا ہے کہ وہ چند روز اور وہیں ٹھہریں گے۔ ہوسکتا ہے زیادہ دن بھی لگ جائیں میری نند شدید علیل ہوگئی ہیں۔ بے اولاد ہیں بے چاری میاں شوگر کے مریض ہیں۔ کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسد کی واپسی تک انتظار کرلیں۔''

اماں نے ابا کی طرف سے کسی جواب کا انتظار نہ کیا اور سر سے چادر نوچ کر پھینک دی۔

''میری تو کمر دکھنے لگی ہے۔ آندرت مجھے دبا دے ذرا۔'' ابا سے نظر ملائے بنا وہ کراہ کر چارپائی پر ڈھیر ہوگئیں۔

☆.........☆.........☆

''چھچھ......چھی......ی۔''

اس نے کچن کی کھڑکی میں سے باہر دیکھا تو صائم دیوار پر سے جھانک رہا تھا۔ شیو بڑھی ہوئی بال بے ترتیب چہرے کی رنگت کملائی ہوئی۔ دونوں گھروں میں لان کی لائٹس آن تھیں۔ وہ زرد اور نڈھال نظر آتا تھا۔

وہ یوں بن گئی جیسے دیکھا ہی نہ ہو اور سر جھکا کر تیزی سے برتن دھونے لگی۔

''رانیہ!''

وہ خاموش رہی۔

''رانیہ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ یاد ہے پہلے روزے کی سحری میں نے تمہیں تیار کر کے دی تھی۔ آج مجھ پر یہ ہی مصیبت آن پڑی ہے۔ خدا کے لیے میری مدد کرو۔''

اس نے آہستگی سے جھکا ہوا سر اٹھایا۔ ''احسان کا بدلہ مانگنا تو کمینگی ہے۔''

''یہ اچھی رہی۔ تم مجھے کمینہ کہہ رہی ہو میں تمہاری طرف آرہا ہوں دروازے کی طرف سے آؤں یا دیوار پھلانگ کر؟''

''اماں جاگ رہی ہیں۔'' اس کا سر ایک بار پھر جھک گیا۔

''تو تم ہماری طرف آؤ۔ ہم مل کر سحری بنا لیتے ہیں۔''

اس کی طرف سے جواب ندارد تھا۔

وہ شاکی لہجے میں بولا۔ ''پرسوں رات مجھے سخت بخار رہا۔ تم پوچھنے بھی نہیں آئیں۔ یہ ناراضگی کب تک چلے گی؟''

''میں ناراض نہیں ہوں۔'' اس نے توے کے نیچے آگ جلائی۔

''تو پھر یہ سب کیا ہے۔ تم ہماری طرف کیوں نہیں آتیں۔ تمہیں ایک نظر دیکھنے کے لیے میں کتنے دنوں سے ترس رہا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں یہ سب تم میرے اور شمی......''

رانیہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''میرا اس وقت مذاق کا موڈ بالکل نہیں ہو رہا۔ تم چلے جاؤ اب۔ باتوں کی آواز سن کر کوئی اس طرح آنکلا تو اچھا نہیں ہوگا۔ شمی چاند رات کو آجائے گی تو میں ملنے آؤں گی۔ تم اطمینان رکھو۔'' یہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز کانپ گئی گلا آنسوؤں سے رندھ گیا تھا۔

''آج باجی شبینہ نہیں کہو گی رانیہ؟''

''ہاں باجی شبینہ۔'' اس نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن توے پر جلتے گھی کا کڑوا دھواں اس کی آنکھوں

میں گھس گیا۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑ کر صاف کیا تھا۔ کچھ دیر صائم چپ چاپ کھڑا رہا کسی سائے کی طرح پھر وہ آہستگی سے بولا۔

''تم لوگوں پر میری سالگرہ کے تحفے ادھار ہیں۔ وہ کب دو گے مجھے؟ میرا اتنا خرچہ کروایا اور حاصل وصول کچھ بھی نہیں۔''

''اب جاؤ صائم۔'' وہ نم آواز میں بدقت اتنا کہہ سکی۔

''تحفوں کا نام سنتے ہی جان جانے لگی ہے۔ ظاہر ہے تم جیسے لیچڑوں کو پیسہ۔'' بات ادھوری چھوڑ کر وہ چپ ہو گیا جیسے لفظ ختم ہو گئے ہوں۔

''رانیہ ایک بار میری طرف دیکھو۔ صرف ایک بار''۔ اس کی بوجھل آواز میں التجا تھی۔

''میں تمہاری آنکھوں کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ دیکھو ادھر صرف ایک نظر۔''

اس کی جھکی ہوئی پلکیں گالوں سے چپک گئیں۔ پھر وہ خاموشی سے رخ پھیر کر فریج کی طرف بڑھ گئی تھی۔ صائم کی طرف سے خاموشی چھا گئی تھی۔ شاید وہ جا چکا تھا۔ اس نے مڑ کر دھندلی آنکھوں سے اس مقام کو دیکھا۔ جہاں کچھ دیر پہلے وہ موجود تھا۔ اب وہاں کوئی نہیں تھا وہ پراٹھے بنانے لگی۔ بار بار ہاتھ جلتے توے پر جا لگتا اور وہ سی کر کے انگلیاں منہ میں دبا لیتی۔

اچانک دیوار کی اوٹ میں گٹار کے تار جھنجھنانے لگے۔ صائم کی آواز ہوا کے جھونکے پر سوار اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''ہم سے رہو گے کیا ہمیشہ خفا
معاف کر دو جاناں
مان تو لی ہے ہم نے اپنی خطا
معاف کر دو جاناں
دیکھو یہ غصہ چھوڑ دو
اب تم یہ قصہ چھوڑ دو
ہم ہیں شرمندہ غلطی ہو گی نہ آئندہ''

وہ اس کی آواز سے دامن چھڑانے کے لیے زور زور سے برتن پٹخنے لگی تھی۔

''مان بھی جاؤ سنو تم کو قسم ہے
کیسی یہ ضد ہے کیسا ستم ہے
ملتے ہو جو کہیں دیکھتے بھی نہیں
ایسا بھی روٹھنا کیا بھلا
دیکھو تو اک نظر تم ذرا

جو تم پہ مرتا ہے اس کا ہے اب حال کیا"

اس نے فریج کھول کر دہی والا ڈونگہ نکالا اور دروازے کو ایک دھاکے سے بند کر کے ڈونگہ کاؤنٹر پر پٹخا۔ گٹار کے تار مسلسل بول رہے تھے۔ صائم کی آواز اس کے کانوں میں گھستی جا رہی تھی۔

"ایسے نکالو نہیں تم ہمیں دل سے
چاہنے والے ملتے ہیں مشکل سے
سوچو ذرا مہرباں پاؤ گے ہم سا کہاں
چھوڑو بھی تم یہ ناراضگی
آؤ بھی کر لیں ہم دوستی
اب جانے بھی دو کہ جو بھی ہوا سو ہوا
دیکھو یہ غصہ............"

آواز کا گلا کسی نے گھونٹ دیا تھا۔ اماں جانے کس لمحے دیوار کے قریب پہنچ گئی تھیں رانیہ کو ان کے آنے کی بالکل خبر نہ ہو سکی تھی۔

"واہ میاں اللہ توبہ کرنے کا وقت اور تم گا بجا رہے ہو۔ خدا تم لونڈوں کو ہدایت دے۔" اماں کی پاٹ دار آواز پر وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔

"آنٹی میں...... میں تو وقت گزاری کے لیے۔" اس سے کوئی مناسب جواب بن نہ پایا تھا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے کرو وقت گزاریاں۔ پر کم از کم روزوں میں تو پرہیز کر وان باتوں سے۔ میں بھی صرف آٹھ بجے والا ڈرامہ دیکھتی ہوں آج کل مجال ہے کسی اور پروگرام کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھوں" ظاہر ہے رمضان میں زیادہ تر پروگرام مذہبی نوعیت کے ہوتے تھے۔

"اے ویسے تم گا تو ٹھیک رہے تھے پر وہ بات نہیں بنی جو اصل گانے میں تھی۔ سونو نگم نے تو یوں گایا ہے اس گیت کو جیسے دھاگے میں کلیاں پرو کر کسی نے مالا بنا دی ہو۔ تم مشق کیا کرو شاید کچھ بہتر ہو جائے آواز۔" اماں اسے مفید مشورے سے نواز کر دیوار سے دور ہوئیں اور رانیہ کے جھکے ہوئے سر کو دیکھ کر دھیرے دھیرے سر ہلانے لگیں۔

☆............☆............☆

ان کی فائنل Presentation عید کے بعد تھی۔ وہ ٹرانسپرنسز تیار کروانے کے لیے انسٹی ٹیوٹ کے ساتھ والی بک شاپ تک گئیں۔ رفعت پہلے سے وہاں موجود تھا۔ انہیں دیکھتے ہی وہ سیدھا ان کی طرف آ گیا۔

"رانیہ!" اس کے لہجے میں عجیب تحکمانہ پن تھا۔ اس نے مس کہنے کا تکلف بھی نہیں کیا تھا۔ ندرت کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تاہم رانیہ بے تاثر چہرہ لیے اسے دیکھتی رہی تھی۔

"تمہارے ابا آئے تھے ہماری طرف۔" چکی کا پاٹ گھومنے لگا۔

''انہوں نے باقی گھر والوں کو پھر کسی موقع پر لانے کا کہا تھا خیر ایک طرح سے بات طے ہو چکی ہے۔اب تم میری۔''

اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ کر اعتماد سے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔آج اس کے اطوار بدلے ہوئے تھے۔ لہجے میں لڑکھڑاہٹ تھی نہ ہی جھولتے ہوئے بالوں والا سر ہچکولے کھا رہا تھا۔

اس انکشاف پر وہ دونوں حیرت سے ایک دوجے کا منہ تکنے لگیں۔ابا نے کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہونے دی تھی اور بالا ہی بالا رشتے طے کرتے پھر رہے تھے۔

''میں چاہتا ہوں اب تم انسٹی ٹیوٹ کو خیر باد کہہ دو۔میری امی کی بھی یہی خواہش ہے کہ ان کی ہونے والی بہو گھرداری سنبھالنے والی لڑکی ہو۔آزادانہ گھومنے والی لڑکیوں سے وہ سخت چڑتی ہیں۔''

ندرت نے رانیہ کے پہلو میں کہنی مار کر اسے کچھ بولنے کے لیے کہا لیکن وہ خالی خالی نظروں سے شفاف شیشے کے پیچھے سجی کتابوں کو دیکھتی رہی۔

''ایک آخری بات رانیہ اب میں تمہیں کبھی اس گرے سوزوکی والے کے ساتھ گھومتے ہوئے نہ دیکھوں۔'' اس کے انداز میں تنبیہہ تھی۔

ندرت کا ضبط جواب دے چکا تھا۔وہ خود کو بولنے سے نہ روک سکی۔

''وہ گرے سوزوکی والا اس کا منگیتر ہے۔اب ٹھنڈ پڑ گئی تمہارے سینے میں؟'' رانیہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے باز رکھنا چاہا لیکن وہ اپنے آپے میں نہیں تھی۔

''تمہیں جرات کیسے ہوئی اس طرح سر بازار ہمیں مخاطب کرنے کی۔تمہاری اتنی باتیں سننے کے باوجود تمہارا منہ نہیں نوچا میں نے۔اسی کو غنیمت سمجھو اور دفع ہو جاؤ۔''

وہ کچھ بولنے کے لیے لب کھول رہا تھا لیکن ندرت نے اسے موقع نہیں دیا۔

''دوبارہ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ماما جی تمہارے گھر آئے تھے۔اس بات کی کوئی حیثیت نہیں جس روز وہ تمہاری طرف سے لوٹے تھے اسی شام رانیہ کی منگنی ہوئی ہے۔بس یا کچھ اور بھی سننا چاہتے ہو تم؟''

رانیہ خاموشی سے کھڑی انگلیاں ہونٹوں میں دبائے ناخن چبا رہی تھی۔

رفعت کا چہرہ لحظہ بہ لحظہ تاریک تر ہوتا جا رہا تھا۔''ہونہہ پابندیاں لگانے والوں کی صورتیں تو دیکھو۔'' اس کے جانے کے بعد دیر تک ندرت بڑبڑاتی رہی۔

''اب وہ لوگ ابا سے پوچھیں گے تو پھر جانتی ہو کیا ہوگا۔'' رانیہ کی بات سن کر وہ چونکی ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہوئے مگر اگلے پل چہک کر بولی۔

''میں کہہ دوں گی وہ نشے میں تھا۔بازار میں ہمیں گالیاں دینے لگا۔میرے مکر سے تو تم اچھی طرح واقف ہو۔میں نے کبھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔''

☆..........☆..........☆

''چاند نظر آ گیا' چاند نظر آ گیا'' کی صدائیں چاروں طرف سے بھی انتہا بلند ہو کر سرد ہوا کے دوش پر لہرا رہی تھیں وہ چکے تھی۔ اونی شال کو شانوں کے گرد سختی سے لپیٹے چھت کے ایک گوشے میں سمٹی بیٹھی تھی۔ کیکر کے سارے زرد پھول جھڑ چکتے تھے۔ اس کی ڈالیاں کٹی ہوئی بانہوں کی طرف جھول رہی تھیں۔ ہوا میں خنکی تھی اور اس پر خفیف سی کپکپی طاری تھی۔

نیچے لان میں وہ گٹار بجا رہا تھا۔

''کیا شی لوٹ آئی ہے؟'' اس نے اچک کر نیچے جھانکنا چاہا لیکن پھر بے جان ہو کر بیٹھ گئی۔ دھن اداس تھی وہ ملن کی شوخ اور پر مسرت دھن کیوں نہیں بجا رہا تھا؟ اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ جواب جاننا بھی نہیں چاہتی تھی سیڑھیوں پر قدموں کی دھمک سن کر وہ اور بھی سمٹ گئی اور سر کے گرد بازو لپیٹ کر چہرہ گھٹنوں میں چھپالیا۔ وہ کسی کی نظروں میں آنا نہیں چاہتی تھی۔ اس سے اس کے دل میں صرف اتنی خواہش تھی کہ چاند رات پلک جھپکنے میں بیت جائے صبح کا دن بنا کوئی آہٹ کیے گزر جائے اور وہ یہیں چھپ کر بیٹھی رہے کوئی اسے یہاں سے اٹھنے پر مجبور نہ کرے۔

اماں ندرت اور آنٹی صالحہ قریب پہنچیں تو وہ نم آنکھوں کو جلدی سے پونچھ کر کھڑی ہو گئی۔

''اسلام علیکم آنٹی۔''

''عید کا چاند تو اب نظر آیا ہے۔'' آنٹی صالحہ نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پیشانی چوم لی۔

''چلو بازار جا رہے ہیں سب چوڑیاں خریدنے۔''

اس نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرے پاس پچھلی عید کی ڈھیروں چوڑیاں پڑی ہیں ان میں سے پہن لوں گی۔''

اماں نے آگے بڑھ کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ''میں اتنے جوتے ماروں گی تجھے کہ ایک بال بھی باقی نہ بچے گا۔ شرافت سے اتر نیچے۔ صالحہ کے سامنے بے عزت ہو کر اچھی رہے گی؟''

''آپ کیا پٹیاں پڑھانے لگیں رانیہ کو؟'' انہوں نے اماں کو بازو سے تھام کر پیچھے ہٹا لیا۔

''میری بیٹی میری بات نہیں ٹالے گی۔''

وہ ان کے ساتھ خاموشی سے سیڑھیاں اتر آئی۔

ندرت کو دانیال بائیک پر لے جا رہا تھا۔ وہ' انیقہ' آنٹی صالحہ گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئیں۔ ڈرائیونگ سیٹ پر وہ براجمان تھا۔ بازار تک کا سفر خاموشی سے کٹا کبھی کبھار آنٹی صالحہ کوئی بات کہہ دیتیں گو گاڑی کی اونگھتی ہوئی فضا میں لہر سی اٹھتی۔ جو ہوں، جی ہاں' اچھا کے بعد پھر سکوت کی چادر اوڑھ لیتی۔

بازار میں وہ سب سے پیچھے چل رہی تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے نظر اٹھا کر خود سے کچھ فاصلے پر سر جھکائے سست روی سے قدم اٹھاتے صائم کو دیکھا۔ جگمگاتی روشنیوں میں نہایا اس کا وجود مضمحل نظر آتا تھا۔ ملگجا حلیہ اور بال بکھرے ہوئے اس کی سرخ و سپید رنگت میں زردی کی ہلکی سی آمیزش تھی اور چال

میں اکتاہٹ۔

''ان سات دنوں میں کتنا بدل گیا ہے۔ آج سب ٹھیک ہو جائے گا۔ شمی آجائے گی تو کچھ بھی غلط نہیں رہے گا۔ نہ اداسی نہ بے ترتیبی نہ اکتاہٹ نہ اضمحلال کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔''

اس نے تلخی سے سوچتے ہوئے حلق میں نمک کا کھارا ذائقہ محسوس کیا۔ رنگینیاں دھند لانے لگیں سجی ہوئی دوکانوں کے جلتے بجھتے نیون سائن پگھل کر ٹیڑھے میڑھے ہونے لگے چمکتے حروف پھیل کر بدہیت ہو گئے۔ بھنبھناتی ہوئی آوازوں کا شور اس کے کان کی لو سے چمٹ کر پھنکارنے لگا۔ خوشی سے دمکتے چہرے، رنگین ملبوسات' کیوٹکس لگے چمکیلے ناخن چوڑیوں سے آراستہ بل کھاتی ہوئی بانہیں مسکراتے ہونٹوں پر جمی لپ اسٹک کا شوخ رنگ۔ رنگ اس کی آنکھوں میں کرچیاں بن کر چبھنے لگے۔ بار بار آنکھیں خشک کرنے کے لیے ہاتھ اوپر لے جاتے ہوئے وہ یوں ظاہر کرتی جیسے ماتھے پر جھولتی لٹ ہٹا رہی ہو۔

یک لخظہ وہ چونک گئی۔ اس کے پہلو میں چلتے ہوئے صائم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ یوں بھرے بازار میں ہاتھ تھامنے پر اس نے بری طرح گھبرا کر دائیں بائیں مضطرب نگاہوں سے دیکھا۔ چوڑیوں کے ایک اسٹال پر دانیال ندرت کی بانہوں میں چوڑیاں پہنا رہا تھا۔ وہ دونوں مسلسل ہنس رہے تھے۔ آنٹی صالحہ اور رانیقہ خدا جانے کدھر تھیں۔ صائم اسے بازو سے پکڑ کر ایک نسبتاً کم رونق والے قطعے میں لے آیا۔ اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا تھا۔

''تم نے مہندی نہیں لگائی؟'' اس کی ہتھیلی اپنے سامنے پھیلاتے ہوئے اس نے مدھم آواز میں پوچھا۔

اس نے آہستگی سے ہاتھ چھڑا لیا۔ ''صرف یہ پوچھنے کے لیے تم مجھے یہاں لائے ہو؟''

''نہیں کچھ بتانا بھی ہے تمہیں۔''

وہ خاموش رہی۔

''شمی نہیں آ رہی۔ اس نے فون پر اطلاع دی ہے۔''

رانیہ نے اپنے اندر کوئی ہلچل محسوس نہیں کی۔ پھر اس نے صائم کے ملول چہرے کو ایک نظر دیکھا تھا۔

''تم اداس ہو؟''

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ چند لمحے خاموشی سے دبے پاؤں گزر گئے۔

''وہ کہتی ہے تم رانیہ سے محبت کرتے ہو۔''

''تم نے اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہیں کی؟''

''یہی تو مسئلہ ہے۔'' وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔ ''وہ سچ کہتی ہے۔''

اس نے بھیگی پلکیں اٹھا کر ایک جلتی نگاہ اس کی اجلی پیشانی پر کروٹیں لیتے سیاہ بالوں اور گہری بھوری آنکھوں پر ڈالی۔

''یہ مذاق ہے تو نہایت بھونڈا ہے۔''

''میں نے شمی سے کبھی بھی محبت نہیں کی۔ وہ صرف میری۔''

اس نے صائم کی بات کاٹ دی۔

''میں نے تم سے کوئی وضاحت طلب نہیں کی۔''

''لیکن میں تو وضاحت دینا چاہتا ہوں۔ اب اگر تم نے مجھے ٹوکا تو میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔''

رانیہ نے حیرت سے اس کے بدلے ہوئے لہجے کو سنا۔

''میں چوک میں کھڑا ہو کر اعلان کر دوں گا کہ تم پھندے لگا کر معصوم چڑیوں کا شکار کرتی ہو اور سینما میں ننھے بچوں کو کچل کر گزر جاتی ہو۔'' وہ بہت سنجیدہ لگ رہا تھا۔

''اور یہ بھی کہ تمہیں ایک ہی دن میں کم از کم دس بار مائی کہہ کر پکارا گیا۔ کیا تم ان سب باتوں کے لیے تیار ہو۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ہنسی آ گئی۔ اس نے ٹھوڑی سینے سے لگا کر مسکراہٹ پوشیدہ رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن صائم دیکھ چکا تھا۔

''شمی وہیں سے نیویارک واپس چلی جائے گی۔ میرے اور اس کے درمیاں کچھ نہیں تھا کم از کم میں تو اس بارے میں قسم اٹھا سکتا ہوں۔''

''جھوٹی قسمیں اٹھانے سے قہر ٹوٹ پڑتا ہے۔'' وہ خشمگیں آواز میں بولی۔

''شمی کے دل میں اگر کوئی ایسی بات تھی بھی تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں تو صرف تمہیں چاہتا ہوں اور تمہیں ہی چاہتا رہوں گا۔''

اس نے بے یقینی سے اس کے تاثرات کو کھوجا۔

''وہ سب کیا تھا؟''

''وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ شمی کے ساتھ کوئی نفسیاتی مسئلہ ہے۔ وہ نامکمل توجہ سے مطمئن نہیں ہوتی۔ جب تک اسے یقین نہ دلایا جائے کہ آپ دل و دماغ کی ہم آہنگی سے اس سے۔''

''محبت کرتے ہیں۔'' رانیہ نے فقرہ مکمل کیا۔

''بکواس نہ کرو۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے میں نے کتنے کٹھن دن گزارے ہیں اس کے ساتھ ایک ایسے شخص کے ساتھ رہنا جو مسلسل آپ کی توجہ چاہے اور ایک لمحے کی بھول چوک بھی معاف نہ کرے کوئی آسان کام نہیں ہے۔ میں نے ستائیسویں کی رات مسجد میں جا کر صدق دل سے گڑگڑا کر دعا مانگی تھی کہ وہ واپس نہ آئے اور خدا نے میری سن لی۔ میری عید برباد ہونے سے محفوظ ہو گئی۔''

جلتے بجھتے نیون سائن اپنی اصل حالت میں واپس آ چکے تھے۔ آوازوں کی کرختگی مفقود ہو چکی تھی۔

رنگ آنکھوں کو بھلے لگ رہے تھے۔

''یعنی تم اس کے ساتھ منافقت کرتے رہے۔ شرم نہیں آتی تمہیں۔''

وہ دھیرے سے مسکرایا۔ ''منافقت نہیں۔ ہمدردی اور آخری میری کزن ہے وہ۔''

''بہن کہتے ہوئے زبان جلتی ہے۔'' اس نے تڑخ کر کہا۔

''میری تو کوئی بہن نہیں ہے۔ والدین کا اکلوتا بیٹا ہوں میں۔''

''اس روز سحری کے وقت تم نے کنگ سائز مینڈکوں کو بھی مات دی۔ تمہاری خوش گلوئی کے نتیجے میں اب تک کانوں کے پردے لرز رہے ہیں۔''

''آؤ گاڑی میں چل کر بیٹھیں یہاں بہت لوگ ہیں'' اس نے بازو پھیلا کر اس کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔

''میں نے شمی کے لیے ایک تحفہ خریدا تھا۔'' اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

''چلو اب وہ تمہیں دے دیتا ہوں۔ اس طرح پیسے بھی بچ جائیں گے اور ویسے بھی وہ تحفہ شمی کے شایان شان نہیں تھا۔''

وہ ہونٹ بھینچ کر اس کی مسکراہٹ میں الجھی رہی۔ اس نے ڈیش بورڈ سے ایک سرخ مخملی ڈبیا نکالی اور جھلملاتا مائینکلس اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

''یہ تو صرف میری صراحی دار گردن میں ہی بچ سکتا ہے۔ باجی شبینہ پہن لیتیں تو قربانی کا جانور نظر آتیں۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر ڈبیا لینا چاہی تو صائم نے ایک جھٹکے سے ڈھکن بند کر کے بازو سمیٹ لیا۔

''پہلے وہ سارے تحفے میرے حوالے کرو۔ جس کا وعدہ تم لوگوں نے کیا تھا۔''

''میں نے کب کوئی وعدہ کیا تھا۔ وہ تو دانیال کے منہ سے بات پھسل گئی تھی غلطی سے۔''

''اچھا ایک بات تو بتاؤ۔'' وہ اسے جانچتی نظروں سے دیکھ کر بولا۔

''شمی کی تصویریں اور اس کے کارڈ تم نے پھاڑے تھے؟''

وہ صاف مکر گئی۔ ''ہرگز نہیں مجھے کیا پڑی ہے باجی شبینہ کی تصویریں پھاڑنے کی میں نے تو۔'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

''وہ فون تو تم لوگوں نے کیا تھا۔ میں ابو کے بیڈروم ایکسٹینشن سے سن رہا تھا۔ خاصا دلچسپ تھا۔''

رانیہ نے مچل کر پہلو بدلا ''ہمیں کیا ضرورت ہے ایسا گھٹیا فون کرنے۔'' اس نے زبان دانتوں تلے دبالی لیکن دباؤ ذرا ہلکا رکھا۔ زبان کٹ جاتی تو اتنی حسین دوشیزہ تتلاتی اچھی لگتی کیا۔

''تمہیں کیسے معلوم وہ فون گھٹیا تھا؟''

''اچھا چھوڑو بھی۔'' اس نے زور سے ہاتھ جھٹکے۔

''مجھے چوڑیاں تو پہنا دو اس بدذات ندرت نے کندھوں تک بازو بھر لیے ہیں۔''

''چلتے ہیں اتنی جلدی بھی کیا ہے۔'' وہ کھسک کر قدرے قریب ہو گیا۔ تو رانیہ نے گھبرا کر اسے دیکھا اس کی آنکھوں میں جو کچھ اسے نظر آیا تھا وہ حواس مختل کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ سمٹ کر کھڑکی سے لگ گئی۔

''ابو آج رات پہنچ رہے ہیں۔ کل عید کے دن امی ابو تمہاری طرف آئیں گے انہیں چڑی پکوڑے بنا کر کھلانا۔ بہت متاثر ہوں گے۔''

''اونہہ یہ کوئی آسان ڈش نہیں ہے۔ چڑیاں پکڑنا بڑا جان جوکھم کا کام ہے۔ بڑی مکار اور'' وہ سٹپٹا کر خاموش ہو گئی۔ صائم نے اس کا ہاتھ گرفت میں لے لیا تھا۔ اس کی بوجھل سانسوں سے گاڑی کی فضا بھیگنے لگی۔

''مجھے چوڑیاں تو پہنا دو۔ خدا سمجھے تمہیں۔ بے حیائی ہے یہ۔'' وہ رو دینے کو تھی۔

اس کی ہتھیلی پر جھکتے ہوئے صائم نے بہت آہستگی سے کہا۔

''پہلے تمہارے ہاتھ پر مہندی تو لگا دوں۔''

ختم شدہ

ہن بادل وار برس ڈھولا

کال بیل پر انگلی رکھتے ہی اس کے جسم نے ایک ہچکولا کھایا تھا اور وہ بے اختیار لڑکھڑاتے ہوئے چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ دل اس طرح ڈوب کر دھڑکا تھا جیسے آخری بار دھڑک رہا ہو، کئی لمحے تک سارے بدن میں ایک ارتعاش سا برپا رہا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ کال بیل کو چھونے سے اسے الیکٹرک شاک لگا تھا۔ بلکہ ان ساری اذیات کا باعث وہ بھورے رنگ کا کتا تھا جو گیٹ کے نیچے لگی سلاخوں سے اس پر غرایا تھا۔ اور یقیناً اس پر بھونکنے کے لیے اس نے اپنے جسم کی ساری توانائی خرچ کر دی تھی۔ وہ کئی ثانیے بے جان جسم اور لرزتی ٹانگوں کے ساتھ کھڑی خالی خالی نظروں سے اسے گھورتی رہی، جیسے ہی وہ کچھ حواسوں میں آئی سب سے پہلا کام اس نے یہ لیا کہ ایک موٹا سا پتھر اٹھا کر اس زور سے تاک کر کتے کی تھوتھنی پر مارا کہ وہ درد سے بلبلا کر چیں چیں کرنے لگا۔ زخم اٹھانے کے باوجود اس کی اولوالعزمی میں چنداں فرق نہیں آیا تھا۔ وہ اب بھی باہر نکلنے کی جستجو میں لگتا نظر آ رہا تھا۔ کبھی وہ تنگ سلاخوں میں سے پنجے باہر نکال کر ہوا میں لہراتا اور کبھی نچلے خلا سے تھوتھنی باہر کو دھکیلنے لگتا۔ اس کے جارحانہ تیوروں سے عیاں تھا کہ اگر گیٹ کھلا ہوتا تو وہ ایک لمحہ میں اسے نوچ ڈالتا۔

''اوہ خدایا! یہ اکیڈمی والوں نے مجھے کس خطرناک جگہ پر بھیج دیا ہے۔'' اس نے گیٹ سے اپنا فاصلہ مزید بڑھاتے ہوئے سوچا۔ ''اس خونخوار کتے کی موجودگی میں تو ہرگز یہاں نہیں آیا جا سکتا اسے آج موقع نہ ملا تو پھر بھی اس کا داؤ چل جائے گا۔''

اس نے مدد کے لیے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ لیکن دور دور تک سڑک سے اٹھتی گرد اور دھوپ کی جلن سے سہمے ہوئے درختوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بھونکتے بھونکتے کتے کا گلا بیٹھ گیا تھا۔ لیکن اسے تو جیسے کسی بات کی پرواہ ہی نہ تھی۔ اور وہ اس پر حملہ کرنے کی چاہ میں نیم دیوانہ سا ہو چلا تھا۔ وہ کافی دیر تک چلچلاتی دھوپ میں کھڑی انتظار کرتی رہی کہ شاید گھر کے مکینوں میں سے کوئی اس کی دادرسی کے لیے آ پہنچے۔ لیکن ان لوگوں کے کان پر تو جیسے جوں تک نہ رینگ رہی تھی۔ حالانکہ اس کے خیال میں کتے کا ''راگ رنگ'' ایسا روح فرسا تھا کہ قبروں میں سوئے ہوئے مردوں کو بھی جھنجھوڑ ڈالتا۔

''کیسے لاپروا لوگ ہیں گھر میں ہلکائے ہوئے کتے چھوڑ کر خود چین سے بیٹھے ہیں۔'' اس نے دوبارہ بیل بجانے کے خیال پر لعنت بھیجتے ہوئے واپسی کے لیے قدم بڑھائے۔

کئی روز کی تگ و دو کے بعد ایک اکیڈمی کے ذریعے اسے یہ ٹیوشن ملی تھی۔ پیسے بھی اچھے مل رہے تھے۔اور یہ کالونی بھی اس کے گھر سے زیادہ دور نہ تھی۔اس لیے اس نے خود گھر آکر پڑھانے کی ہامی بھرلی تھی۔ پہلے وہ کچھ متذبذب تو تھی، لیکن کالج کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ٹیوشن پڑھانا ناگزیر ہو چکا تھا اور آج پہلے دن جب وہ مقررہ وقت پر پہنچی تھی تو کتے کے مذموم ارادے آڑے آگئے تھے۔ وہ سڑک پار کر چکی تھی اور اس گھر سے اس کا فاصلہ خاصا بڑھ گیا تھا۔لیکن کتا ابھی تک بدستور بھونک رہا تھا۔گو کہ اس کے بھونکنے کی طاقت اب خاصی ماند پڑ چکی تھی اور وہ تقریباً کھانسنے لگا تھا لیکن اس کے جنون میں کمی نہیں آئی تھی، اس نے جیسے ہی مڑ کر ایک نظر پیچھے ڈالی کتا بری طرح اچھل کر زور وشور سے واویلا کرنے لگا۔ کتے کے اس توہین آمیز انداز نے اسے پتنگے سے لگا دیئے وہ تقریباً دوڑتے ہوئے واپس آئی اور ایک پتھر اٹھا کر اس کا نشانہ لینے لگی۔

''کوئی بات نہیں چاہے یہ ٹیوشن میرے ہاتھ سے چلی جائے لیکن میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ میں یہیں سے پتھر مار مار کر تمہیں سنگسار کردوں گی۔ میں نے بہت برداشت کرلیا۔ بے ہودگی کی کوئی حد ہوتی ہے۔'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے پتھر والا ہاتھ بلند کیا ہی تھا کہ اپنے عقب میں کسی کی آواز سن کر چونکنے پر مجبور ہوگئی۔ بلیک جینز اور وائیٹ اینڈ بلیو لائننگ والی شرٹ میں ملبوس وہ خاصا ہینڈسم نوجوان تھا اور غالباً اسی سے مخاطب تھا کیونکہ کتا تو شاید اس کا مخاطب نہیں ہوسکتا تھا۔

''محترمہ! آپ اس بے بس جانور پر سنگ باری کر کے قتل جیسے قبیح فعل کی مرتکب ہونا چاہتی ہیں۔''

'' آپ کس خوشی میں مجھ سے بے تکلف ہو رہے ہیں۔ یہاں سے چلتے پھرتے نظر آیئے۔ ورنہ میں یہ سنگ باری آپ پر بھی کرسکتی ہوں۔'' اتنی دیر سے دھوپ کی تندی اور کتے کی ہاہاکار برداشت کر کے وہ سخت جھنجھلائی ہوئی تھی۔اوپر سے اس اجنبی کا انداز تخاطب اسے مزید تپا گیا تھا۔

''مجھ خاکسار کو تابش کہتے ہیں اور میں جانوروں کے لیے اپنے دل میں نہایت نرم گوشہ رکھتا ہوں۔''

اس کے لہجے کا نوٹس لیے بغیر وہ ڈھٹائی سے گویا ہوا۔

''کیا پوچھ سکتا ہوں اس معصوم نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔''

''معصوم......'' اس نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے دہرایا۔

''ذرا اس معصوم کو موقع تو دے کر دیکھئے جب یہ آپ کی لاش بھنبھوڑ رہا ہوگا تب آپ کو اس کی ''معصومیت'' کا صحیح اندازہ ہوگا۔اور اب اپنا راستہ ناپیے۔ میں ہرایرے غیرے سے بات چیت نہیں کیا کرتی۔''

وہ تیوریاں چڑھا کر کاٹ کھانے والے لہجے میں بولی۔

''میں تو آپ کو یہ بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر آپ اس غریب کو اس قدر ستائیں گی تو یہ گیٹ کے اوپر سے ہائی جمپ کے ذریعے آپ پر حملہ کر دے گا اور ممکن ہے اب تک یہ ترکیب اس کی سمجھ میں آچکی ہو۔''

''آپ مجھے ڈرانے دھمکانے میں وقت ضائع نہ کریں۔ میں ہر ترکیب سے خود نمٹ سکتی ہوں۔'' اس نے لہجے کو حتی الامکان پرسکون رکھنے کی کوشش کی۔ حالانکہ اس دل دہلا دینے والے انکشاف پہ اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ اور وہ غیر محسوس طور پر قدم بقدم پیچھے ہٹنے لگی تھی۔

وہ کچھ دیر تو کھڑا اس کے چہرے کے تنے نقوش دیکھتا رہا اور پھر کندھے اچکاتا ایک طرف چل پڑا۔ اسے واپس مڑتا دیکھ کر اس کو ایک خیال سوجھا اس نے آواز میں حتی الوسع مٹھاس گھولتے ہوئے اسے پکار لیا۔

''بھائی میرا ایک کام تو کر دیجئے۔'' وہ یکبارگی تڑپ کر مڑا تھا۔

''بھائی؟ آپ اتنی بدذوق ہوسکتی ہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا اس آگ برساتے موسم میں آپ کی زبان نے جو شعلہ اگلا ہے اس نے میری روح کو بھی جھلسا ڈالا ہے۔''

''اب آپ کی عمر اتنی زیادہ بھی نہیں ...... کہ میں آپ کو انکل کہوں اور اگر مجھے آپ سے کام پڑ ہی گیا ہے تو اتنا بھی مت پھیلیے بس ذرا یہ کال بیل تو بجا دیں۔''

''کیا......؟ وہ اچھل کر پیچھے ہٹا۔

''آپ نے میری جان کو اس قدر ارزاں سمجھ رکھا ہے' یقین مانیے میری اس کتے سے ہرگز کوئی جان پہچان نہیں ہے۔''

''تو پھر جائیے یہاں کھڑے میرا دماغ کیوں چاٹ رہے ہیں۔'' اس نے ماتھے پر آئے پسینے کو اس زور سے پونچھا کہ جلد دکھنے لگی۔

''خیر اب میں ایسا بھی گیا گزرا نہیں ہوں کہ ایک دکھی حسینہ کی اتنی سی مدد نہ کرسکوں نجانے کیوں آپ کے لیے جان جوکھوں میں ڈالنے کو جی چاہ رہا ہے۔'' وہ تیز قدموں سے گیٹ کو طرف بڑھا اس کے قریب آنے پر کتا حیرت انگیز طور پر پرسکون ہوگیا تھا اور اب دم ہلاتے ہوئے ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔

''اے نیڈو چلو بھاگو یہاں سے۔'' اس نے کتے کو پچکارتے ہوئے گیٹ کو اندر کو دھکیل دیا۔

''آیئے محترمہ تشریف لائیے۔'' وہ سیاہ بھنورا آنکھوں میں شرارت لیے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

کتا وہاں سے غائب ہو چکا تھا وہ ہونق بنی ابھی تک وہیں جمی کھڑی تھی۔ ویسے معاملہ کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آچکا تھا یقیناً یہ لڑکا اس گھر کا رہنے والا تھا۔ اسی لیے کتے نے اس قدر شناسائی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''گھٹیا، بدمعاش لفنگا، اتنی دیر سے دھوپ میں کھڑے ہو کر تفنن فرمایا جارہا تھا میرا تو میک اپ بھی بہہ کر برابر ہو چکا'' وہ دل ہی دل میں اسے کوستے ہوئے ساتھ ہولی۔

''ویسے مجھے آپ سے اسی گھٹیا رویے کی توقع تھی اور میں نے آپ کے بھونڈے مذاق کو ہرگز

انجوائے نہیں کیا۔'' اس نے حساب برابر کرنا ضروری سمجھا۔ جواب میں وہ کچھ بولنے کے لیے منہ کھول ہی رہا تھا کہ ڈرائنگ روم سے باہر نکلتی خاتون کو دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

''ارے یہ کون ہیں؟''

''بھابھی دراصل یہ نیڈو کو قتل......''

''جی میں ٹیوشن پڑھانے آئی ہوں۔'' اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے جلدی سے کہا۔

''اوہ تو آپ ہیں نگہم، آپ پہلے ہی دن آدھا گھنٹہ لیٹ ہیں۔'' رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے خاصے روکھے پھیکے لہجے میں کہا گیا۔

''اگر آپ اس گھر میں ٹیوشن پڑھانا چاہتی ہیں تو وقت کی پابندی آپ کے لیے لازمی ہوگی۔ بے بی کو پانچ بجے قاری صاحب پڑھانے آتے ہیں۔ بہرحال آپ ڈرائنگ روم میں تشریف رکھیے۔ بے بی وہیں انتظار کر رہی ہے۔ مجھے دراصل ایک پارٹی میں پہنچنا ہے، انشاء اللہ کل آپ سے تفصیلی ملاقات ہوگی۔'' وہ اسے کچھ بولنے کا موقع دیئے بغیر عجلت میں کہتے ہوئے پورٹیکو میں کھڑی مرسڈیز کی طرف بڑھ گئیں۔

''ہونہہ بدذات، مغرور عورت جیسے میں تو اس گھر کی چاکری کرنے کے لیے مری جا رہی ہوں۔'' اس نے نخوت سے ہنکارا بھر کر ڈرائنگ روم کا رخ کیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی خنک ہوا کا جھونکا چہرے سے ٹکرایا تھا۔ اے سی کی ٹھنڈک سے رچے بسے اس کمرے میں آنے کے بعد اسے حقیقی معنوں میں دوزخ اور جنت کا فرق معلوم ہو رہا تھا۔ سامنے صوفے پر ایک پانچ چھ سال کی دبلی پتلی بچی بیٹھی تھی اور اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''کیا آپ میری ٹیوٹر ہیں؟'' وہ آگے بڑھ کر اس کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''جی میں آج سے آپ کو پڑھایا کروں گی۔'' وہ خاصے شگفتہ لہجے میں بولی تھی اور اسے خود اپنے لہجے پر حیرت ہو رہی تھی، شاید کمرے کی پرسکون مہکتی خنک فضا نے اس کے حواس پر اچھے اثرات مرتب کیے تھے۔

''آپ کا نام کیا ہے؟۔''

''الغایہ۔''

''کیا کہا؟ الگایا'' اس نامانوس سے نام کو زیر لب دہراتے ہوئے بچی کی طرف غور سے دیکھا۔ اسے تو اس باریک سی بچی میں گائے والی کوئی خصوصیات نظر نہیں آ رہی تھیں۔

''آج کل والدین بھی بچوں کے کیسے عجیب و غریب نام رکھنے لگے ہیں۔ خیر میری بلا سے الگایا چھوڑ ال بھینسا رکھ لیں۔'' وہ سر جھٹکتے ہوئے بچی کی طرف متوجہ ہوئی۔ جو بڑے شد و مد سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''الگایا نہیں الغایہ۔'' اس نے تلفظ پر پورا زور لگا دیا تھا۔

''اس سے بھی کچھ خاص فرق نہیں پڑا۔'' وہ بڑبڑائی۔

''آنٹی کون سی بک نکالوں؟''

''کیا میں تمہیں آنٹی نظر آرہی ہوں؟'' اس کا والیوم خاصا لاؤڈ ہوگیا تھا۔'' میرا مطلب ہے ٹیچر کو آنٹی تونہیں بولتے، آپ مجھے مس کہہ لیں۔''

دوسرے ہی لمحے اس نے شگفتگی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ پہلا ہی دن تھا اور بچی کو خوفزدہ کرنا کچھ مناسب نہ تھا۔

''اچھا آپ اردو کی کاپی نکالیں، پہلے میں آپ کا اردو کا ٹیسٹ لوں گی۔ انگلش میڈیم اسکولز میں پڑھنے والے بچوں کی اردو ہمیشہ ویک ہوتی ہے۔'' اس نے الغابیہ کو جملے بنانے کے لیے کچھ الفاظ لکھوا دیئے اور خود گھر والوں کو صلواتیں سنانے لگی۔ جنہوں نے ابھی تک اسے پانی کا بھی نہیں پوچھا تھا۔ اور وہ نیم مسخرہ سا نوجوان بھی کہیں غائب ہو چکا تھا۔

''یہ لیجیے مس آنٹی، لائم جوس پی کر دماغ کے کھولاؤ کو کم کیجیے۔'' وہ اچانک ہی کہیں سے نمودار ہوا تھا۔ شاید دوسری طرف کے دروازے سے اندر آیا تھا اور یقیناً چھپ کر باتیں بھی سن رہا تھا۔ ورنہ آنٹی اور مس والا تذکرہ کیوں کرتا۔

اس نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے ایک ادائے بے نیازی سے گلاس ٹرے سے اٹھانا چاہا تو اس نے ایک جھٹکے سے ٹرے پرے کر دی۔

''آپ تو ایسے جوس پر ٹوٹی پڑ رہی ہیں جیسے زندگی میں پہلی بار آپ کے ساتھ ایسا اتفاق ہو رہا ہو۔''

تابم کا ہاتھ ابھی تک فضا میں معلق تھا اور خفت کے مارے پیشانی عرق آلود ہوگئی تھی۔'' میں نے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی کیوں؟'' وہ نظریں جھکا کر خود کو لعن طعن کرنے لگی۔ شرمندگی سے زمین میں گڑی جارہی تھی۔ اوپر سے الغابیہ نے نہایت خباثت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

''یا خدا اسے اٹھا لے یا...... '' وہ سوچتے سوچتے رک گئی۔'' یا اسے ہی اٹھا لے۔'' اس نے فیصلہ کیا تھا کہ جب تک وہ کمرے میں رہے گا اس کی طرف نہیں دیکھے گی۔

''ارے خواہ مخواہ شرمانے کی ضرورت نہیں ہے، بے خطر سارا گلاس چڑھا جایئے آپ سے کوئی نہیں چھینے گا۔'' وہ بڑی فرصت سے عین اس کے سامنے صوفے پر براجمان ہو چکا تھا۔ جوس کا گلاس سینٹر ٹیبل پر رکھا ہوا اس کی نظروں کے فوکس میں تھا اور مسلسل اسے ترغیب دے رہا تھا۔ پیاس سے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے۔ لیکن انا کا تقاضا تھا کہ وہ پیاس سے جاں بلب ہو جائے لیکن جوس کو پینے کا گمراہ کن تصور بھی اپنے ذہن میں نہ لائے وہ براہ راست تابش کی طرف دیکھنے سے احتراز برت رہی تھی۔ لیکن اسے احساس تھا کہ وہ مسلسل اسے ہی گھورے جارہا ہے۔

''کیا یہ اسی طرح سر پر سوار رہے گا؟'' اس نے کلس کر سوچا اور اس کی طرف سے قدرے رُخ موڑ کر

بیٹھ گئی۔

''مس میں نے جملے بنالیے ہیں آپ انہیں چیک کر کے مجھے اسٹار ضرور دیجیے گا۔'' الغایہ نے کاپی اس کی طرف بڑھائی، پہلا جملہ پڑھتے ہی اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

''علی نے عید پر سفید کتا پہنا۔''

''ہائیں یہ کیا لکھا ہے؟''

''اوہ آپ کو پڑھنا نہیں آتا۔'' وہ تاسف کا اظہار کرتے ہوئے اس کے قریب کھسک آئی۔

''کوئی بات نہیں میں آپ کو پڑھنا سکھا دوں گی۔''

''خاموش بیٹھو اور مجھے چیک کرنے دو۔'' اس نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ تابش کی موجودگی اسے سخت کوفت میں مبتلا کر رہی تھی۔ اگلا جملہ پہلے سے بھی بڑھ کر تھا۔

''بے چاری بڑھیا لڑکیاں بیچ کر گزارا کرتی تھی۔''

''کیسی مجرمانہ سوچ ہے، اس چھوٹی سی بچی کی۔'' اس نے جان بوجھ کر کاپی جوس کے گلاس پر پٹخ دی۔ گلاس اس دھچکے کو سہار نہ سکا تھا اور الٹ کر ایک چھناکے سے نیچے جا گرا۔ تابش جوس کے چھینٹوں سے بچنے کے لیے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''ارے آپ نے تو پہلے ہی دن ہمارے گھر میں توڑ پھوڑ شروع کر دی۔ مانا آپ پہلی دفعہ مہذب دنیا میں آئی ہیں لیکن اب آپ کو پرانے طور طریقے چھوڑ دینے چاہئیں۔''

''آپ خود ہوں گے جنگلی۔'' اس کے صبر کا پیمانہ اب چھلک رہا تھا۔

''میں نے آپ کو جنگلی کب کہا۔ اگر آپ خود ایسا سمجھتی ہیں تو یہ آپ کی خودشناسی کی دلیل ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے مسلسل طنز پر طنز کیے جا رہا تھا۔

''آپ یہاں سے جاتے ہیں یا میں آپ کو دھکے دے کر نکالوں؟'' غصے کے مارے اس کی گردن کی رگیں ابھر آئیں۔

''چہ خوب، یعنی اب میرے گھر میں مجھی کو دھکے دیے جائیں گے۔''

''ٹیچر آپ نے مجھے اسٹار تو دیا ہی نہیں۔'' الغایہ اب تک اپنی کاپی میں کسی متوقع اسٹار کو ڈھونڈ رہی تھی اور شاید اسی لیے خاموش تھی۔

''تمہیں تو اس شاندار کارکردگی پر ستارہ جرات سے نوازنا چاہیے۔ میں جا رہی ہوں اور اگر تم اور وہ کتا اس گھر میں مستقل رہتے ہو تو شاید میں الغایہ کو نہ پڑھا سکوں۔'' وہ دروازہ ایک دھماکے سے بند کر کے باہر نکل آئی۔ باہر نکلتے ہی لو کے تھپیڑے نے اس کا استقبال کیا تھا شدید پیاس، جان لیوا گرمی اور اس قدر توہین کا احساس اسے رونا آ رہا تھا۔ لیکن سامنے دیکھتے ہی اسے حقیقتاً رونا آ گیا۔ نیڈو آنکھوں میں عجیب وحشیانہ چمک

لیے نیچے تلے قدموں سے اسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خوف سے اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''یا اللہ، مجھے اس موذی سے بچالینا'' اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تابش ڈرائنگ روم کے دروازے میں کھڑا اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''اگر اس کتے نے مجھ پر حملہ کیا تو میں تمہاری تکہ بوٹی کر دوں گی۔ میں، میں اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گی۔'' خوف سے اس کی زبان میں لکنت آ گئی تھی اور جو الا بلا منہ میں آ رہا تھا بولے جا رہی تھی۔

''میں تم سب کو دیکھ لوں گی۔''

تابش کی مسکراہٹ اور سکون میں سرمو فرق نہ آیا تھا۔

''آپ خود ماشاء اللہ اتنی باوصف ہیں۔، یہ بے چارہ آپ کے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہے۔'' اس کی طرف سے کٹھور پن کی انتہا پر نگہم کی ٹانگوں کی لرزش میں اضافہ ہو گیا۔ نیڈو کی اس سے قربت خطرناک حد تک بڑھ چلی تھی اور اس کے حلق سے نکلنے والی غراہٹیں اسے جی جان سے لرزا رہی تھیں۔

''الغایہ'' اس نے گھگھیاتے ہوئے پکارا۔ کتے نے یکدم اس کی طرف چھلانگ لگادی بس پھر کیا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے دل خراش چیخوں کا تانتا باندھ دیا۔

''کیا ہوا مس؟۔'' الغایہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ہلا رہی تھی۔

''آپ رو کیوں رہی ہیں؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں۔ تو نیڈو کو تابش کے قدموں میں لوٹتے دیکھ کر اس کا جی چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے لیکن اس ''وہ'' سے مراد وہ تھا جو منہ پھاڑ کر یوں قہقہے لگا رہا تھا جیسے کوئی میدان مار لیا ہو۔ اس نے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے الغایہ سے ہاتھ چھڑا لیا اور تقریباً بھاگتے ہوئے گیٹ سے باہر نکل آئی۔ تابش نے گیٹ تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

''کل آپ کس وقت آئیں گی دیکھیے ذرا جلدی آجایئے گا۔ کہیں بھابھی آپ کو نکال کر کوئی نئی ملازمہ نہ رکھ لیں۔''

وہ اپنے گھر تک اسے انواع واقسام کے نازیبا ناموں سے یاد کرتی ہوئی آئی تھی۔ آج کا دن اس قدر منحوس ثابت ہوگا۔ اگر اسے علم ہوتا تو کبھی گھر سے قدم باہر نہ دھرتی۔ اتنے صدمات اٹھانے کے بعد ایک اور حادثہ اس کا منتظر تھا۔ ویگن میں اسے پچھلے حصے میں بیٹھنے کی جگہ ملی تھی۔ بے طرح پیاس اور اعصاب شکن تذلیل نے اس کی رگ رگ میں کھچاوٹ پیدا کر دی تھی۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ کنڈیکٹر کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ اس سے کرایے کے پیسے مانگ رہا تھا۔ اس نے گود میں رکھے پرس کو ٹٹولا اور یہ جان کر اسے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی کہ وہ عجلت اور غصے میں اپنا پرس الغایہ کے گھر ہی چھوڑ آئی تھی اور اس وقت اس کے پاس ایک دھیلا بھی موجود نہ تھا۔ وہ کنڈیکٹر کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پر نظریں گاڑے آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو واپس دھکیلنے کی کوشش میں گم صم سی بیٹھی رہی۔ کنڈیکٹر نے بھی شاید اس کی پریشانی کو بھانپ لیا تھا۔ وہ

رومانیت کی حدوں کی چھوتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''کوئی بات نہیں بادشاہو، آپ بے شک کرایہ نہ دیں۔ ہمارے لیے تو یہی بہت ہے کہ آپ ہماری ویگن میں بیٹھ گئی ہیں۔'' نگہم نے ذرا نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ آنکھیں نیم وا کیے بڑے ہی مخمور انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ کرایہ ادا نہ کرکے جو جرم اس سے سرزد ہوا تھا اس کی پاداش میں اسٹاپ آنے تک کنڈیکٹر اسے ٹھمریاں، دادرے اور ہلکے پھلکے گیت سناتا رہا تھا۔

گھر کے دروازے پر پہنچ کر اس نے بیل پر انگلی رکھی تو پھر اٹھانا ہی بھول گئی آج کے کٹھن سفر کی تھکن نے اسے نیم جان سا کر دیا تھا۔ چند لمحے کھڑے رہنا بھی محال ہو رہا تھا۔

''خدا غارت کرے تجھے، کیا گھنٹی کے ساتھ چمٹ گئی ہے۔'' اماں نے دھاڑ سے دروازہ کھول کر لال آنکھوں سے اسے گھورا۔

''ادھر تیرے ابا کے ملازم ہیں جو تیرے قدموں کی دھمک سنتے ہی دروازہ کھول کر بچھ بچھ جائیں۔'' انہیں شاید نیند سے اٹھائے جانے کا بہت قلق ہوا تھا۔ وہ سنی ان سنی کرتی ہوئی تیر کی مانند کچن کی طرف لپکی۔ جلتے حلق کی آگ بجھا کر جیسے ہی دیگچی کا ڈھکن اٹھایا اسکے منہ سے سسکاری نکل گئی۔

''اماں یہ کیا ٹنڈے ہیں؟''

''نہیں ناشپاتیاں ہیں۔'' وہ برآمدے سے ہی تیز آواز میں بولیں۔

''آج تک تو نے بیسیوں بار ٹنڈے دیکھے اور کھائے۔ کیا اب تک پہچان نہیں ہو پائی۔'' اس نے ٹینڈوں کو نہایت حقارت سے دیکھ کر ڈھکن زور سے پٹخ دیا اور کچن کے دروازے کی طرف مڑ گئی۔ لیکن دروازے کے پاس پہنچ کر ایک دم پلٹی۔ واپس آ کر دوبارہ ڈھکن اٹھایا اور ٹینڈوں کو نکال نکال کر پلیٹ میں پٹخنے لگی۔ پیٹ کے دوزخ کی حد سے بڑھی ہوئی طلب نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ورنہ وہ کبھی ٹینڈوں سے سمجھوتہ نہ کرتی۔ وہ ٹینڈوں کو یوں چبا چبا کر کھا رہی تھی جیسے تابش کا نرخرہ چبا رہی ہو۔ یہ خیال اس کی جھنجلاہٹ او رکوفت میں اضافہ کا باعث تھا کہ کل اسے پھر اس گھر میں جانا تھا جہاں اس ذلیل تابش کی وجہ سے وہ بے تحاشا شرمندگی اٹھا چکی تھی۔ حالانکہ وہ تو یہ ٹھان کر وہاں سے نکلی تھی کہ دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کرے گی، لیکن پرس کے وہاں رہ جانے کے باعث دوبارہ جانا از حد ضروری ہو گیا تھا۔

''اس گھر کے بارے میں تو کچھ بتا۔ جہاں تو پڑھانے گئی تھی، کیسے لوگ ہیں کیسا رہن سہن ہے۔؟'' اماں کچن میں آ کر اس کے سامنے موڑھے پر بیٹھ گئیں۔ وہ مختصراً انہیں بتانے لگی۔ لیکن جان بوجھ کر تابش والا قصہ گول کر گئی۔ وہ اس واقعے کا ذکر کرکے مزید بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''چلو پھر تو ٹھیک ہے۔ کوئی خاص مشقت بھی نہیں اور اچھے بھلے روپے بھی مل رہے ہیں تو دو چار اور گھروں کے بچے بھی پڑھا دیا کر۔ ہاں یاد آیا کل زینی کا اردو کا پرچہ ہے۔ اسے تو ذرا تیاری کروا دے۔ اس کی

ماں تو ابھی مرگ والے گھر سے لوٹی نہیں، اور بے چاری بچی صبح سے قاعدہ لے کر بیٹھی تیری راہ تک رہی ہے۔''

''کیا......؟۔'' اس کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ گیا۔

''بس بس اب یہ نہ کہنا کہ میں ہل جوت کے لوٹی ہوں، تھکن سے برا حال ہے۔ ابھی سے بچی کو پڑھانے بیٹھ جا، شام ہونے کو آئی ہے۔'' اماں اٹھ کر باہر چلی گئیں۔

زینی اس کے تاثرات دیکھتے ہی خوف سے سمٹ گئی تھی۔

''لاؤ کہاں ہے قاعدہ؟''۔ وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں دھاڑی۔

سہمی ہوئی بچی نے جلدی سے قاعدہ اس کی جھولی میں پھینک دیا۔'' کیا ہاتھ ٹوٹے ہوئے ہیں؟ یسو پنجو، کھیلتے ہوئے تو کبھی نہیں ڈولیں۔'' صبح سے اس کے ذہن میں لاوا سا پک رہا تھا۔ جو کسی طرح باہر کا راستہ چاہتا تھا۔ اب زینی کی صورت میں ایک آسان ہدف اسے مل چکا تھا اور جھنجھلاہٹ نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود کر دی تھیں۔ چند ہی لمحوں میں کمرہ ایک پرائیوٹ عقوبت خانے کا منظر پیش کرنے لگا۔''میم الف ما، رے، ساکن مار۔''

''میم الف مو... رے... مور۔'' زینی خوف سے مغلوب آواز میں منمنائی تھی۔

''میم الف ما...... رے ساکن مار......'' اس نے زینی کی کمر میں دھموکا جڑ دیا۔

''یہ ہوتی ہے مار! میم الف ما، رے الف را۔ مارا۔ ایسے مارا جاتا ہے۔'' دوسرے وار سے زینی اڑتی ہوئی زمین پر آ رہی تھی۔ نگہم پر تو وحشت سوار ہو چکی تھی۔ اس نے زینی کو دھنک کر رکھ دیا۔ چیخ و پکار کی آواز سن کر اماں دوڑتی ہوئی اندر آئیں تو یہ دیکھ کر ان کا کلیجہ دہل گیا کہ زینی کو پہنچانا خاصا مشکل امر ہو چکا تھا۔ اماں تو کیا اس کی اپنی ماں بھی اس وقت اپنی لختِ جگر کو دیکھتی تو پہلی نظر میں دھوکا کھا جاتی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھوں پر فقط اتنی پلکیں باقی رہ گئی تھیں۔ جنہیں آسانی سے گنا جا سکتا تھا۔ وہ کسی نچے کھچے پرندے کی مانند نظر آ رہی تھی۔ اس وقت وہ زمین پر گری تھر تھر کانپ رہی تھی اور نگہم کسی جلاد کی مانند اس کے سر پر تن کر کھڑی تھی۔

''باہر سے کسی کا کلیجہ چبا آئی ہے کیا؟ ڈائن بن کر معصوم بچی کو بھنبھوڑنے لگیں۔'' انہوں نے اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور لرزتی ہوئی زینی کو آغوش میں بھینچ لیا۔

''کیا اس کو بھی ایسے پڑھا کر آئی ہے۔''

''اماں میں تو اسے......''

''بکواس بند کر، گھر آتے ہی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔ باہر تو لوگ جوتے ماریں وہ بھی بھلے لگتے ہیں۔ ذرا بچی کو پڑھانے کا کہہ دیا۔ تو اس کی جان کے درپے ہو گئیں۔''

''اماں میں نے تو آہستہ سے اسے ٹہوکا دیا تھا یہ پھسل کر چارپائی سے گر پڑی۔ آپ تو خوامخواہ بات

بڑھا رہی ہیں......''

''غضب خدا کا یہ تیری آہستہ ہے، جب میں اندر آئی ہوں تو تو آنکھوں میں خون لیے پنجے بڑھا کر بچی کا گلا دبوچنے کو تھی۔ اگر میں نہ پہنچتی تو شاید اب تک تو اس کا گھونٹ بھر چکی ہوتی۔'' اماں ہچکیاں لیتی زینی کو خود سے چمٹائے مسلسل اس کی کمر سہلا رہی تھیں۔ لیکن اب تک اس کے جسم پر خفیف سی کپکپی طاری تھی۔

''چل اب دفع بھی ہو یہاں سے قصاب زادی۔''

اماں نے نفرت سے رُخ پھیرتے ہوئے اسے باہر کو دھتکارا اور وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے پیر پٹختے ہوئے برآمدے میں آ گئی۔

◀▶▶◀▶◀◀▶

''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ جوس کے ایک گلاس سے محرومی کے دکھ کو یوں دل کا روگ بنالیں گی تو میں کل ہی آپ کو جوس میں نہلا دیتا اور اب بھی میں اپنی اس کوتاہی کا ازالہ کرنے کے لیے بے چین ہوں مجھے ایک موقع دیجیے۔'' وہ جب سے آئی تھی تابش مسلسل اس کے کان کھا رہا تھا۔

''الغایہ اب تک نہیں آئی۔'' اس نے بظاہر اسے نظر انداز کرتے ہوئے لاتعلقی کا اظہار کیا۔

''آپ کو بتایا تو ہے وہ سوئمنگ کا سیٹوم چینج کر کے ابھی آ رہی ہے۔ آپ اسے چھوڑیے اور مجھ پر توجہ دیجیے۔ کل آپ کے رخصت ہونے کے بعد جیسے میری دنیا ہی اندھیر ہو گئی اور مجھے اندازہ ہوا کہ چند لمحوں کی ملاقات میں آپ میرے لیے کیا حیثیت اختیار کر چکی ہیں اور اگر آج آپ اپنا فیصلہ تبدیل نہ کرتیں تو نجانے میں کیا کر بیٹھتا'' وہ چہرے پر دنیا جہاں کی مسکینی سجائے خاصی لاغر سی آواز میں بول رہا تھا۔

''کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے، یہ تو آپ کی بھابھی جان کی منت سماجت سے پسیج کر میں نے یہاں ٹیوشن پڑھانے کا فیصلہ کیا ہے ورنہ میرے فیصلے کی تبدیلی میں آپ کی ذات کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔'' اس نے وضاحت کرنا ضروری سمجھا۔

''اور یقیناً کچھ دیر بعد آپ نہایت ہی گھسے پٹے الفاظ میں مجھ سے پہلی نظر میں محبت کا دعویٰ کرنا چاہ رہے ہوں گے۔ اگر آپ ایسی کوئی تکلیف محسوس کر رہے ہیں تو میں آپ پر واضح کر دوں کہ مجھے آپ کی اوٹ پٹانگ شخصیت سے ہرگز کوئی دلچسپی نہیں ہے، میں نے آپ کی کل والی بدتمیزی کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اسے ہی بہت سمجھیے اور اب یہاں سے تشریف لے جائیے کیونکہ مجھ میں آپ کو مزید برداشت کرنے کی ہمت نہیں رہی''

''بھئی اعظم جلدی سے آؤ۔'' اس نے جیسے کوئی بات سنی ہی نہ تھی۔ اس کے پکارنے پر ایک آدمی جو حلیے سے خانساماں لگ رہا تھا، ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر آ گیا۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ، یہ دیکھیے مس نگہم میری بے قراری کا اندازہ لگائیے۔ میں نے آپ کے لیے کیا کیا اہتمام کیا ہے۔ بس اتنی سی التجا ہے کہ آپ پرانی باتوں کو بھول جائیں۔ یہ لائم جوس سے بھرا جگ، یہ کافی، ملک

شیک پیٹیز، ٹرائفل یہ سب کچھ آپ کے لیے ہے۔'' وہ کھڑا ہو کر ٹرالی پر رکھی چیزوں کے نام گنوانے لگا۔ جب کہ وہ حیرت سے ٹرالی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جس پر اندازاً چھ آدمیوں کے لیے لوازمات سجے ہوئے تھے۔

''ہوں تو میرے حسن کا جادو چل گیا۔'' اپنے چہرے پر تابش کی بہکی نگاہوں کی حدت محسوس کر کے اس کی رگوں میں دوڑتے خون کی گردش تیز ہوگئی۔

''آپ پلیز کچھ لیجیے ناں۔ اگر آپ نے انکار کیا تو میں یہ پرچ چبا کر جان دے دوں گا۔'' وہ جھک کر نہایت لجاجت سے کہہ رہا تھا۔

اس کے انداز پر نہ چاہتے ہوئے بھی نگہم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس کی مسکراہٹ کو رضا مندی سے تعبیر کرتے ہوئے تابش نے فوراً ملک شیک کا گلاس اٹھا بڑی عاجزی سے اس کی طرف بڑھایا۔ لیکن وہ خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔ ہاتھ بڑھانے سے جھجک رہی تھی۔ کیونکہ اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ کل والی حرکت آج بھی دہرا دیتا۔

''اچھا تو آپ ابھی تک خفا ہیں۔ اس کا مطلب ہے آپ مجھے زندہ نہیں دیکھنا چاہتیں۔ پلیز ایسا ظلم نہ کریں۔'' اس نے کربناک لہجے میں کہتے ہوئے گلاس اس سے اس قدر قریب کر دیا کہ مجبوراً اسے ہاتھ بڑھا کر گلاس تھامنا پڑا۔ کیونکہ تابش نے گلاس کو اس حد تک ترچھا کر دیا تھا کہ اگر وہ نہ پکڑتی تو ملک شیک لازماً اس کے کپڑوں پر چھلک جاتا۔ اسے ملک شیک پیتے دیکھ کر تابش اطمینان کی طویل سانس خارج کرتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کل نیڈو نے آپ کے ساتھ بہت بدتمیزی کی اس کی گستاخی پر میرا تو خون کھول رہا تھا۔ اس لیے میں نے اسے ٹھیک ٹھاک سزا دی ہے۔''

''وہ کیسے؟'' وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

''میں نے اس کا دو وقت کا دودھ بند کر کے اس سے آپ کے لیے ملک شیک تیار کروا دیا ہے۔''

''کیا؟'' اس کے گلاس والے ہاتھ میں لرزش آگئی۔

''جی ہاں وہ دودھ پینے کے لیے برتن میں تھوتھنی گھسائے بیٹھا تھا کہ میں نے اس کے منہ پر چانٹا رسید کیا اور دودھ ضبط کر کے بٹلر کو دے دیا تاکہ آپ کے لیے شاندار ملک شیک بنا دیا جائے۔''

نگہم کو اس زور سے کھانسی آئی کہ سانس الٹنے لگا۔ وہ اس کی شان میں خاصا طویل قصیدہ کہنا چاہتی تھی لیکن اچھولگ جانے کے باعث محض بے ہودہ اور کمینہ ہی کہہ پائی۔

وہ اس کی دگرگوں حالت پر فاتحانہ قہقہے بکھیرتا رخصت ہوگیا تھا۔

''میں اتنی بے وقوف ہو سکتی ہوں مجھے یقین نہیں آ رہا۔'' اس نے بال مٹھی میں جکڑتے ہوئے سلگ کر

سوچا۔

''نگہم آپ ٹھیک تو ہیں۔'' مسز فاکہہ انوار الغایہ کو ساتھ لیے اندر آئیں تو اس کا متغیر چہرہ دیکھ کر فکر مند سے انداز میں پوچھنے لگیں۔

''جی میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' اس نے بمشکل لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''چلو الغایہ ٹیچر کو سلیبس پیپر نکال کر دکھاؤ اوہ یہ تو تابش نے آپ کے لیے اچھی خاصی ضیافت کا اہتمام کر ڈالا۔'' ٹرالی پر سجی بے شمار چیزوں کو دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''ابھی جب وہ ڈرائنگ روم سے جا رہا تھا تو بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ لگتا ہے آپ سے صلح ہوگئی ہے وہ اپنے رویے پر سخت شرمندہ تھا اور کل سے آپ کا انتظار کر رہا تھا کہ آپ سے سوری کر سکے۔''

''جی مجھے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو چکا ہے۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بظاہر مسکرا کر بولی تھی۔ اس کے بعد وہ نگہم کے ساتھ الغایہ کے مضامین ڈسکس کرنے لگیں۔ کچھ ہی دنوں میں وہ مسز فاکہہ انوار کے ساتھ خاصی بے تکلف ہوگئی۔ اس میں اس کی خوش مزاجی کو کوئی دخل نہیں تھا بلکہ مسز انوار تھیں ہی اتنی اچھی کہ ان سے دوستی کرنے کو جی چاہتا تھا۔ اس نے ان کے بارے میں پہلے دن جو تاثر قائم کیا تھا۔ وہ کچھ ہی دنوں میں زائل ہوگیا۔ وہ ہر روز کچھ وقت اس کے پاس ضرور بیٹھتیں اور دوستانہ ماحول میں ان سے بات چیت ہوتی رہتی تھی۔

ان کو بھی اپنی شخصیت میں شاہانہ طمطراق رکھنے والی یہ منفرد سی لڑکی بہت بھائی تھی۔ ان کی پسندیدگی کی ایک اہم وجہ اپنے اکلوتے دیور کی روز بروز بڑھتی ہوئی وارفتگی بھی تھی۔ کچھ ہی دنوں بعد انہوں نے نگہم کو اسی کالونی کے ایک اور گھر میں ٹیوشن دلوادی اور وقت بھی ایسا مقرر کروادیا تھا کہ وہ الغایہ کو پڑھا کر فارغ ہوتی تو دوسرے گھر میں پڑھانے کا وقت ہو جاتا۔

نگہم اپنی آمدنی میں اضافے کے باعث کچھ مطمئن تو تھی لیکن چھوٹے بچوں کو پڑھانا کس قدر مشکل کام ہے اس کا اسے پہلے سے ہرگز کوئی اندازہ نہیں تھا گھر میں اگر کبھی وہ بھتیجے اور بھتیجی کو پڑھانے بیٹھتی تو انہیں اس قدر مارتی کہ وہ کئی کئی ہفتے اس کے سائے سے بھی ڈرتے رہتے۔ لیکن ان بڑے گھروں میں تو بچوں سے مارپیٹ کا کوئی تصور ہی موجود نہیں تھا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے غصے پر ضبط کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں نبھا رہی تھی۔ چار سے چھ بجے تک کا وقت اس کے لیے کسی کڑے امتحان سے کم نہیں تھا۔ بعض اوقات تو بچے اسے اتنا زچ کر دیتے کہ وہ بے اختیار ان کی کھال ادھیڑنے کو مچلنے لگتی۔ لیکن یہ نازک مزاج لاڈلے بچے مار کے نام سے بھی ناآشنا تھے۔ اگر کبھی وہ اپنے اسٹوڈنٹس کو گھرک بھی دیتی تو وہ یوں حیرت سے اسے دیکھ لگتے جیسے کوئی انہونی ہوگئی ہو۔ اس کے دو نئے اسٹوڈنٹس کسی حد تک خاموش طبع اور پرامن تھے لیکن الغایہ کو جیسے خاموشی اور سکون سے بیر تھا۔ وہ عجیب وغریب بے سروپا سوالات کر کر کے اس کا ناک میں دم کر دیتی ا ایسے وقت میں جب اس کا پارہ بہت چڑھا ہوتا، تابش اس کا ضبط آزمانے پر تل جاتا اور اسے اس بے طرح

دیتا کہ وہ غصے سے پھٹ پڑتی۔
تابش کی لن ترانیاں تو اب معمول کی طرح لگنے لگی تھیں۔ بلکہ اگر وہ کسی دن گھر موجود نہ ہوتا تو نگہم کو بے عنوان سے اضطراب کا احساس ہونے لگتا۔ لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ بعض اوقات تو اسے شک ہونے لگتا کہ وہ خاص طور پر اس کی خاطر چار سے پانچ بجے تک کا وقت گھر پر گزارتا تھا۔ اور یہ خیال کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا۔ وہ جتنا وقت الغایہ کے ساتھ موجود رہتی وہ ڈرائنگ روم کے آس پاس ہی منڈلاتا رہتا۔ نجانے اس کی بے چینی میں پیار کا کوئی رنگ تھا۔ یا وہ خود ہی کسی ایسے رنگین پردے کی اوٹ سے دیکھنے لگی تھی کہ اسے تابش کے ہر انداز میں پیار ہی پیار نظر آتا تھا۔
دھیرے دھیرے وہ دھڑکن کے سرتال میں راگ بن کر بس گیا تھا۔ راتوں کی چپ میں کچھ خواب ستارے پلکوں کی منڈیروں پر اتر آتے اور وہ ساری رات پلکیں نہ جھپکاتی کہ کہیں یہ ستارے ٹوٹ کر ریت نہ ہو جائیں۔

◀▶▶◀▶◀◀▶

''مس ہمیں لان میں بیٹھنا ہوگا لائٹ گئی ہوئی ہے اور جنریٹر بھی خراب ہے۔'' الغایہ نے اطلاع دی تھی۔ وہ لان میں کین چیئرز پر آبیٹھے۔ فضا میں بادلوں کی آہٹ سن کر بے اختیار ہی اس کا موڈ اچھا ہو گیا تھا۔ موسم کی سانسیں برکھارت کے خمار سے بوجھل تھیں۔ بھیگی ہوا کومل سروں میں سرگوشیاں کر کے بدن میں سرمستی پیدا کر رہی تھی۔ بوگن ویلیا کے نازک پھولوں سے چھیڑ چھاڑ کرتی چنچل گوریاؤں کی مدھر چہکاریں شوخ پروائی کے سرگم سے ہم آہنگ ہو کر عجب تال باندھ رہی تھیں۔ اس کے من میں اُمنگ جاگی کہ دھنک کی پازیب پہن کر تتلیوں کے بے چین رقص میں شریک ہو جائے اور یہ انمول لمحے یونہی ٹھہرے رہیں۔ نجانے کتنی دیر وہ بے خود ان لہروں کے دوش پر جھولتی رہی کہ الغایہ نے اس کی محویت کو توڑ دیا اس کی آواز کے پتھر سے خیالات کی روپہلی زنجیر کی کڑیاں ٹوٹ گئی تھیں۔
''کیا بات ہے؟'' وہ زہر خند لہجے میں گویا ہوئی۔ اسے الغایہ کی بے جا مداخلت سخت ناگوار گزری تھی۔
''مس آپ مجھے اس تتلی جیسی لگتی ہیں۔'' اس نے انگلی سے ایک بے حد شوخ رنگوں والی بڑی سی تتلی کی طرف اشارہ کیا جو ابھی ان کے قریب سے ایک نیچی اڑان بھر کر گزری تھی اور اب دیوار سے لپٹی عشق پیچاں کے سبز لمس کو محسوس کرنے کی جستجو میں اس کا رنگین بدن مسلسل ہلکورے لے رہا تھا۔
الغایہ کی بات سن کر اس نے پہلے تتلی اور پھر الغایہ کو گھورا۔
''بڑے افسوس کی بات ہے الغایہ کہ اپنی ٹیچر تمہیں کیڑے مکوڑوں جیسی لگتی ہیں۔''
''آپ ناراض کیوں ہو رہی ہیں، کیا میری بات اچھی نہیں تھی؟''

''بالکل اچھی نہیں تھی، بلکہ بہت بری تھی۔ کیا تمہیں میری چھ ٹانگیں، دو پر اور میرے سر پر دو انٹینے نظر آرہے ہیں؟'' اس نے تند آواز میں پوچھا۔

''نہیں تو۔'' الغایہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سرہلانے لگی۔

''تو پھر میں تتلی کیسے ہوگئی؟ تتلی بننے کے لیے یہ ساری خصوصیات ضروری ہیں جو ابھی میں نے گنوائی ہیں اور اب مزید کوئی بے تکی بات مت کرنا۔ خاموشی سے اپنا ہوم ورک کرو۔'' اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے تنبیہ کی لیکن وہ الغایہ ہی کیا جو خاموش بیٹھ جائے۔ وہ وقفے وقفے سے کسی نئی گتھی میں الجھ جاتی اور اس کے سلجھاؤ کے لیے نگہم کے سر ہوجاتی۔

''کیا تم کچھ دیر کے لیے اپنی چونچ بند نہیں رکھ سکتیں؟''

''مس میری تو چونچ ہی نہیں ہے۔ چونچ تو پرندوں کی ہوتی ہے۔ کیا آپ کو نہیں پتا؟''

''اوخدایا! اس بالشت بھر کی لڑکی نے تو جان عذاب میں کر دی ہے۔''

''اب اگر تم بولیں تو میں تمہارا قیمہ بنا کر نیڈو کو کھلا دوں گی۔''

''وہ قیمہ نہیں کھاتا، مس اسے تو ہڈیاں چبانا اچھا لگتا ہے۔'' وہ دھمکی کی سنگینی کو یکسر نظرانداز کر کے جلدی جلدی نیڈو کی پسند اور ناپسند کے بارے میں تفصیلاً بتانے لگی۔

نگہم نے اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا کیونکہ وہ الغایہ کے رخسار کو چھونے کی خواہش میں سخت بے قرار ہورہا تھا۔

''بس اب تم چھٹی کرو، تمہارے قاری صاحب کے آنے کا وقت ہوگیا ہے۔'' وہ دُکھتی کنپٹیوں کو دباتے ہوئے بھنچی بھنچی آواز میں بولی۔

الغایہ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر صرف ۴۵ منٹ کے قلیل عرصے میں اس کے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

اس کے جانے کے بعد نگہم نے اطمینان کی طویل سانس لی اور اُٹھ کر یونہی بے مقصد ٹہلنے لگی۔ ابھی اس کا جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اس خوابناک ماحول کا تقاضا تھا کہ وہ کچھ دیر یہیں ٹھہر جائے۔ ہوا کے ہاتھ ساز فطرت کے تاروں کو جھنجھنا کر ایسی نغمگی پیدا کررہے تھے کہ جسم کا رواں رواں اس انوکھی لے پر رقصاں ہوگیا تھا۔ اچانک اس کے تھرکتے قدم جیسے نادیدہ زنجیروں نے جکڑ لیے اور نگاہیں انگور کی اس بیل میں اس طرح الجھی تھیں کہ وہ کئی لمحے مبہوت سی کھڑی رہی وہ دراصل اس طرف پشت کیے بیٹھی ہوئی تھی، اسی لیے اب تک شیڈ پر چڑھی ہوئی انگور کے گچھوں سے لدی پھندی بیسیوں بل کھاتی ہوئی یہ بیل اس کی نظروں سے اوجھل تھی۔ اس نے آگے بڑھنے کے لیے قدموں کو جنبش دینا چاہی لیکن قدم تو جیسے وہیں جم کر رہ گئے تھے۔ رس ٹپکاتے سبز انگوروں کی کھلی ترغیب کو نظرانداز کر دینا اس کے بس سے باہر تھا۔

''بے چارے انگور کیسے تھوتھنیاں لٹکائے ترس رہے ہیں کہ کوئی ان کو پیار سے نوچ کھسوٹ کر ان کا مقصدِ حیات پورا کر دے اور اپنی استعداد سے بڑھ کر بوجھ سنبھالے ہوئے یہ تھکن سے چور بیل کیسی مسکین لگ رہی ہے۔'' وہ انگوروں کی بیل کا دکھ اپنے دل میں محسوس کر رہی تھی۔

''اس گھر کے لوگوں کی بے حسی تو انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور اگر میں یہ کام کروں گی تو اسے ایک نہایت ہی نامناسب نام دیا جائے گا۔'' شیڈ کے نیچے کرسی رکھتے ہوئے اس کے ذہن میں ''چوری'' کا لفظ لہرایا تو ایک لمحے کے لیے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ ''استاد تو قوم کا معمار ہوتا ہے اور ایک معمار باغ اجاڑنے جیسی تخریب کاری کا مرتکب کیسے ہوسکتا ہے؟'' استاد کے رتبے اور کردار کے متعلق مختلف اقوال زریں کی ایک طویل فہرست اس کی نظروں کے سامنے مرتب ہونے لگی۔

''یہ سارے اقوال تو استاد کے بارے میں جب کہ میں تو استانی ہوں۔'' اس نے ایک نہایت ''مضبوط'' دلیل سے سارے اندیشوں کے پرخچے اڑا دیئے، کمر کے گرد دوپٹے کو گانٹھ دے کر اس نے سوچوں کی بندش کا اہتمام بھی کر دیا تھا۔ کرسی پر قدم رکھنے سے پہلے اس نے آخری دفعہ اِدھر اُدھر دیکھ کر اچھی طرح اطمینان کیا تھا۔ اس نے ایک ایسے عمر رسیدہ گچھے کا انتخاب کیا، جو اس کے خیال میں زندگی کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں رہا تھا اور ابھی اس کی مشکل آسان کر رہی تھی کہ اعصاب کو جھنجھوڑ دینے والی آواز نے اس کے جسم کی ڈولتی ناؤ کو بھنور کے سپرد کر دیا۔ خاصی دیر تک تو اسے خود پر بیتنے والے سانحے کی نوعیت سمجھ ہی نہ آسکی۔ بس ایسا لگا تھا جیسے زمین و آسمان ڈولنے لگے ہوں، شاید اس نے بیل کے نازک سہارے کو تھامنے کے لیے تگ و دو بھی کی تھی، جس کے نتیجے میں وہ بدنصیب بھی اس کے ساتھ ہی شکستگی سے ہم کنار ہو چکی تھی۔ درد کی ٹیسوں نے دماغ پر چھائے اندھیرے پر غلبہ پایا۔ تو اس نے دھندلائی آنکھوں سے اپنے قریب تابش کو نیڈو کی زنجیر تھامے ہوئے کھڑے دیکھا، حلق سے نکلتی کراہوں کا گلا گھونٹتے ہوئے لرزتے وجود کے ساتھ اُٹھنے کی کوشش میں وہ بری طرح ڈگمگا گئی تھی، پہلی بار اسے احساس ہوا کہ درد کا منبع اس کا بایاں ٹخنہ تھا، اور درد کی شدت سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ اگر ہڈی نہیں ٹوٹی تھی تو بھی کم از کم زبردست موچ ضرور آچکی تھی۔

''تو آپ ڈکیتی کی واردات کر رہی تھیں اچھا ہوا جو میں وقت پر پہنچ گیا ورنہ آپ نے تو ہمیں اچھا خاصا جھٹکا لگا دیا تھا۔'' تابش کی شوخ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی جواب میں اس نے کچھ بولنا چاہا لیکن آنسوؤں سے رندھے ہوئے گلے سے آواز ہی نہ نکل سکی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے دیوار کا سہارا لے کر کھڑی تھی، پیر پر ہلکا سا دباؤ بھی ناقابلِ برداشت اذیت کا باعث تھا۔

''ارے آپ تو مجھے یوں گھور گھور کر دیکھ رہی ہیں جیسے مجرم آپ نہیں میں ہوں، حالانکہ آپ صحت جرم سے انکار کرنے کی پوزیشن میں ہرگز نہیں ہیں۔ مال مسروقہ اس وقت آپ کے ہاتھ میں لٹک رہا ہے۔'' اس نے انگوروں کے گچھے کی طرف اشارہ کیا جو ابھی تک اس کی مٹھی میں بھنچا ہوا تھا۔ خجالت سے بے حال ہوتے ہوئے

اس نے جلدی سے گچھے کو نیچے پھینک دیا اور آنکھوں سے اڈنے والے آنسوؤں کو روکنے کے لیے بری طرح ہونٹ کچلتے ہوئے زمین پر نظریں جمائے کھڑی رہی۔

''تو اس کا مطلب ہے آپ یوں نہیں مانیں گی، چلیے میں آپ کو لے جا کر پولیس اسٹیشن میں جمع کروادوں۔'' وہ اس کی کیفیت سے بے خبر اپنی ترنگ میں کہے جا رہا تھا۔

''آپ انسان نہیں جانور ہیں، آپ کو ذرہ برابر احساس نہیں کہ آپ کے بے ہودہ مذاق کے باعث میں کس قدر تکلیف سے گزر رہی ہوں۔'' آنسوؤں میں بھیگی آواز بمشکل لرزتے ہونٹوں سے برآمد ہوئی تھی۔ درد سہتے سہتے اس کی ہمت جواب دینے لگی اور آنسو ضبط کے بند توڑ کر آنکھوں سے بہہ نکلے تھے، اس کی آواز میں درد کی آمیزش اور رخساروں پر بہتے آنسوؤں کو دیکھ کر تابش کے ہونٹوں پر کھیلتی مسکراہٹ یکدم معدوم ہوگئی اور چہرے پر ندامت کے سائے لہرانے لگے۔

''کیا ہوا آپ کو ٹھیک تو ہیں کیا بہت زیادہ چوٹ لگی ہے؟''۔ اس کے لہجے سے تفکر جھلکنے لگا تھا۔

آپ کو کہا، چاہے میری جان چلی جائے۔ آپ تو اپنے مذاق کے شاندار نتائج دیکھ کر قہقہے لگائیں۔''

اس نے بے دردی سے آنکھیں رگڑتے ہوئے جانے کے لیے قدم بڑھائے تو پیر کی دکھن کے باعث بری طرح لہرا کر رہ گئی۔ اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ دیکھ کر تابش جلدی سے آگے بڑھا۔

''پلیز آئی ایم سوری، آپ بیٹھ جائیں میں ابھی میڈیکل باکس لے کر آتا ہوں، میرے خیال میں آپ کے پاؤں میں موچ آئی ہے۔'' وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ کر اس کے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

''لائیے میں جوتا اتار دوں۔''

''خبردار جو آپ نے مجھے ہاتھ لگایا۔'' وہ بھبھک کر پیچھے ہٹی تھی ''میں کوئی سیدھی سادی معصوم لڑکی نہیں ہوں، جو آپ جیسوں کے ہتھکنڈوں کو نہ سمجھ سکوں میری ٹوٹی ہڈی کو ٹٹولنے کے بہانے آپ میرا پیر چھونا چاہتے ہیں۔ ہٹ جائیں مجھے آپ کی عاشقانہ ہمدردیوں کی کوئی ضرورت نہیں۔'' وہ دانت پر دانت جمائے ڈولتی ہوئی بیرونی دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔

''ٹھہریے تو مجھے پتا ہے آپ سیدھی سادی نہیں ہیں، ظاہر ہے جو لڑکی دن دیہاڑے کسی کے گھر میں ڈاکا ڈالے وہ سیدھی سادی کیسے ہوسکتی ہے، لیکن میری معصومیت پر شک نہ کیجیے۔ میرے ہاتھ سے نہ سہی کسی ڈاکٹر سے ہی علاج کروالیں۔'' وہ اس کے پیچھے آتے ہوئے لجاجت سے بول رہا تھا۔ لہجے میں پہلے والی شوخی یکسر مفقود تھی وہ رکی نہیں تھی ہر اٹھتے قدم کے ساتھ ایسی ٹیس اٹھتی کہ دماغ جھنجھنا جاتا۔ آنسوؤں کے باعث آنکھوں کے سامنے دھند کی چادر سی تنی ہوئی تھی۔

تابش اس کے قریب سے گزرتا ہوا پورچ کی طرف دوڑ پڑا تھا۔ گیٹ کی طرف جانے والی پختہ روش

تک پہنچنے میں ہی اس کے جسم سے ساری توانائی نچڑ گئی تھی۔ تابش نے گاڑی بیک کر کے اس کے قریب روکی اور اتر کر پچھلی سائیڈ کا دروازہ کھول دیا۔

''مانا کہ آپ بڑی طرم خان ہیں لیکن میں بھی کسی سے کم نہیں ہوں، سیدھی طرح گاڑی میں بیٹھ جائیں ورنہ مجھے دوسرا طریقہ استعمال کرنا پڑے گا۔'' اس نے درشتگی سے کہتے ہوئے اسے بازو سے پکڑ کر گاڑی میں دھکیل دیا۔ سارے راستے وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہچکیوں سے روتی رہی تھی۔ تابش نے بھی گھر کا ایڈریس پوچھنے کے علاوہ اس سے کوئی بات نہیں کی ڈاکٹر سے فارغ ہونے کے بعد اسے گھر کے دروازے پر اتار کر وہ زن سے گاڑی نکال لے گیا تھا۔

اس نے جھوٹ بول کر بڑی مشکل سے گھر والوں کو پاؤں کی چوٹ کے بارے میں مطمئن کیا۔ پین کلر نے پاؤں کے درد کو تو سلا دیا تھا لیکن کوئی ایسی پھانس تھی جس کی چبھن سانس کے ساتھ تن من میں بس گئی تھی۔ اس نے رنگین لمحوں کے جھلملاتے عکس سے دل پر محبت کا جو نقش ابھارا تھا، دکھ کی دھوپ اس کے رنگ اڑا کر خال و خط کو مٹا رہی تھی۔ یہ رات دل کی دیواروں سے لپٹ لپٹ کر بہت آہستہ ڈھلی تھی۔

◀▶▶◀▶◀◀▶

صبح وہ دیر تک بستر پر لیٹی کسلمندی سے کروٹیں لیتی رہی۔ رات بھر میں پاؤں کی سوجن خاصی بڑھ گئی تھی۔ اس لیے کالج جانے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بھابھی نے دو تین بار اس سے ناشتے کے لیے پوچھا، لیکن اس کا کچھ بھی کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا اس لیے انکار کر دیا۔ وہ خاصی دیر سے ایک ہی پوزیشن میں لیٹی خالی خالی نظروں سے چھت کو گھور رہی تھی۔ کہ عامر بڑے رازدارانہ انداز میں کمرے میں داخل ہوا اور اس کے پاس جھک کر آہستہ سرگوشی میں پکارنے لگا۔

''بات سنیں پھپھو۔''

''کیا ہے؟۔'' اس نے نظروں کا زاویہ بدل کر مستفسرانہ انداز میں اسے دیکھا۔

''کالی گاڑی میں ایک آدمی آیا تھا اور یہ آپ کے لیے دے کر گیا ہے۔'' اس نے کمر کے پیچھے چھپایا ہوا پھولوں کا بکے اور کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

''وہ کہہ رہا تھا کسی کو پتا نہیں چلنا چاہیے اور یہ چیزیں میں صرف آپ کو ہی دوں۔'' وہ دھیمی آواز میں تفصیل بتانے لگا، نگہم نے خالی الذہنی کی کیفیت میں ہاتھ بڑھا کر دونوں چیزیں اس سے لے لیں۔

''ادھر بیٹھ کر بتاؤ کون دے کر گیا ہے یہ چیزیں۔'' اس کی آواز میں خوش گمانیوں کی ریشمی فصل سرسرانے لگی تھی۔

''لمبا سا تھا اور بڑا ہی گورا چٹا، اس نے مجھے اتنے چھوٹے سے کام کے لیے اتنے ڈھیر سارے پیسے بھی دیے ہیں۔'' وہ جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر خوشی سے ہاتھوں میں بل دینے لگا۔

نگہم نے جھپٹ کر نوٹ اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور اسے دھکا دے کر چارپائی سے اٹھاتے ہوئے بولی۔

''چلو بھاگو یہاں سے اور خبردار اس بات کا کسی سے ذکر کیا تو میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گی، شرم نہیں آتی راہگیروں سے پیسے بٹورتے ہوئے۔''

اپنی شاندار کارکردگی کے صلے میں ملنے والے اس انعام پر عامر کا چہرہ بجھ سا گیا۔ وہ کچھ دیر ایک صدمے کی کیفیت میں کھڑا اسے دیکھتا رہا اور پھر زیرلب بڑبڑاتے ہوئے واپس مڑ گیا۔ اس کی بڑبڑاہٹ واضح تو نہیں تھی لیکن ہونٹوں کی جنبش سے نگہم کے ذہن میں الفاظ کا جو خاکہ ابھرا تھا، اس نے اس کے تن میں آگ سی بھڑکا دی، وہ ''لنگڑی چڑیل'' یا اسی سے ملتا جلتا کوئی نہایت ہولناک لقب تھا۔ جو اس پر داغنے کے بعد عامر صاف بچ کر نکل گیا تھا۔

''ادھر واپس آؤ کیا کہہ رہے تھے مجھے؟'' اس نے چیخ کر جاتے ہوئے عامر کو پکارا ''میں تمہاری باچھیں چیر کر کانوں تک کر دوں گی۔''

''میں نے کچھ نہیں کہا پھپھو۔'' وہ دروازے میں رک کر گھگھیایا اور دوسرے ہی لمحے بھاگ کھڑا ہوا۔

اگر نگہم کا پاؤں اجازت دیتا تو وہ ہر ممکن حد تک اس کا تعاقب کرتی لیکن اس وقت مجبوری تھی اس لیے وہ صرف دل مسوس کر رہ گئی۔ عامر کے جانے کے بعد وہ اس کی لائی ہوئی چیزوں کی طرف متوجہ ہوئی اور دھڑکتے دل کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر کروش کارڈ اٹھالیا زندگی کی خوبصورتی کا احساس دلاتے گہرے سرخ گلابوں کو ایک نظر دیکھنے کے بعد کارڈ کھول کر پڑھنے لگی۔ تحریر پر نظر ڈالتے ہی اس کی سانسیں پیار کی دھیمی آنچ سے سلگنے لگی تھیں۔ ایک ایک لفظ جذبوں کی باس سے مہکا ہوا تھا اور لکھنے والا یقیناً تابش کے سوا کوئی اور نہیں تھا،

ڈیئر نگہم!

معذرت اور معافی جیسے الفاظ آپ کو میری ذات سے پہنچنے والی تکلیف کے سامنے بہت چھوٹے اور ہیچ ہیں اس لیے میں انہیں استعمال کر کے جذبوں کو گراوٹ سے دوچار نہیں کروں گا۔ شاید میں اپنے دل کی کیفیت آپ پر واضح نہ کر سکوں، لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ آپ کی خوبصورت آنکھیں آنسوؤں کے لیے نہیں ہیں، انہیں تو کاجل کو سندرتا عطا کرنے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے، آپ نہیں جانتیں کہ آپ کی آنکھ سے گرنے والا ایک ایک آنسو مجھے دجلہ کی گہرائیوں میں غرقاب کرتا رہا ہے۔ میں کل سے جس گھٹن میں سانس لے رہا ہوں، نہ جانے اب تک کیسے زندہ ہوں، میں نے آپ کے لیے کچھ گلاب چنے ہیں، خاروں سے الجھتے الجھتے میری انگلیاں چھلنی ہوگئی ہیں، لیکن اگر آپ انہیں اپنی سانسوں کی مہکتی حرارت کا لمس دیں گی تو میرا زخم جاں شبنم کی شگفتہ پھواروں سے آسودگی کشید کر لے گا۔

فقط آپ کا.............

اس نے کئی بار پڑھ ڈالا، تابش اور اس قدر حساس تحریر اسے اپنی بصارتوں پر فریب کا گمان ہونے لگا، دل پیار کی دھن پر رقص میں مگن تھا اور وہ اپنے گرد نادیدہ کرنوں کا ہالہ محسوس کر رہی تھی۔ جو یقیناً اس کے وجود سے پھوٹتے محبت کے نور کا پرتو تھا۔'' تو میرے سوگوار حسن نے اس کے دل کی بستی کو زیر زبر کر ہی دیا۔ حسن کے آنسو عشق سے کہاں سہے جاتے ہیں۔''

اس نے احساس تفاخر میں گھرتے ہوئے پھولوں کو اٹھا کر اپنے چہرے سے قریب کیا اور ان سے پھوٹتی چاہت کی خوشبو کو من میں بسانے کے لیے ایک گہری سانس لی۔ جیسے ہی وہ پھولوں کو سونگھنے کے لیے ناک کے قریب لائی اسے ایک جھرجھری سی آئی تھی اور اس نے بکے کو یوں جھٹک کر پھینک دیا جیسے انجانے میں زہریلا بچھو ہاتھ میں لے لیا ہو۔ اس نے ناک میں ہونے والی کھجلی کو روکنے کے لیے ناک بری طرح مسل ڈالی، شاید اس کی حس شامہ پیار کی اس نرالی مہکار کو برداشت نہیں کر پائی تھی۔ اسی لیے اسے چھینک پر چھینک آنے لگی، پھولوں پر بڑے چاؤ سے چھڑکی گئی سرخ مرچوں نے اسے چند ہی لمحوں میں قابلِ رحم حالت میں پہنچا دیا۔ جلن کے باعث آنکھوں سے مسلسل پانی بہہ رہا تھا اور چھینکیں رکنے میں ہی نہ آ رہی تھیں۔ وہ تقریباً گرنے والے انداز میں چارپائی سے نیچے اتری اور ایک ٹانگ پر اچھلتے ہوئے کسی نہ کسی طرح خود کو گھسیٹ گھساٹ کر واش روم تک لے آئی تھی۔ اتنی سی دیر میں وہ یوں ہانپنے لگی تھی جیسے کہیں دور سے بھاگتی ہوئی آئی ہو عجلت میں چہرے پر ٹھنڈا پانی بہاتے ہوئے اس نے جلتی آنکھوں سے آئینے میں اپنا عکس دیکھا تو ناک سوجی ہوئی اور سرخ ہو رہی تھی اور چہرے پر مضافات ہولے ہولے اپنا پار ہے تھے۔ وہ چند لمحے واش بیسن کو تھامے پھولی ہوئی سانسوں کو بحال کرنے کی جدوجہد میں نڈھال سی کھڑی رہی اور پھر ایک پاؤں پر اچھلتے ہوئے واش روم سے باہر آ گئی۔ اماں جو کسی کام سے ادھر آئی تھیں، اسے اچھلتا دیکھ کر ٹھٹھک گئیں۔

''کیا ہو گیا ہے لڑکی تجھے، ٹوٹے پاؤں کے ساتھ کیوں کدکڑے لگاتی پھر رہی ہے؟ کوئی کام تھا تو مجھ سے یا سمعیہ سے کہا ہوتا۔''

''اماں!'' وہ کراہتے ہوئے ان کے سینے سے جا لگی۔ وہ اسے سہارا دے کر چارپائی تک لے آئیں۔ ''کیا بہت درد ہے؟'' وہ اس کا سر سہلاتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''ہاں بہت اتنا کہ سہا نہیں جا رہا۔'' وہ ان کی آغوش میں منہ چھپائے سسک رہی تھی۔ پریم جھولا جھولتے ہوئے وہ اتنی بلندی سے منہ کے بل گری تھی کہ جسم و جان زخموں سے چور چور ہو گئے تھے۔

''چپ ہو جا میری بچی، میں مرہم لگا دیتی ہوں ابھی درد دور ہو جائے گا۔''

''اماں کسی کی بے حسی نے دل پر جو گھاؤ لگائے ہیں ان پر مرہم کون رکھے؟'' وہ پوچھنا چاہتی تھی لیکن کہہ نہ سکی

دو دنوں میں سوجن اتر گئی اور وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوئی تو کالج جانے لگی لیکن ٹیوشن پڑھانے نہیں جارہی تھی۔ اماں نے پوچھ پوچھ کر جان عذاب میں کر دی تھی۔

''بچوں کو پڑھانے کیوں نہیں جاتی ہو؟''

''اماں میری طبیعت ٹھیکنہیں ہے، جب اچھی ہو جاؤں گی تو جانے لگوں گی۔'' وہ انہیں مطمئن کرنے کے لیے کہہ دیتی۔

''اس لڑکی کی منطق بھی نرالی ہے۔ کالج جانے کے لیے بھلی چنگی ہے اور ٹیوشن پڑھانے کو طبیعت خراب ہے۔ گھر میں چار پیسے آتے اسے اچھے نہیں لگتے۔'' وہ خود ہی بول بول کر خاموش ہو جاتیں۔

اگلے روز بھائی آفس سے آتے ہی اسے بتانے لگے'' آج تمہاری اسٹوڈنٹ الغایہ کی امی کا فون آیا تھا۔ تم نے انہیں گھر کا ایڈریس نہیں دیا تھا، اس لیے انہوں نے آفس میں مجھ سے فون پر رابطہ کیا۔ تمہارے لیے بہت پریشان تھیں، میں نے تمہاری چوٹ کا بتایا تو بہت فکر مند ہو رہی تھیں، انہوں نے دانی لوگوں کے گھر سے بھی پتا کیا تھا لیکن تم وہاں بھی نہیں جارہی تھیں۔ وہ بتا رہی تھیں کہ الغایہ کے مڈٹرم ایگزیمز ہونے والے ہیں اور ان دنوں اسے تمہاری ہیلپ کی بہت ضرورت ہے، میں نے انہیں کہہ دیا کہ تم کل الغایہ کو پڑھانے آؤ گی۔''

''آپ نے مجھ سے پوچھے بنا کیسے کہہ دیا؟'' اس کے لہجے کی تلخی پر بھائی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''آخر تم کیوں نہیں جانا چاہتیں کوئی وجہ تو ہو۔''

''بس میں نے کہہ دیا ہے کہ میرا جی نہیں چاہتا تو کوئی مجھے اس کے لیے مجبور نہ کرے۔'' وہ قطعیت سے کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے میں چلی آئی تھی۔

◀▶▶◀▶◀◀▶

''پھوپھو، دادی آپ کو بلا رہی ہیں، مہمان آئے ہیں'' زینی اسے پیغام دے کر جواب کا انتظار کرنے لگی۔

''تم چلو میں آرہی ہوں۔'' سر پر دوپٹہ جماتے ہوئے وہ کمرے سے نکلی تو دالان میں فاکہہ آپی اور تابش کو اماں کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ٹھٹھک کر رک گئی۔ لیکن دوسرے ہی پل آگے بڑھ کر فاکہہ آپی کو سلام کرنے کے بعد ان کے پاس ہی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''کہیں تابش نے انگوروں والا قصہ اپنی بھابھی کو نہ سنا دیا ہو۔ اگر انہوں نے اماں کے سامنے ذکر کر دیا تو بات بہت بگڑ سکتی ہے۔'' سوچ کر اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگنے لگی تھیں۔ اس نے دزدیدہ نگاہوں سے تابش کی طرف دیکھا، لیکن اس کے چہرے سے کچھ اندازہ لگانا مشکل تھا۔ وہ عامر کو گود میں بٹھائے اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے اس کے کانوں میں کھسر پھسر میں مصروف تھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے نگہم؟'' فاکہہ آپی اسے خاموش بیٹھا دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

’’جی میں......‘‘

’’ارے بیٹی اسے کیا ہونا ہے۔ ذرا سا پیر میں بل آ گیا تھا لیکن اب تو کوئی تکلیف نہیں رہی۔‘‘ اماں درمیان میں کود پڑی تھیں ’’بالکل گھوڑے کی طرح دڑنگے لگاتی پھرتی ہے۔‘‘ اماں کی اس ناشائستگی پر اس کے منہ کا زاویہ بگڑ گیا اور اس نے انہیں گھور کر خاموش رہنے کی تنبیہہ بھی کی، لیکن وہ اس کی طرف دیکھ ہی کب رہی تھیں، جو اس کے گھورنے کا کوئی اثر لیتیں۔

’’یہ نہ سمجھنا نگہم کہ میں اپنے مطلب کو تمہیں پوچھنے آ گئی ہوں۔ یہ سچ ہے کہ آج کل اچھے ٹیوٹرز کا ملنا بہت مشکل ہے اور تمہارے پڑھانے کے انداز سے میں مطمئن بھی بہت ہوں۔ لیکن تم مجھے اپنی چھوٹی بہنوں کی طرح عزیز بھی ہو اور سچ مانو تو یہ تمہاری محبت ہے جو مجھے یہاں لے آئی ہے۔‘‘ وہ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بڑی ہی شفیق مسکراہٹ کے سنگ بول رہی تھیں۔

’’اللہ تمہارا بھلا کرے بیٹی، آج کل ایسے اچھے لوگ کہاں ملتے ہیں جو اپنے نوکروں کو اتنی عزت دیں۔‘‘

اماں بی اس قدر شناسائی پر وہ دہل کر رہ گئی، تابش کے قہقہے نے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیے تھے۔

’’اچھا کل سے تو تم آنے لگو گی ناں؟ دانی کی امی بھی تمہیں کئی مرتبہ پوچھ چکی ہیں۔‘‘

’’جی دراصل کچھ پرابلمز ہیں میرے اپنے ایگزیمز میں بہت کم وقت رہ گیا ہے میں اب ٹیوشن کے لیے شاید وقت نہ نکال سکوں۔‘‘

’’اس کو چھوڑ دو بٹی یہ تو یونہی بے تکا بولتی رہتی ہے۔‘‘ اماں نے اس کی بات درمیان میں اچک لی تھی۔

’’تم بالکل بے فکر ہو جاؤ یہ کل سے ہی کام پر آنے لگے گی۔‘‘ انہوں نے بڑے ہی فیصلہ کن انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد بھی اس نے کئی دفعہ کوشش کی کہ فاکہہ آپی سے کھل کر بات کرے لیکن اماں نے اسے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا کچھ ہی دیر میں اماں نے زبان کے ایسے ایسے معرکے دکھائے کہ اس خون کھول کر رہ گیا۔

’’اگر تمہیں آنے جانے میں کوئی مسئلہ ہے تو تابش گاڑی لے کر آ جایا کرے گا۔ کیوں تابش؟‘‘ وہ اس سے بات کرتے ہوئے تابش سے پوچھنے لگیں۔

’’مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے لیکن اگر یہ ہاں کر دیں تو۔‘‘ وہ بڑے معنی خیز انداز میں بولا تھا۔

اس نے جھلستی ہوئی نگاہ تابش پر ڈالی، ایک لمحے کے لیے نظروں کا باہم تصادم ہوا تو تابش نے اسے آنکھ ماردی۔ اس نے سٹ پٹا کر پلکیں جھکا لیں۔ اور ایک نازیبا سی گالی نوک زبان پر آ کر دم توڑ گئی۔

’’تم بہت چپ چپ ہو نگہم، کیا مجھ سے کوئی ناراضگی ہے؟‘‘

’’جی نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔‘‘ فاکہہ آپی کے استفسار پر وہ جلدی سے بول پڑی۔

''تو اب میں مطمئن ہو جاؤں کہ تم الغایہ کو پڑھانے آؤ گی۔''

جواب میں اس نے بے جان سے انداز میں سر ہلا دیا۔

''اچھا آنٹی اب ہمیں اجازت دیں انشاء اللہ پھر ملاقات ہو گی۔''

''ارے بیٹی ابھی تو تم آئی ہو، دو گھڑی بیٹھ کر جانا وہ سمیعہ چائے لے کر آ رہی ہے جا عامر بھاگ کے باورچی خانے میں جا اور اپنی ماں سے کہہ جلدی چائے لے کر آئے۔'' اماں نے بڑے اصرار سے انہیں چائے کے لیے روک لیا تھا وہ لوگ دہلیز پار کر کے باہر نکلے تو اسے عامر کو کندھوں سے پکڑ کر روکنا پڑا وہ شاید ان کے ساتھ ہی جانا چاہتا تھا۔

''پھوپھو یہ وہی تھا جو پھول دے کر گیا تھا'' وہ دبے دبے جوش سے اسے بتانے لگا۔

''بکواس بند کرو اور تم اس کی گود میں کیوں چڑھے بیٹھے تھے۔ تمیز تو چھو کر بھی نہیں گزری تمہیں۔'' اس نے عامر کو ایک تھپڑ جڑ دیا اور پھر جان بوجھ کر اس کی جانب سے نظریں پھیر لیں۔ کیونکہ وہ زیر لب کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ اور اس بڑبڑاہٹ کا مفہوم وہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہتی تھی۔

◀▶▶◀▶◀◀▶

تمہیں کیا ضرورت تھی انکار کرنے کی، بلکہ تمہیں تو اسی روز سے ان کے گھر جانا چاہیے تھا جب تمہارے پاؤں کی موچ ٹھیک ہو گئی تھی۔'' اس کی پوری بات سن کر آمنہ اس انداز سے گویا ہوئی جیسے اس کی عقل پر ماتم کر رہی ہو۔

آمنہ پورے کالج میں وہ واحد لڑکی تھی جس کی ساتھ وہ اپنی باتیں شیئر کر لیتی تھی دونوں کے مزاج میں تندی تھی اس لیے خوب نبھ رہی تھی۔

''کیا مطلب۔''؟ اس نے بھنویں اچکائیں۔

''مطلب صاف ہے تم اس طرح کا شدید ردعمل دکھا کر تو اس پر یہ ظاہر کر رہی ہو جیسے تم نے اس کی بات کا بہت اثر لیا ہے، تمہارے ایسے رویے سے تو اس کے حوصلے اور بلند ہوں گے۔ اس نے تمہارے ساتھ ایک واہیات مذاق کیا اور تم اسے جان کا روگ بنا کر بیٹھ گئیں اس سے تو یوں لگتا ہے، جیسے تم واقعی اس میں انٹرسٹڈ ہو۔''

نگہم اس بات پر آمنہ سے نظریں چرا گئی تھی۔ مبادا دل کے موہن چور کا عکس اس کی آنکھوں میں لہراتا نظر نہ آ جائے۔

''تمہیں تو اس وقت ہی اس کے منہ پر تھپڑ مار دینا چاہیے تھا جب اس نے تمہیں کرسی سے گرا دیا تھا۔ اور تم ہو کہ اس کے بھیجے ہوئے پھول اور کارڈ وصول کرتی پھر رہی ہو اور تمہیں یہ مشورہ کس نے دیا تھا کہ ان پھولوں میں اپنی ناک گھسیڑ دو حماقت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔'' اس کے لہجے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اسے

نگہم کا ردِعمل سخت ناگوار لگا تھا۔

''اچھا یہ نصیحت کسی اور وقت کے لیے رکھ چھوڑو اس وقت تو مجھے یہ بتاؤ کہ میں کیا کروں۔'' نگہم کے انداز میں جھنجھلاہٹ تھی۔

''تم یہ کرو کہ آج سے ہی الغایہ کو پڑھانے چلی جاؤ اور اس تابش کو اس طرح اگنور کرو جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟ تم اسے نہیں جانتی ہو وہ اتنا زچ کر دیتا ہے کہ ضبط جواب دینے لگتا ہے۔''

''کیوں ممکن نہیں ہے احمق لڑکی، یہاں کالج میں تو بڑی خونخوار بنی پھرتی ہو اور اس لڑکے کے سامنے تمہاری حالت بھیگی بلی سے بھی بری ہے آخر تم اس سے اتنا دب کیوں رہی ہو؟ اسے ایسا منہ توڑ جواب دو کہ آئندہ کے لیے وہ تمہارا سامنا کرنے سے بھی کترانے لگے۔''

اب وہ اسے کیا بتاتی کہ وہ تو خود ہر دم اس کا سامنا چاہتی ہے۔

''مگر پہلوں والے واقعے کے سلسلے میں تم بالکل انجان بن جانا، اگر وہ تم سے اشارتاً بھی ذکر کرے تو تم صاف مکر جانا۔''

''وہ کیوں؟''

''کیوں کا کیا مطلب ہے، آخر تم اتنی ناسمجھ کب سے ہو گئیں؟ آمنہ کی جھنجھلاہٹ عروج پر تھی۔

''اگر تم اسے اپنا سوجا ہوا تھوبڑا دکھاؤ گی تو وہ خود ہی سمجھ جائے گا کہ اس کی بے ہودہ شرارت شاندار طریقے سے کامیاب ہو گئی ہے اور وہ مزید شیر ہو جائے گا تم پہلے کی طرح مسکراتے ہوئے اور ویسی ہی تمکنت کے ساتھ اس کے سامنے جاؤ، جو تمہاری شخصیت کا خاصہ ہے۔ یوں روبسور کر اس کی خوشی کا سامان کیوں کر رہی ہو، آخر اس نے تمہیں سمجھ کیا رکھا ہے، تم اس پر ثابت کر دو کہ تم کوئی معمولی لڑکی نہیں ہو، اگر وہ دوبارہ تمہارے ساتھ فری ہونے کی کوشش کرے تو اسے ایسی کھری کھری سنانا کہ طبیعت صاف ہو جائے۔''

''اچھا اب بس بھی کرو، تم تو مجھے یوں بریفنگ دے رہی ہو جیسے میں کسی جنگی محاذ پر روانہ ہو رہی ہوں۔'' نگہم اکتائے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

''جنگی محاذ نہیں تو اس سے کم بھی نہیں ہے۔ آخر انا اور وقار کا مسئلہ ہے اور یہ کوئی معمولی بات تو نہیں۔'' وہ اس کی تقلید میں اٹھتے ہوئے بولی۔

''چلو کیفے ٹیریا چلیں میں نے تو ابھی تک ناشتا بھی نہیں کیا۔'' نگہم موضوع بدلنا چاہ رہی تھی۔

''ہاں بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔'' وہ دونوں کیفے ٹیریا کی جانب روانہ ہو گئیں۔

''ویسے آپس کی بات ہے مجھے تو فاکہہ آپی کا کردار بھی مشکوک لگ رہا ہے۔'' اس کے ساتھ چلتے ہوئے آمنہ نے پرسوچ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''کیسی باتیں کررہی ہو اچھی بھلی شریف خاتون ہیں۔'' نگہم نے احتجاجاً اسے گھورا۔ اسکے یوں گھورنے پروہ مسکرانے لگی۔

''اوہو میں وہ والا مشکوک نہیں کہہ رہی ہوں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کون اس طرح بچوں کے ٹیوٹرز کے گھروں میں جا کر خیریت دریافت کرتا ہے اور پھر تمہیں واپس بلانے کے لیے اس قدر اصرار، کچھ عجیب سا لگ رہا ہے، ٹیوٹرز کی آج کل کون سی کمی ہے، بے شمار لوگ اکیڈمیوں کے چکر لگا لگا کر تلوے گھساتے پھر رہے ہیں اور تم کب کسی یونیورسٹی کی پروفیسر ہو کہ تمہارے جانے کا انہیں اس قدر قلق ہوا۔ انہیں تو دو چار روز تمہارا انتظار کر کے کسی اور کو رکھ لینا چاہیے تھا مجھے تو دیور بھابھی کی ملی بھگت لگ رہی ہے۔''

''تم تو بال کی کھال اتارنے لگتی ہو۔ اب میں ہوں ہی اتنی حسین اور پرکشش کہ لوگ مجھ سے دوری برداشت ہی نہیں کر پاتے۔'' اس نے ایک ادائے دلربائی سے بالوں کی لٹ کان کے پیچھے اڑسی اور پلکیں جھپکا کر اس کی طرف تصدیق طلب نظروں سے دیکھا۔

''ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں، عقل سے تمہارا بیر ثابت کرتا ہے کہ تم واقعی بے حد حسین ہو، کیونکہ عقل اور حسن کی آپس میں سخت مخاصمت ہوا کرتی ہے۔'' وہ جل کر بولی۔

''بالکل ٹھیک، اسی لیے تو تم اتنی زیادہ عقل مند ہو۔'' نگہم نے برجستہ کہا تھا اور آمنہ اپنی کہی ہوئی بات خود پر الٹتے دیکھ کر محض تلملا کر رہ گئی تھی۔

◀▶▶◀▶◀◀▶

فاکہہ آپی نے اسے دیکھ کر غیر معمولی خوشی کا اظہار کیا تھا اور الغایہ بھی یوں کھلی جارہی تھی جیسے کوئی من پسند کھلونا مل گیا ہو۔

''مس آپ اتنے دن آئیں کیوں نہیں، کیا چاچو سے لڑائی ہوگئی تھی میں آپ کو یاد نہیں آتی تھی؟''

سوالوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جو ختم ہونے میں ہی نہ آرہا تھا۔

وہ بے دھیانی سے الغایہ کو سن رہی تھی۔ اسے ایک عجیب سے حزن کا احساس ہو رہا تھا ڈرائنگ روم کی آرائش اور فرنیچر کی ترتیب میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی، پھر بھی ایک خلا تھا جو اعصاب کو بے چین کر رہا تھا۔ فضا میں رچی اداسی کی باس روح کو پژمردگی کا لبادہ اوڑھا رہی تھی۔

''تمہارے چاچو نظر نہیں آرہے۔'' نجانے کیسے اس کی زبان سے پھسل گیا۔ ابھی الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ تابش پردہ ہٹا کر نہایت خوفناک رفتار سے بھاگتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں سفید گلابوں کا گلدستہ تھا اور اس کی رفتار کے پیش نظر نگہم صوفے سے چھلانگ لگانے کے لیے پر تولنے لگی۔ کیونکہ آثار بتا رہے تھے کہ وہ اس پر گر کر ہی دم لے گا۔ لیکن اس کے خدشے غلط ثابت ہوگئے جب اس نے بالکل قریب پہنچ کر نہایت مہارت سے بریک لگائے اور گلدستے والا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے گنگنایا۔

''میں یہاں ہوں اور گلوں کے اس نذرانے کے سنگ آپ کا سواگت کرتا ہوں۔'' اس نے پھول تقریباً نگہم کی ناک کے ساتھ لگا دیئے تھے۔

''اب ان پر کون سی میچنگ مرچیں چھڑک کرلائے ہیں؟'' اس نے ایک جھٹکے سے تابش کا ہاتھ پرے ہٹاتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔ عجلت میں بات منہ سے نکل تو گئی تھی لیکن غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ فوراً خاموش ہوگئی۔

''آپ چپ کیوں ہوگئیں؟ بولیے ناں آپ کو میرا تحفہ کیسا لگا؟ تحفوں کے لین دین سے محبت بڑھتی ہے، سنا تو تھا لیکن آج ثابت بھی ہوگیا اب دیکھئے دوسرے ہی تحفے سے محبت کی تاثیر اس قدر بڑھ گئی کہ آپ نے میرا ہاتھ چھولیا۔'' وہ اپنے بائیں ہاتھ کی پشت کو رخسار کے ساتھ مس کر کے بڑے ہی خوابناک انداز میں گنگنانے لگا۔

''نجانے کیا ہوا جو تو نے چھو لیا
کھلا گلاب کی طرح میرا بدن''

نگہم اس کی یہ نرالی منطق سن کر چھوئی موئی سی بن گئی۔ اس نے تو اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو ہٹانے کے لیے ایسا کیا تھا اور وہ بات کو کہاں سے کہاں لے گیا تھا۔

''چاچو آپ گانا نہ گایا کریں، آپ کا گانا سن کر سر میں درد ہونے لگتا ہے۔'' الغایہ کے منہ بنانے پر اس نے مصنوعی خفگی سے آنکھیں دکھائیں۔

''اور آپ مجھے پڑھنے کیوں نہیں دیتے؟ ہر وقت مس کو تنگ کرتے رہتے ہیں میں ماما سے آپ کی شکایت کروں گی۔'' نگہم نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے ہاتھ میں پکڑی کتاب چہرے کے سامنے کر لی تھی۔

''اچھا بھئی تم تو کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہی ہو، اب میں خاموشی سے بیٹھ کر دیکھوں گا، کہ تمہاری مس تمہیں کیا کیا پٹیاں پڑھاتی رہتی ہیں۔'' وہ ہتھیار ڈالنے والے انداز میں صوفے پر بیٹھنے کے لیے جھکا۔

''نہیں چاچو یہاں نہ بیٹھیے گا'' الغایہ جلدی سے بول پڑی۔

''یہاں نیڈو نے چھی چھی کر دیا تھا۔ آپ ادھر بیٹھ جائیں۔'' وہ سنگل صوفہ چیئر کی طرف اشارہ کرنے لگی۔

''چلو ادھر بیٹھ جاتے ہیں۔'' وہ اس کی بات پر دھیان دیے بغیر دھم سے صوفے پر گرا لیکن دوسرے ہی لمحے یوں اچھلا جیسے صوفے میں لگے اسپرنگ کھل گئے ہوں اور انہوں نے اسے فضا میں اچھال دیا ہو۔ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی چیخ بھی برآمد ہوئی تھی۔

نگہم نے ایک ادا سے اس کے چہرے پر نظریں جمائیں تو اس کے تاثرات دیکھ کر ایک دلفریب مسکراہٹ نے اس کے لبوں کی تراش میں کروٹ لی، تابش کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے اور آنکھوں کی پتلیاں کچھ پھیل سی گئی تھیں۔

''میں کچھ علاج معالجے کے بعد ابھی حاضر ہوتا ہوں۔'' وہ پھٹی پھٹی آواز میں بولتا ہوا کمرے سے جانے لگا۔ اس کے دونوں ہاتھ پینٹ کی پچھلی جیبوں پر دھرے ہوئے تھے اور چال میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی۔

''الغایہ لکھو۔

توبہ یہ متوالی چال......''

نگہم کی استہزائیہ گنگناہٹ پر اس نے کولہے پر ہاتھ دھر کر مجروح سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا اور اسے بے تحاشا ہنستے دیکھ کر فوراً ہی غائب ہو گیا تھا۔

''مجھے تو متوالی نہیں لکھنا آ رہا۔'' الغایہ پریشانی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''اب رہنے دو لکھنے کی ضرورت بھی نہیں رہی۔''

الغایہ کاپی سینٹر ٹیبل پر رکھ کر اٹھی اور اس صوفہ چیئر کا جائزہ لینے لگی جس پر بیٹھنے کے بعد تابش حادثے کا شکار ہوا تھا۔ کچھ دیر کے معائنے کے بعد وہ آنکھوں میں آنسو لیے نگہم کی طرف مڑی اور غم میں ڈوبی آواز میں بتانے لگی۔

''مس آپ نے تو کہا تھا چاچو کو زیادہ درد نہیں ہوگا لیکن ان کی تو چیخ ہی نکل گئی اور صوفے پر چار Pins بھی کم ہیں۔'' اس کے انکشاف پر نگہم ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی۔

''آپ ہنس کیوں رہی ہیں؟'' وہ یوں اسے گھورنے لگی جیسے اس کی ذہنی صحت پر شک کر رہی ہو۔

''میں ابھی پوچھ کر آتی ہوں کہیں چاچو کا خون تو نہیں نکلا۔'' وہ جلدی سے باہر کو بھاگی اور نگہم کے آواز دینے کے باوجود نہیں رکی تھی۔

◀▶▶◀▶◀◀▶

دن رات اور رات دن کے قالب میں ڈھل رہی تھی، ہر گزرتا پل اس کے دل میں جلتے پریت کے الاؤ کو مزید بھڑکا کے گزر رہا تھا۔ تابش کی انتہا کو پہنچی ہوئی لاپروائی اس کے لیے آزمائش بن گئی تھی کبھی اس کے لفظوں کی شبنم دشت ذات کو جل تھل کر دیتی اور کبھی اس کے لہجے کا خنجر روح پر درد کے پہرے بٹھا دیتا۔ آمنہ گاہے بگاہے اس کی برین واشنگ کر رہی تھی لیکن جب وہ خود ہی نجات کی خواہاں نہیں تھی تو کسی کی نصیحتیں اسے کیا دے سکتی تھیں۔ وہ جس سنہری ریشمی جال میں الجھ گئی تھی اس سے دامن چھڑانے کی اسے کوئی آرزو ہی نہ تھی۔ وہ دن رات ایک ہیجان کا شکار رہتی تھی۔ اس کے مزاج میں شگفتگی تو پہلے ہی مفقود تھی لیکن اب اس پر ایک جھنجھلاہٹ سوار ہونے لگی۔ ریگ دشت طلب کی تپش اس کے چہرے پر شعلے سے کھلائے رکھتی۔ بچوں کے ساتھ اس کا رویہ اس قدر سخت ہو گیا تھا کہ وہ اسے دیکھتے ہی سہم جاتے تھے اور سب تو اس کے چڑچڑے پن سے نالاں تھے ہی لیکن اماں کو اس کی تنک مزاجی ایک آنکھ نہ بھاتی۔ وہ جب بھی ٹیوشن پڑھا کر غصے میں بھری گھر میں داخل ہوتی اماں اسے آڑے ہاتھوں لیتیں۔ اس دن بھی وہ گھر آتے ہی زینی اور عامر پر چیخنے لگی تھی۔ وجہ

صرف اتنی تھی کہ اس کی پہلی پکار پر وہ اس کے پاس نہیں پہنچ سکے تھے۔

''آ گئی میری ڈائن بچی۔'' اماں کی زہر میں بجھی آواز اس کی سماعت پر تازیانہ بن کر لگی تھی۔

''جیسے ہی گھر سے چیخنے چنگھاڑنے کی آوازیں آنے لگیں میں سمجھ جاتی ہوں کہ نگہم گھر لوٹ آئی ہے۔'' وہ خاموشی سے ہونٹ چباتے ہوئے انہیں دیکھنے لگی۔ غصے سے اس کی مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔

''کیا باہر سے کسی کا لہو پی کر آتی ہے جو گھر میں درندی بن کے دندنانے لگتی ہے۔''

''اماں خدا کے لیے چپ ہو جائیں، آپ کو تو مجھ سے خدا واسطے کا بیر ہے۔'' وہ پھٹ پڑنے والے انداز میں بولی۔

''میں کیوں چپ ہو جاؤں، تیری یہ شعلے اگلتی زبان کون پکڑے گا؟'' اماں کہاں خاموش ہونے والی تھیں۔

''تو کیوں آگ کا گولہ بنی رہتی ہے آخر کیا جلن ہے تجھے میں تو یہ سوچ سوچ کر ہولتی رہتی ہوں کہ وہاں بچوں کو مارتی بھی ہوگی تو، ان بڑے گھروں کے بچے بالکل نازک مولوں جیسے تو ہوتے ہیں، کسی دن کسی بچے کو الٹی سیدھی لگ گئی تو بیٹھی جیل میں چکی پیستی رہنا۔'' احمر بھائی بھی اسے سمجھانے کے لیے آگے بڑھے۔

''نگہم اماں کی یہ بات تو بالکل صحیح ہے تم اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرو ورنہ کسی دن تمہارے لیے کوئی مشکل کھڑی ہو سکتی ہے۔''

''ہر کوئی مجھے عقل سکھا رہا ہے، جیسے میں تو پاگل ہوں میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ بچوں کو پڑھانے کے لیے کس حد تک سختی کی ضرورت ہے اور ان کو سدھارنے کے لیے مارنا بھی بہت ضروری ہوتا ہے، آپ لوگ خوامخواہ اپنے لفظ ضائع نہ کریں۔''

''لو اور سنو بھیا منہ لگائی ڈومنی اور گاوے تال بے تال۔'' اماں کے اس محاورے نے اس کے رگ و پے میں شعلے سے بھڑکا دیئے اور وہ تن فن کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

◀▶▶◀▶◀◀▶

''آپ کی فضول بکواس سنتے سنتے میرے کان پک گئے ہیں، کیا آپ کو دنیا میں اور کوئی کام نہیں ہے۔'' نگہم پچھلے بیس منٹ سے تابش کو بے تکان بولتے سن رہی تھی اور خاموش رہ کر اسے نظرانداز کرنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ لیکن اس کی زبان کے رکنے کی کوئی سبیل نظر نہ آنے پر ضبط کی طنابیں ہاتھوں سے چھوڑ بیٹھی۔

''جی مجھے اس کے علاوہ اور بے شمار کام ہوتے ہیں اور اب آپ یہ تو ضرور جاننا چاہیں گی کہ وہ کون کون سے کام ہیں'' وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا اور اسے تردید کا موقع دیئے بغیر خود ہی بتانے لگا۔

''مثلاً میں آپ کے آنے کا انتظار کرتا ہوں اور آپ کے جانے کے بعد آپ کے دوبارہ آنے کا انتظار کرتا ہوں یقین کیجیے مجھے تو ایک لمحے کے لیے بھی فرصت نہیں ملتی۔''

''آپ جو بھی کرتے ہیں مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ بس میں آپ کو ایک منٹ کے لیے بھی برداشت نہیں کرسکتی۔''

''ارے واہ یہ تو سفید جھوٹ ہے۔'' اس نے آنکھیں پھیلائیں۔

''آپ تو خود لاکھ جتنوں سے مجھے یہاں بلاتی ہیں، ابھی کل ہی کی بات ہے کہ آپ الغایہ کو نہایت راز داری سے بتارہی تھیں۔ کہ آپ کل چار بجے کی بجائے ساڑھے تین بجے تشریف لائیں گی اور آپ کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ مجھے اس مقام سے طویل فاصلے پر ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ہوئے بھی پہنچ گئی اس سلسلے میں آپ کیا کہتی ہیں۔''

اس کی بات کسی حد تک سچ تھی اس لیے نگہم گڑبڑا کر رہ گئی اور کچھ دیر اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

''میں آپ سے بار بار کہہ چکی ہوں کہ خوامخواہ مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش مت کیا کریں میں کوئی گاؤں کی پسماندہ لڑکی نہیں ہوں جو آپ کی عیاریوں کو جانچ نہ سکوں۔'' خفت چھپانے کی خاطر وہ خاصی بلند آواز میں بولی تھی۔

''جی آپ کی اس بات سے تو میں بھی صد فیصد اتفاق کرتا ہوں، آپ سے زیادہ ماڈرن لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی کیونکہ فیشن کی دنیا میں آپ نے جن نئی جہتوں کو متعارف کروایا ہے ماضی میں ان کی نظیر ملنا تقریباً ناممکن ہے۔ آپ کے سامنے تو دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی سپر ماڈلز بھی پانی بھرتی نظر آتی ہیں۔'' اس کی یہ تمہید یقیناً کسی طوفان کا پیش خیمہ تھی اور نگہم کچھ سراسیمہ سے تجسس میں مبتلا ہونے لگی تھی کہ وہ کیا گل کھلانے والا ہے۔

''جدت پسندی تو آپ پر ختم ہے، آپ نے فیشن کی رنگینیوں کو نئے زاویے عطا کیے ہیں۔''

''میں پوچھ سکتی ہوں اس ساری بکواس کا مقصد کیا ہے'' وہ بول ہی پڑی۔

''جی جی بالکل ضرور پوچھیں۔ آپ ہی کے بارے میں تو بات ہو رہی ہے اور میں یہی بتانے جارہا ہوں کہ ایک کان میں جھمکا ڈالنا اور دوسرے کو محروم رکھنا واہ کیا انفرادیت ہے۔''

اس کی بات سن کر نگہم کو قدموں تلے زمین سرکتی محسوس ہوئی اور بے اختیار وہ اپنے کان ٹٹولنے لگی۔ ایک جھمکے کی گمشدگی کو محسوس کرکے اس کی حالت دیدنی تھی۔

''ہونٹوں کے ساتھ دانتوں پر بھی لپ اسٹک لگانا۔ ایسا اچھوتا خیال صرف آپ کے دماغ میں ہی آسکتا تھا۔'' تابش کا واہیات بیان ابھی جاری تھا۔

وہ دوپٹے کے پلو سے ہونٹ اور دانت رگڑتے ہوئے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔

لیکن وہ اس کی نظروں سے بے نیاز بولے چلا جارہا تھا۔ ابھی شاید وہ کچھ اور بھی ستم ڈھانا چاہتا تھا اور یہی سوچ کر نگہم کا دل ڈوب رہا تھا۔ بائیں ہاتھ کی تین انگلیوں کے ناخنوں پر کیوٹکس لگانا اور دو ناخنوں پر محض چند چھینٹے

جب کہ دائیں ہاتھ......''

''میں کہتی ہوں بکواس بند کرو۔'' اس کی پوسٹ مارٹم کرتی نگاہوں سے کچھ بھی مخفی نہیں رہا تھا۔ اس کے سنگھار میں جن خامیوں کی نشاندہی وہ کر رہا تھا وہ کچھ عجلت اور کچھ بھابھی کی بے جا مداخلت کے باعث پیدا ہوئی تھیں۔ وہ گھر سے نکلنے سے پہلے بھابھی کی میک اپ کٹ سے استفادہ کر رہی تھی کہ وہ اچانک ہی بغیر کسی اطلاع کے آن دھمکیں اور وہ جلدی میں حسب منشاء فائنل ٹچز نہ دے سکی اور شاید ایک جھمکا بھی ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا رہ گیا تھا۔

''آپ کو جرات کیسے ہوئی کہ آپ اس قدر باریکی سے میرا جائزہ لیں۔'' اس کی آواز غصے سے لرز رہی تھی۔ اس طرح دھاڑنے سے اس کا مقصد خود پر لگائے گئے الزامات کو دھونا تھا۔

''میں آپ کو ایسے ایسے القابات سے نوازوں گی کہ آپ کے کان دھواں دینے لگیں گے۔''

''زہے نصیب جو آپ مجھے پیار سے کوئی نام دیں'' اس کی ڈھٹائی میں چنداں فرق نہیں آیا۔۔ انواع و اقسام کی دم دار گالیاں نگہم کے ذہن میں کلبلانے لگیں، لیکن انوار صاحب کو ڈرائنگ روم میں آتے دیکھ کر زبان تالو سے چپک کر رہ گئی تھی، وہ نگہم کی موجودگی میں شاذونادر ہی ادھر آتے تھے۔

''مس نگہم آپ سے معذرت کہ آپ کو بے جا انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی۔'' وہ لہجے میں بڑی سنجیدگی اور بردباری لیے اس سے مخاطب تھے۔

''اس کی ماما نے اسے اٹھانے کی بہت کوشش کی لیکن اس کی نیند ٹوٹنے میں ہی نہیں آرہی تھی۔ اب اگر مزید تنگ کیا جائے گا تو وہ رونے لگے گی۔ رات کو دو بجے تک ویڈیو گیم کھیلتی رہی ہے اس لیے بے سدھ پڑی ہے۔ آپ پلیز کل آجایئے گا۔'' بات مکمل کر کے وہ فوراً ہی واپس مڑ گئے تھے۔

''ہونہہ ایسا بھی کیا لاڈ دلار دو جھانپڑ مار کر بستر سے نیچے پٹخ دیں خود ہی صاحبزادی کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔'' اس نے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے سنٹر ٹیبل پر دھرا پرس اٹھایا اور زہر آلود نظروں سے تابش کو گھورتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

تابش بھی اٹھ کر اس کے پیچھے لپکا تھا۔

''اگر آپ کچھ دیر رک جاتیں تو میں آپ کو بتاتا کہ آپ مجسم حسن ہیں۔'' وہ اس کے پیچھے آتے ہوئے تیز تیز بول رہا تھا۔

''آپ کے حسن کی یکتائی کا اہم ستون آپ کی ننھی منی سنہری مونچھیں ہیں جو لڑکیوں میں خال خال ہی دیکھنے میں آتی ہیں''۔

''کیا؟'' وہ ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچی، وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا لیکن نگہم نے کانوں میں انگلیاں

ٹھونس لی تھیں۔ گھر پہنچ کر وہ آئینے کے سامنے براجمان ہوگئی اور اپنے عکس کو گھور کر نادیدہ مونچھوں کو دیکھنے کی جدوجہد کرنے لگی۔ اس کی جلد اتنی شفاف اور بے داغ تھی کہ اسے کبھی تھریڈنگ یا ویکسنگ جیسی لغویات کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی تھی، ہاں البتہ چہرے اور بازوؤں پر ہلکا سا سنہری رواں موجود تھا جو اس کی خوبصورت جلد کی آب و تاب میں اضافے کا باعث ضرور تھا لیکن اسے مونچھوں جیسا ہولناک نام کسی طور نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اس کم بخت تابش نے نجانے کیا دیکھ کر ایسا زہر اگلا تھا تشویش کے باعث ساری رات اسے نیند نہ آسکی اور وہ بار بار اپنے اوپری ہونٹ پر انگلیاں پھیر کر خود کو تسلی دیتی رہی کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں لیکن دل میں ہونے والی کھد بد کسی طرح موقوف نہ ہوئی ساری رات کروٹیں بدلتے گزر گئی۔

اگلے روز کالج جاتے ہی وہ آمنہ کے سر ہوگئی وہ نگہم کی عجیب وغریب فرمائش سن کر حیران رہ گئی تھی۔ اوراس نے خاصی پس وپیش سے کام لیا، لیکن نگہم کے بڑھتے ہوئے اصرار کے سامنے اسے مانتے ہی بن پڑی۔ وہ دونوں گرلز ہوسٹل کی بیک سائیڈ پر سیڑھیوں پر آن بیٹھیں۔

''دیکھ لو نگہم یہ ذرا سا تکلیف دہ کام ہے اور تم میں برداشت کا مادہ بالکل بھی نہیں ہے۔'' آمنہ نے دھاگے کو انگلیوں پر بل دیتے ہوئے آخری بار اس کی رائے جاننا چاہی۔

''تم تو مجھے بچوں کی طرح ٹریٹ کر رہی ہو یہ اتنی ساری لڑکیاں جو یہ سب کچھ کرتی رہتی ہیں میں نے تو انہیں کبھی چیختے چلاتے یا درد سے تڑپتے نہیں دیکھا۔'' اس نے منہ بناتے ہوئے کہا اور آنکھیں بند کر کے چہرہ آمنہ کے قریب کر دیا۔

''اب نخرے بند کرو اور جو تم سے کہا گیا ہے وہ کرو۔''

''ان لڑکیوں کی اور بات ہے، ان کی ہمت تو قابل داد ہے، جو اپنا چہرہ بگاڑنے کے لیے اتنی کڑی آزمائشوں سے گزرتے ہوئے ذرا بھی نہیں ڈولتیں خیر تمہاری مرضی۔'' اس نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے دھاگے کا ایک سرا دانتوں میں دبایا اور انگلیوں میں تنے ہوئے دھاگے کو نگہم کی ناک اور ہونٹ کی درمیانی جگہ پر رکھ کر انگلیوں کو قینچی کی طرح حرکت دی۔

نگہم کو ایک پھریری سی آگئی اور اس نے بے اختیار بائیں آنکھ پر ہاتھ رکھ لیا کیونکہ اسے خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کہیں باہر نہ جا گرے۔ اس کے چہرے کے مساموں سے پسینے کے قطرے پھوٹ پڑے تھے۔ اور ایک آنکھ سے پانی بہنے لگا تھا۔

آمنہ کی چیخ سن کر وہ اس شاک سے باہر نکلی ایک لمحے کے لیے تو اسے حیرت بھی ہوئی کہ تکلیف میں تو وہ تھی پھر آمنہ کو چیخنے کی کیا ضرورت تھی لیکن دوسرے ہی پل اسے احساس ہوا کہ اس نے اپنے دانت اس بے چاری کے ہاتھ پر گاڑ رکھے تھے۔ تو اس نے جلدی سے اس کا ہاتھ دانتوں کی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے

قدرے معذرت خواہانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔آمنہ کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

''دراصل مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اتنی تکلیف ہوگی۔ اس لیے میں خود پر قابو نہ رکھ سکی۔'' وہ شرمساری سے گویا ہوئی۔

''تم نے تو درندے کا روپ دھارلیا تھا اب نجانے مجھے کتنے ٹیکے لگوانا پڑیں گے۔'' وہ روہانسی ہوتے ہوئے اپنا ہاتھ سہلانے لگی۔

''اب اتنی بھی مبالغہ آرائی نہ کرو۔'' نگہم نے آنکھیں نکالتے ہوئے چمک کر کہا۔

''میں نے دانتوں سے ہلکا سا تمہیں چھوا ہی تھا کہ مجھے یاد آگیا کہ تم تو کئی کئی ہفتے نہاتی ہی نہیں ہو۔''

'' یہ مبالغہ آرائی ہے یہ دیکھو۔'' اس نے اپنا ہاتھ اس کی آنکھوں کے سامنے کیا جس پر دانتوں کے نشان ثبت تھے۔

''اچھا تم تو ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا رہی ہو،قصور تو تمہارا اپنا ہے جب تمہیں یہ کام کرنا ہی نہیں آتا تھا تو ہامی ہی کیوں بھری تھی۔کسی اناڑی قصائی کی طرح مجھ پر تشدد کرنے لگیں اب میں اور کیا کرتی۔''

''اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ اس ذلیل لڑکے نے تمہارا دماغ خراب کردیا ہے۔'' آمنہ کو پھر سے تابش پر تاؤ آنے لگا۔

''تم اس کے پسندیدہ سانچے میں ڈھلنے کے لیے مری جا رہی ہو اور پھر یہ بھی تکرار ہے کہ اس سے نفرت ہے۔تم خود ہی بتاؤ یہ دماغی خلل نہیں تو اور کیا ہے، کالج کی کسی بھی لڑکی سے پوچھ لو تمہاری خوبصورت جلد اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی شہابی رنگت قابلِ رشک ہے۔تم تو ان چند خوش قسمت لڑکیوں میں سے ہو جن کو آرائش و زیبائش کے لیے کسی مصنوعی سہارے کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی لیکن تم ایسی خر دماغ ہو کہ تابش کے کہنے پر تمہیں اپنی مونچھیں نظر آنے لگی ہیں اگر بقول تمہارے تمہیں اس سے ایسی ہی چڑ ہے تو پھر تمہیں مونچھوں کے ساتھ داڑھی بھی رکھ لینی چاہیے۔''

''تم تو میرے لازوال حسن سے جلتی ہو، اسی لیے ایسے گھناؤنے مشورے دے رہی ہو۔'' نگہم نے بے معنی سی ہنسی ہنستے ہوئے بات کو مذاق میں ٹالنا چاہا۔

''ہنسو مت کیونکہ تمہاری ہنسی بہت کھوکھلی ہے۔تم کسے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہو مجھے یا خود کو'' آمنہ بہت زیادہ سنجیدہ ہو رہی تھی۔

''حقیقت یہ ہے کہ تم اس کے عشق میں گلے گلے ڈوب چکی ہو اور اس کی چاہت حاصل کرنے کے لیے ہر حد سے گزر جانا چاہتی ہو۔''

''نہیں تم غلط سمجھ رہی ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔'' اس نے کمزور سا احتجاج کیا۔

''ایسا ہی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو تم کو اس کی خاطر تکلیف برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی لیکن میں تم سے اتنا ضرور کہوں گی کہ تمہاری یہ روش تشویش ناک بلکہ تباہ کن ہے اس لڑکے کے جو انداز ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ اسے تم سے ذرہ برابر دلچسپی نہیں وہ صرف تمہارا مضحکہ اڑا کر اپنے لیے تفریح کا سامان کر رہا ہے۔ بعض لوگوں کی فطرت ہوتی ہے کہ دوسروں کو تضحیک کا نشانہ بنا کر آسودگی حاصل کرتے ہیں اور وہ بھی انہی لوگوں میں سے ہے۔تم نے ایک تماشے کی صورت اپنا آپ اس کے ہاتھوں میں سونپ دیا ہے اور خود اذیتی کے اس کھیل کو اس حد تک بڑھاوا دے دیا ہے کہ تمہارے دامن سے آگ کے شعلے اٹھنے لگے ہیں۔'' اب اس کی آواز میں ترحم کا عنصر نمایاں ہو گیا تھا۔

''تم مجھے بہت عزیز ہو نگہم میں تمہیں آگ سے کھیلتا نہیں دیکھ سکتی، خدا کے لیے اپنے بے لگام دل کے بہکتے قدموں کو ضبط کی زنجیریں پہنا دو تابش کی فطری چلبلاہٹ اور لاابالی پن کو تم کسی اور تناظر میں دیکھ رہی ہو۔ ابھی آنکھوں میں خمار کا رنگ کچا ہے ابھی سنبھلنا تمہارے اختیار میں ہے، تم کنارہ کشی اختیار کر لو۔ وقت یادوں کے نقوش پر جالے بن کر ہر تصویر کو دھندلا دے گا۔ زخموں کا اندمال ہو جائے گا۔ لیکن اتنی تاخیر نہ کرو کہ فیصلے کا اختیار تم سے چھن جائے۔'' وہ اس کے کندھوں پر ہاتھ دھرے قطرہ قطرہ کڑواہٹ اس کے کانوں میں ٹپکا رہی تھی۔

''اور اس نے تمہیں آس کی کسی کچی ڈور کا سرا بھی تو نہیں تھمایا۔ جس کے لیے تم بہتے پانیوں کی شوریدہ سر روانی پر قدم رکھنا چاہتی ہو۔'' وہ خاموش ہو کر نگہم کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔ لیکن نگہم کچھ نہیں بولی تھی۔ اس نے آمنہ کی سب باتیں سنی تھیں۔ لیکن ان کا مفہوم وہ سمجھنا نہیں چاہتی تھی لفظ سماعتوں پر دستک دے کر نامراد ہی لوٹ گئے تھے روح میں زنجیر پا خواہش کے شور تلے اس کی آواز کے سکوں کی کھنک دب کر رہ گئی تھی۔ کالج میں باقی وقت اس نے بڑے بوجھل دل کے ساتھ گزارا تھا۔ آمنہ بھی اس کی چپ میں مخل نہیں ہوئی شاید وہ اسے سوچنے کے لیے موقع فراہم کرنا چاہتی تھی۔

کالج کے گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے اس کی نظر جس چہرے پر ٹھٹکی تھی۔ وہ تابش کا چہرہ تھا یکبارگی دل اپنی چال سے چوک گیا تھا۔ تابش بھی اسے دیکھ چکا تھا۔ اور جینز کی جیبوں میں ہاتھ گھسائے چہرے پر بڑی فسوں خیز مسکراہٹ لیے اس کی طرف بڑھ رہا تھا وہ دل کو سرزنش کرتے ہوئے نظریں جھکائے اس کے پاس سے کترا کر گزر گئی اور سڑک پار کر کے دوسری طرف فٹ پاتھ پر تیز قدموں سے چلنے لگی۔ اپنے عقب میں قدموں کی مخصوص چاپ اسے احساس دلا رہی تھی کہ وہ بھی اس کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ اس نے اطراف میں نگاہیں دوڑائیں غنیمت تھا کہ فٹ پاتھ پر اکا دکا لوگ ہی نظر آ رہے تھے۔ البتہ سڑک کے دوسری جانب لڑکے لڑکیوں کی کثیر تعداد موجود تھی جو اپنی اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے کسی سواری کے انتظار میں تھے۔ نگہم کو مطلوبہ ویگن میں

بیٹھنے کے لیے اگلے چوراہے تک جانا تھا۔

''آپ یہاں بھی پہنچ گئے۔'' اس نے پیچھے دیکھے بنا دانت پیستے ہوئے کہا۔

''شکر ہے آپ نے زبان تو کھولی ورنہ میں تو اذن ملاقات کے انتظار میں ادھ موا ہو چلا تھا۔'' وہ اس کے بولنے کو اجازت سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ قدم ملا کر چلنے لگا۔

''میں ایک گھنٹے سے انتظار کی صعوبتیں جھیل رہا تھا اور آپ آ کر اس بے رخی سے چل دیں۔ چاہنے والوں کے انداز ایسے تو نہیں ہوا کرتے۔''

نگہم نے سختی سے ہونٹ بھینچتے ہوئے قدموں کی رفتار بڑھالی۔

''میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا وہاں گھر میں تو آپ سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا اسی لیے میں یہاں چلا آیا۔''

''یا خدا ابھی اسے موقع نہیں ملتا اگر مل گیا ہوتا تو نجانے کیا ہو جاتا۔'' اس نے چکرا کر سر تھام لیا۔

''میں آج آپ سے دوٹوک بات کرنے آیا ہوں۔''

''لیکن میں آپ کی کوئی بات سننا نہیں چاہتی۔''

''آپ کو سننا ہوگی کیونکہ یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔'' وہ ہٹیلے پن سے کہتے ہوئے اس کے سامنے آ گیا۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے؟ میرا راستہ چھوڑ دیں۔'' اس نے سٹ پٹا کر آس پاس دیکھا کچھ لوگ ان کی طرف متوجہ ہو کر معنی خیز نظروں سے انہیں دیکھنے لگے تھے۔

''اگر آپ نے میری بات نہ سنی تو میں قیامت تک آپ کے راستے میں کھڑا رہوں گا۔

اس کے لہجے میں پنہاں دھمکی کو محسوس کر کے وہ شدید بے بسی کے احساس میں گھر کر فٹ پاتھ سے نیچے اتر آئی۔ فٹ پاتھ نہر سے خاصا اونچا تھا اور یہاں وہ لوگوں کو حظ اٹھاتی نگاہوں سے قدرے محفوظ رہ سکتی تھی اسے شدت سے اپنی بے بسی کا احساس ہو رہا تھا۔ اگر وہ تابش کے کہے پر عمل نہ کرتی تو اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ اپنے نادر خیالات کا اظہار با آواز بلند شروع کر دیتا۔

''اب جلدی سے بھونک چکو۔'' اس نے تمام ادب آداب بالائے طاق رکھتے ہوئے پھٹ پڑنے والے انداز میں کہا۔

''توبہ توبہ ایسی زہر افشانی اور وہ بھی آپ جیسی مہذب اور شائستہ لڑکی کے منہ سے یقین نہیں آ رہا۔'' تابش نے گال پیٹتے ہوئے مصنوعی تاسف کا اظہار کیا۔

''یہ بھانڈوں والی حرکتیں کہیں اور جا کر کرنا، جو بکنا ہے فوراً بک دو کیونکہ میں تمہاری شکل بھی نہیں

دیکھنا چاہتی۔''

''ارے ہاں خوب یاد دلایا وہی بات کہنے کے لیے تو میں نے آپ کو زحمت دی ہے۔'' اس کے انداز میں ہنوز اطمینان تھا ''بات یہ ہے کہ میں ایک سو ایک طریقوں سے اپنی محبت کا اظہار کر چکا ہوں۔'' یکدم ہی اس نے یتیموں والی شکل بنالی تھی اور آواز سے بھی مسکینیت ٹپکنے لگی تھی ''میں نے لاکھ جتن کیے کہ آپ کے دل میں جگہ پاسکوں میں نے آپ کو پیار کے نذرانے پھولوں کی صورت میں پیش کیے کم وبیش پندرہ مقامات پر آپ کے حسن جہاں سوز کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار کاوشیں ہیں جن کا ذکر میں وقت کی کمی کے باعث نہیں کروں گا۔ آپ اس قدر ڈھیٹ حسینہ ہیں کہ آپ نے میری ہر کوشش پر بڑی سردمہری سے پانی پھیر دیا۔''

''میں تم پر اور تمہاری محبت پر لعنت بھیجتی ہوں۔ کم وبیش پندرہ بار۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز اونچی ہوگئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ غصے کی شدت سے اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ آنکھوں کے سامنے سرخی سی چھانے لگی۔

''اور اب اگر تم نے میرا تعاقب کیا تو میں شور مچادوں گی تم اس طرح سے مجھے بلیک میل نہیں کرسکتے۔'' وہ کانپتی ہوئی انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتی ہوئی فٹ پاتھ کی طرف بڑھنے لگی اسے کچھ تعجب ہوا توقع کے برعکس تابش اس کے پیچھے نہیں لپکا تھا بلکہ اس نے صرف ایک ہلکی سی سیٹی بجانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ لیکن جلد ہی حیرت کی جگہ خوف نے لے لی۔ جب نیڈو دوڑتا ہوا آکر یوں اس کے قدموں سے لپٹ گیا جیسے برسوں کی انسیت ہو۔ اس کے حلق سے برآمد ہونے والی چیخ بڑی بے ساختہ تھی اور چلتے قدم رک گئے تھے کیونکہ نیڈو کی خاموشی کے برعکس اس کے تیور کچھ زیادہ دوستانہ نہیں تھے۔ شاید وہ کہیں قریب ہی موجود تھا۔ اسی لیے تابش کی ہلکی سی پکار پر دوڑا چلا آیا تھا۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے تابش کی طرف دیکھا تھا۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے بڑے بے نیازانہ انداز میں کھڑا تھا۔

''کتوں کی فطرت یہی ہوتی ہے کہ ہر متحرک چیز پر جھپٹ پڑتے ہیں اور نیڈو کو تو بھاگتی دوڑتی چیزیں کچھ زیادہ ہی اٹریکٹ کرتی ہیں۔'' وہ یوں مزے سے بتانے لگا جیسے کتوں پر بننے والی کسی ڈاکومنٹری کا صداکار ہو۔

''تم نہایت لفنگے......''۔

''نہ نہ چیخنے کی غلطی نہ کیجیے گا۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر تنبیہی انداز میں کہنے لگا۔

''نیڈو کو چیختی چلاتی لڑکیوں سے سخت چڑ ہے اس کی نفیس طبیعت ایسی بدذوقی کو برداشت نہیں کرپاتی اور ایسے میں اس کاری ایکشن بھی بہت شدید ہوتا ہے۔''

''آخر تم کیوں ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑے ہو کیا چاہتے ہو مجھ سے؟۔'' وہ کسی قدر دھیمی پڑ گئی کیونکہ نیڈو کے حلق سے نکلنے والی غراہٹیں اور دانت نکوسنے کا دہشت ناک انداز تابش کی بات کی تصدیق کر رہا تھا۔

''ہاں یہ ہوئی ناں بات۔'' وہ چہکا ''بس آپ چند منٹ یہاں گھاس پر اطمینان سے تشریف رکھیں اور میری قسمت کا فیصلہ کرنے کے بعد بے شک ایک لمحہ بھی نہ ٹھہریے گا۔''

نگہم ڈھیلے قدموں سے چلتے ہوئے اس کے قریب آکر دھم سے گھاس پر بیٹھ گئی۔ نیڈو نے کسی باڈی گارڈ کی طرح اس کا ساتھ دیا تھا اور اب اس طرح چوکنے انداز میں اس کے سر پر سوار کھڑا تھا۔ جیسے اس کے جنبش کرتے ہی اس پر حملہ کر دے گا۔

''ہاں تو مس نگہم میں کہہ رہا تھا کہ آپ نے میری محبت کا جواب کبھی محبت سے نہیں دیا آپ کے گریز کی وجہ جو بھی ہو، لیکن میرے دل کی کیفیت یہ ہے کہ ایک دن آپ کو نہ دیکھوں تو بے چین ہو جاتا ہوں۔''

اپنے اردگرد چکراتا ہوا تابش اسے کسی تھرڈ کلاس رومانوی فلم کا ہیرو لگ رہا تھا لیکن بہرحال اس کی توجہ تابش کی نسبت نیڈو کی طرف زیادہ تھی۔

''اور آپ ہمارے گھر میں آتی بھی ہیں تو صرف ایک گھنٹے کے لیے اور چالیس پچاس منٹ بیٹھ کر رخصت ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ فیس ہم آپ کو پورے گھنٹے کی دیتے ہیں لیکن گھبرائیے مت میں آپ سے پیشہ ورانہ بے ایمانی کا حساب لینے نہیں آیا میں تو اپنی تشنگی کا تذکرہ کر رہا ہوں ہر عاشق کو سنگ دل محبوب کے پتھر دل کو پگھلانے کے واسطے اپنی محبت کا امتحان دینا پڑتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کے نزدیک جذبوں کی شدت کو پرکھنے کی کسوٹی کیا ہے لیکن میں نے یک طرفہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ اپنی جان دے کر اس محبت کو امر کر جاؤں جو میرے دل کا ناسور بن گئی ہے۔'' اس کی آواز میں جذبات کی آمیزش ضرورت سے کچھ زیادہ ہی تھی۔

''یہ تو میرے لیے بڑی خوش نصیبی کی بات ہوگی کہ میں اس دنیا کو آپ کے ذلیل وجود سے نجات دلانے کا ذریعہ بن جاؤں۔'' نگہم نے کن انکھیوں سے نیڈو کو دیکھتے ہوئے محتاط لہجے میں کہا۔

''اگر آپ کی یہ ہی مرضی ہے تو سر آنکھوں پر، میں اس نہر میں کود کر اپنی جان دے دوں گا تب تو آپ کو میری سچائی کا یقین آجائے گا۔'' وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا تھا۔

''جی جی بصد شوق اس نیک کام میں ایک لمحے کی تاخیر بھی میرے لیے باعث اضطراب ہے۔'' نگہم کا انداز جوش دلانے والا تھا۔

''ویسے میرے خیال میں اس نہر کی گہرائی آپ کو غرق کرنے کے لیے ناکافی ثابت ہوگی اگر آپ کسی دریا بلکہ سمندر کا انتخاب کرتے تو زیادہ مناسب تھا۔''

''شاید آپ جانتی نہیں کہ مجھے سوئمنگ نہیں آتی اور مجھے ڈبونے کے لیے چلو بھر پانی کافی ہوگا'' وہ یوں پر تولنے لگا جیسے واقعی چھلانگ لگا دینا چاہتا ہو۔

نگہم نے قدرے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

''لیکن مجھے ایک منٹ کی مہلت دیجیے میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔'' وہ اچانک رک کر کنارے سے واپس پلٹ آیا۔

''آپ کو انتظار کی زحمت تو اٹھانا ہوگی لیکن نیڈو آپ کو اچھی کمپنی دے گا۔'' وہ یوں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا جیسے کوئی چیز تلاش کر رہا ہو۔

نگہم چٹختے ہوئے اعصاب کو سنبھالے سخت اضطراب میں پہلو پر پہلو بدل رہی تھی۔

''تم رک کیوں گئے؟ لگاؤ چھلانگ اور قصہ پاک کرو، اگر تمہیں چند ایک ڈبکیاں بھی آگئیں تو مجھے بڑی مسرت ہوگی۔'' وہ چیلنج کرنے والے انداز میں بول پڑی۔

''جی میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔'' وہ جھک کر گھاس پر گری ہوئی ایک لمبی سی ٹہنی اٹھا کر واپس مڑا اور کنارے پر ٹھہر کر ٹہنی کو پانی میں ڈال کر بڑے انہماک سے یوں ہاتھ کو حرکت دینے لگا جیسے پانی کی گہرائی کا تعین کرنا چاہتا ہو، نگہم اس کی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے کوئی نتیجہ اخذ کرنے سے قاصر تھی۔

''اگر تمہیں مسخرہ بننے کا اتنا ہی شوقت ہے تو کسی سرکس میں جاب کیوں نہیں کر لیتے۔'' وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''میں جا رہی ہوں'' اس نے ڈرتے ڈرتے نیڈو کی طرف دیکھا جو اس کے اٹھنے پر مزید مستعد ہوگیا تھا۔

'' آپ اتنی کٹھور کیوں ہیں کہ ایک مرنے والے شخص کو اپنی آخری دید سے محروم کر دینا چاہتی ہیں۔

وہ دراصل دو ماہ پہلے تو مجھے پانی کی گہرائی کا بخوبی اندازہ تھا۔''

وہ سر کھجا کر جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا'' لیکن گزشتہ بارشوں کے بعد پانی کے لیول میں یقیناً کچھ اضافہ ہوگیا ہے۔ میں تو صرف یہ ناپنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ یہ اضافہ کہیں جان لیوا تو ثابت نہیں ہوگا۔ محبت اپنی جگہ لیکن عقل مندی کا تقاضا ہے کہ احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔''

''کیا؟۔'' اس کی بات سن کر نگہم کا دماغ بھک سے اڑ گیا'' بھاڑ میں گئے تم اور جہنم میں گئی تمہاری محبت۔'' وہ اپنی آکورڈ پوزیشن کی پروا کیے بغیر حلق کے بل چیخی تھی اور اس رفتار سے وہاں سے بھاگ پڑی کہ اگر نیڈو اس کے تعاقب میں آتا بھی تو اس کی برق رفتاری کے سامنے ٹھہر نہ سکتا۔ لیکن اس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ تابش نے اسے روکنے کے لیے آوازیں دی تھیں لیکن اس نے ویگن میں بیٹھ کر ہی دم لیا تھا۔

رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہی اسے احساس ہوا کہ خاصی دیر ہو چکی تھی اور اگر وہ پہلے گھر جاتی تو الغایہ کو پڑھانے کے لیے وقت پر نہیں پہنچ سکتی تھی اگلے اسٹاپ پر اتر کر اس نے ایک پی سی او سے گھر کے پڑوس میں اطلاع دے دی کہ وہ ٹیوشن پڑھا کر ہی گھر آئے گی، وہاں سے دوسری ویگن پکڑ کر وہ گرین ٹاؤن چلی گئی تھی ابھی وہ صوفے پر صحیح طرح سے بیٹھ بھی نہ پائی تھی کہ الغایہ بڑے جوش وخروش سے اسے بتانے لگی۔

''مس ماما چاچو کی شادی کروارہی ہیں۔ چاچی بڑی ہی پیاری ہیں بالکل Snow white جیسی۔'' اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔

''آج کوئی فضول بات مت کرنا میرے سر میں بہت درد ہے۔'' آواز کی کپکپاہٹ کو چھپانے کے لیے اسے بڑی تگ و دو کرنا پڑی تھی۔ آنکھوں میں تیرتی نمی چھلک کر اس کا بھید کھولنے کو بے چین تھی۔

الغایہ اس کے گھرکنے پر کچھ دیر تو خاموشی سے بیٹھی ہوم ورک کرتی رہی لیکن پھر اس کا فطری اضطراب عود آیا۔

''مس یہ طلسم کدو کیا ہوتا ہے'' کیا اسے بھی حلوا کدو کی طرح پکا کر کھاتے ہیں؟ میں نے کل ایک کہانی پڑھی تھی، اس میں جادوگر کے پاس بہت بڑا طلسم کدو تھا اور شہزادی اس میں قید تھی''

''طلسم کدو نہیں طلسم کدہ ہوتا ہے اسٹوپڈ، اور ایسی واہیات اسٹوریز کیوں پڑھتی ہو تم؟''

''نو مس وہ تو بڑے مزے کی اسٹوری ہے، میں ابھی آپ کو لا کر سناتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر جانے لگی۔

''خبردار اگر تم کہیں گئیں تو میں بہت بری طرح پیش آؤں گی۔'' اس نے آئرن سکیل ہاتھ میں لے کر الغایہ کو دھمکایا'' لاڈ پیار نے تمہیں بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ پڑھائی سے جان چھڑانے کے بہانے ڈھونڈتی رہتی ہو۔'' طیش سے اس کا وجود سلگنے لگا تھا۔

''مس اس میں پرستان کا شہزادہ بھی ہے میں ابھی لے کر آجاؤں گی'' وہ بدستور مچل رہی تھی۔

غصے نے نگہم کی آنکھوں کے سامنے پردہ سا تان دیا۔ اس نے الغایہ کو بازو سے گھسیٹ کر اپنے قریب کیا اور آئرن سکیل پوری قوت سے اس کے سر میں مار دیا۔

''نان سینس بدتمیزی کرتی ہو'' اس کا ہاتھ رکا نہیں تھا وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

''خبردار اگر تم نے ذرا سی بھی آواز نکالی تو میں روزانہ تمہاری پٹائی کروں گی اور تمہیں لکھنے کے لیے اتنا کام دوں گی کہ لکھتے لکھتے تمہاری انگلیاں ٹیڑھی ہو جائیں گی۔'' اپنے دہشت گردوں والے لب و لہجے پر وہ خود بھی حیران ہو رہی تھی۔

الغایہ کے حلق سے ایک سسکی بھی نہیں نکلی وہ بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی خطرناک حد تک سفید پڑتی رنگت دیکھ کر انجانے سے خوف نے نگہم کے دل کو مٹھی میں لے لیا۔ اس نے اپنا پرس اٹھایا اور خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے کے قریب رک کر اس نے ایک نظر مڑ کے دیکھا۔ تو الغایہ ابھی تک ایک سکتے کی سی کیفیت میں تھی وہ جلدی سے دروازہ کھول کر باہر آگئی۔ باہر نکلتے ہوئے وہ تابش سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی جو نجانے کتنی دیر سے دروازے کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ گیٹ تک کا راستہ اس نے بڑی بوکھلاہٹ میں طے کیا تھا۔

◀▶▶◀▶◀◀▶

محبت کا خمیر درد کی زمیں سے اٹھا ہے۔
یہ دکھ کی بیل ہے جو رگ جان سے لپٹ کر روح کی کوکھ میں سناٹے اتار دیتی ہے۔ سانسوں میں ریت اڑانے والی اور دھڑکن کی تال میں دکھ کا راگ بسانے والی محبت ہی تو ہے۔
وہ نجانے کتنی دیر سے آئینے پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ تھکن عکس بن کر اس کے چہرے پر ٹھہر گئی تھی اسے اپنا چہرہ خود اجنبی سا لگ رہا تھا۔
''جب دل کے آنگن میں بانجھ محبت کا دکھ اتر آئے تو شاید چہرے پر ایسی ہی زردیاں کھنڈ جاتی ہیں۔'' اس نے رخساروں کو چھوتے ہوئے نل کھولا اور یونہی بے مقصد چہرے پر پانی کے چھپکے مارنے لگی، پانی تو سرد تھا لیکن جلتی آنکھوں کو چھو کر جھلنے لگا تھا،
آنسو پانی کے ساتھ مل بھی جائیں تو بھی اپنی شناخت نہیں کھوتے کیونکہ آنسوؤں کے قالب میں درد کا شرر چھپا ہوتا ہے۔

◀▶▶◀▶◀◀▶

وہ آخری بار الغایہ کے گھر آئی تھی، گھر سے سوچ کر نکلی تھی کہ فاکہہ آپی سے فیصلہ کن بات کرے گی اور پھر کبھی وہاں نہیں جائے گی، گیٹ کے سامنے پہنچ کر اس کے ذہن میں گزشتہ روز کا واقعہ لہرایا تو ایک لمحے کے لیے دھڑکنیں منتشر ہوگئیں۔ کل غصے میں وہ بالکل ہی خود پر قابو کھو بیٹھی تھی، الغایہ کی اڑی ہوئی رنگت اور متوحش آنکھیں دیکھ کر اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا تھا اور پھر تابش نے جس خاموشی سے اسے جانے دیا تھا اس نے اس کی گھبراہٹ میں مزید اضافہ کر دیا تھا وہ سر جھٹک کر سوچوں سے دامن چھڑاتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ تابش کو پورٹیکو کے پلر کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا دیکھ کر دل سے ایک ہوک اٹھی تھی۔
''شاید یہ آخری ملاقات ہے، اس کے بعد سب کچھ ختم ہو جائے گا، آج کے بعد میں اسے کبھی نہ دیکھ پاؤں گی۔'' اس کے روم روم سے ٹیس اٹھ رہی تھی۔
''اب تم کس لیے آئی ہو؟'' اسے تابش کا لہجہ بہت بدلا بدلا سا لگا۔ اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔
''تمہیں حیرت کس بات پر ہے اپنی سفاکی پر یا ہمارے تحمل پر؟'' وہ اب بھی کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔
''لیکن میں شاید کچھ زیادہ تحمل کا مظاہرہ نہ کر پاؤں اگر الغایہ مر گئی تو تمہیں بھی قبر میں اترنا ہوگا۔''
اس کے سرد لہجے نے نگہم کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا دی۔
''کیا مطلب؟ کیا ہوا الغایہ کو؟'' اندیشوں کے ناگوں کی پھنکاریں روح کو سہمانے لگی تھیں۔ الغایہ کا

زرد پڑتا چہرہ آنکھوں کے سامنے رقصاں تھا۔

''تم بولتے کیوں نہیں کیا ہوا الغایہ کو......؟'' وہ کچھ دیر اس کے چہرے پر نظریں گاڑے کھڑا رہا اس کی خاموشی سے نگہم کے دل کی دھڑکنیں مدھم پڑنے لگی تھیں۔

''وہ ہاسپٹل میں زندگی کی آخری سانسیں لے رہی ہے مار ڈالا ہے تم نے اس کو۔''

وہ اتنی زور سے چیخا کہ کہ نگہم سراسیمگی سے ایک قدم پیچھے ہٹ گئی اسے اپنی رگوں میں خون جمتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''کیا؟'' اس کے حلق سے خرخراہٹ برآمد ہوئی تھی۔

''جس بچی نے کبھی ڈانٹ نہیں سنی تم نے اس پر اتنا بہیمانہ تشدد کیا کہ وہ موت کی وادی کے کنارے پہنچ گئی اور اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ اس معصوم کی جان لینے کے بعد تم زندہ رہ سکو گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔''

''یہ سب جھوٹ ہے، میں خود اندر جا کر دیکھوں گی تم یقیناً مذاق کر رہے ہو۔'' اسے خود اپنی آواز بہت کھوکھلی لگی تھی۔

''ہاں جاؤ ضرور دیکھو جس گھر کو تم نے قبرستان بنا ڈالا ہے وہاں اپنی فتح کا جشن مناؤ۔'' نگہم نے دیوار کا سہارا لے لیا کیونکہ بے جان ٹانگیں جسم کا بوجھ سہارنے کے قابل نہیں رہی تھیں۔

''عامر نے مجھے بتایا تھا کہ تم اسے اور زینی کو بھی وحشیوں کی طرح پیٹتی ہو، کاش میں اس وقت ہی سمجھ جاتا کہ تمہارے ذہن میں کوئی گتھی ہے کوئی ایسی نفسیاتی الجھن ہے جو بعض اوقات تمہیں انسانیت کی قدریں بھلا دیتی ہے اور تمہیں تشدد پر اکساتی ہے۔ تم اپنے اندر کی تلخیوں کا حساب ان سے لیتی ہو جو کمزور ہیں جو پلٹ کر تمہارا ہاتھ نہیں روک سکتے۔ بچے تو فرشتے ہوتے ہیں، صرف پیار کیے جانے کے لیے اور تم ایسی شقی القلب ہو، اوہ میرے خدا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا تمہاری ظاہری تب و تاب نے تمہاری ہر خامی کو میری نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ کاش تمہارا یہ روپ میں پہلے دیکھ لیتا تو آج الغایہ یوں بستر مرگ پر موت کی منتظر نہ ہوتی۔''

الفاظ نشتروں کی صورت ایک ایک رگ میں پیوست ہو رہے تھے۔ اس کی یہ کون سی صورت اسے دکھائی جا رہی تھی کہ اسے خود سے گھن آنے لگی تھی۔ وہ اب کبھی اس دنیا کو نہیں دیکھنا چاہتی تھی اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

''تم مجھے ہاسپٹل لے چلو میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''وہ کل سے بے ہوش ہے ڈاکٹرز کے مطابق سر پر لگائی جانے والی ضربات جان لیوا ثابت ہو سکتی ہیں، وہ صرف چند لمحوں کے لیے ہوش میں آئی تھی اور جیسے ہی تمہارا نام لیا گیا وہ چیخنے لگی، خوف سے اس پر تھرتھری طاری ہو گئی ویسے بھی اگر تم وہاں چلی گئیں تو بھیا اور بھابھی تمہارا گلا گھونٹ دیں گے وہ تو تمہارے

خلاف ایف آئی آر درج کروا دینا چاہتے تھے، لیکن میں نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ کیا کروں مجبور ہوں ناں مجھے تم سے محبت جو ہے۔'' وہ اس کی جانب بے یقینی سے دیکھنے لگی وہ رخ پھیرے کھڑا تھا۔

''تابش مجھے بچالو میرا سانس بند ہو رہا ہے۔'' وہ بلکتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئی۔

''میں نے کچھ نہیں کیا، میں نے اسے مارنا نہیں چاہا تھا میں تو......'' سسکتے ہوئے لفظ لرزتے لبوں پر دم توڑ رہے تھے۔ حلق میں آنسوؤں کے پھندے کے باعث اس سے بات مکمل نہ ہو سکی تھی۔

''اگر تم مجھ سے کسی ہمدردی کی توقع کر رہی ہو تو میں تمہیں کسی خوش فہمی میں نہیں رکھنا چاہتا۔ اگر وہ زندگی کی بازی ہار گئی تو میں اپنی محبت کے باوجود تمہیں پھانسی کے پھندے پر جھولتا دیکھنا چاہوں گا۔'' اس کا لہجہ اتنا برفیلا تھا کہ نگہم کو جھرجھری آ گئی۔

''یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔'' وہ چہرے پر ہاتھ رکھے ہچکیوں کے درمیان بولی تھی۔

''میری وجہ سے؟''

''ہاں تمہاری وجہ سے اگر تم مجھے اتنی اذیت نہ دیتے تو میں اس پر ہاتھ نہ اٹھاتی، تمہاری بے ں ۔ مجھے مجبور کر دیا تھا اگر تم مجھ سے محبت کے دو بھیگے بول کہہ دیتے تو میری جلتی روح یوں چنگاریاں نہ اڑاتی۔'' وہ پھولی سانسوں کے درمیان بمشکل بول رہی تھی۔

''تمہارے دیئے ہوئے نارسائی کے زخم ہی میرے بدن پر آبلے بن کر پھوٹے ہیں، لیکن میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گی۔ جو انسان محبت نہ کر سکتا ہو وہ کسی پر مہربانی کیا کرے گا۔ تم میرے خلاف ایف آئی آر کٹوا کر مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دو۔ وہ محبت جو میں نے تم سے کی ہے اس کی سزا تو ملنی ہی چاہیے مجھے۔'' اس کا گلا سوکھنے لگا تھا اور آواز پھٹ سی گئی تھی۔ اس نے برستی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر چہرہ گھٹنوں پر جھکا لیا۔

''ایف۔ آئی آر تو ضرور کٹے گی اور جیل میں بھی بھجوایا جائے گا۔ بس ذرا تازہ ترین اطلاع کا انتظار ہے۔ جیسے ہی بچی نے آخری سانس لی یہ سب کام کر لیے جائیں گے۔'' اس کے بدلے ہوئے لہجے نے نگہم کو چونکا دیا۔ اس نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اٹھا کر بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بدستور رخ موڑے ہوئے تھا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو، یہ سب بکواس ہے، اگر الغایہ اتنی بیمار ہوتی تو تم گھر پر کیوں موجود ہوتے، تم بھی سب کے ساتھ ہاسپٹل میں ہوتے۔'' اس کے حواس شاید اب کچھ کام کرنے لگے تھے، ورنہ اب تک یہ بات اس کے ذہن میں نہیں آئی تھی۔

''میں تو اس لیے یہاں موجود ہوں تاکہ تمہیں فرار ہونے سے روک سکوں اگر مجرم ہی غائب ہو جائے تو قانونی کاروائی کا کیا فائدہ؟'' ابھی وہ بول ہی رہا تھا کہ الغایہ ڈرائنگ روم کا دروازہ دھکیلتی ہوئی باہر آ گئی۔

اسے دیکھ کر نگہم ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟ تمہاری حالت بہت نازک ہے۔ چلنا پھرنا خطرے سے خالی نہیں، چلو جا کر بستر پر لیٹ جاؤ۔'' تابش بوکھلا کر جلدی جلدی اسے واپس بھیجنے کی کوشش کرنے لگا۔

''میں تو بتانے آئی ہوں کہ یہ چاچی بہت گندی ہیں۔'' وہ ناک سکوڑ کر بت کی طرح ایستادہ نگہم کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

''انہوں نے مجھے بہت مارا ہے میرے سر میں گول مول لیمن اُگ آیا ہے۔'' وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر اپنا سر ٹٹولنے لگی۔

''ہم اچھی والی چاچی لے کر آئیں گے، جو نہ ماریں اور نہ ڈانٹیں۔''

''تم اندر جاؤ میں کل تمہیں چاچیوں کی منڈی لے کر جاؤں گا وہاں سے اپنی پسند کی چاچی لے لینا میں ذرا اس چاچی کو چپ کروادوں۔ دیکھو میں نے کتنی پٹائی کی ہے اس کی رورو کر بے چاری کی شکل نا قابل شناخت ہوگئی ہے۔'' تابش نے الغایہ کو اندر دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔ اور پلٹ کر تیز قدموں سے چلتا ہوا نگہم کے قریب آ گیا، جو اب تک کسی مجسمے کی طرح ساکت وصامت کھڑی تھی، تابش کے پاس آنے پر بھی اس کی پلکوں میں جنبش نہ ہوئی تھی۔

''اس سے پہلے کہ تم فرار ہوجاؤ میں تمہیں ہتھکڑیاں پہنا دینا چاہتا ہوں۔'' اس کے چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں شرارت رقصاں تھی۔ اس نے جلدی سے ٹیبل سے پھولوں کے گجرے اٹھائے اور نگہم کی کلائیوں میں پہنا دیئے۔ اس کے وجود میں اب بھی کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی اور آنکھیں جیسے کسی غیر مرئی نکتے پر جمی ہوئی تھیں۔

''بھیا اور بھابی تمہارے گھر تمہاری شکایت درج کروانے گئے ہیں ہوسکتا ہے اب تک تمہیں سزا بھی سنائی جا چکی ہو۔'' وہ اتنے قریب آ کر سرگوشی میں بولا تھا کہ نگہم نے اس کے سلگتے سانسوں کی حدت اپنے چہرے پر محسوس کی۔

''تمہیں جس جیل میں رکھا جائے گا اس کا جیلر بڑا رومان پسند ہے اس سے بچ کر رہنا۔'' تابش نے اس کا یخ ہاتھ تھام کر اپنے جھلستے ہونٹوں کا لمس دینا چاہا تھا کہ اس نے بھبک کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور کلائیوں میں سے گجروں کو نوچ کر پھینک دیا۔ اس کے یوں بھڑکنے پر تابش کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

''کیا ہوا؟ کیا ہتھکڑیوں کا بوجھ بہت زیادہ تھا؟'' اس نے ناگواری کو چھپاتے ہوئے شگفتگی کا مظاہرہ کیا۔

''مجھ جیسی قابل نفرت لڑکی کے ساتھ کوئی رشتہ جوڑ کر تم اپنی زندگی کیوں برباد کرنا چاہتے ہو؟ میں تو نفسیاتی مریضہ ہوں، میری شخصیت میں نفسیاتی کجیاں ہیں، مجھے تو پاگل خانے یا کسی سائیکاٹرسٹ کے کلینک میں

ہونا چاہیے تم جیسے نارمل صحت مند رویوں کے مالک انسانوں کو مجھ سے دور ہی رہنا چاہیے۔'' وہ چہرے پر تنفر لیے بڑی درشتگی سے کہہ رہی تھی۔

''وہ تو محض ایک مذاق تھا، میں تو تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ غصے میں آپے سے باہر ہو جانا بعض اوقات سنگین واقعات کو جنم دیتا ہے، اور تم اپنی شخصیت کی اس کمزوری پر قابو پانے کی کوشش کرو۔'' اس آکورڈ سچویشن نے تابش پر گھبراہٹ طاری کر دی تھی۔

''اب ہمارے والا معاملہ ہی لے لو میں کل سے الغایہ کو بہلا رہا ہوں کہ کہیں وہ اس واقعے کا ذکر بھابی سے نہ کر دے، اکلوتی ہونے کی وجہ سے وہ بھیا اور بھابی کی اس قدر لاڈلی ہے کہ اس سے کبھی اونچی آواز میں بات بھی نہیں کی جاتی اگر وہ بھابی سے کہہ دیتی کہ تم نے اسے مارا ہے تو انہیں بہت برا لگتا اور پھر شاید ہماری شادی کا مسئلہ بھی کھٹائی میں پڑ جاتا۔ تم نہیں جانتیں ان کے لیے الغایہ ہر چیز سے زیادہ اہم ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں بات کرتے ہوئے بگڑی ہوئی صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

لیکن نگہم کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بدستور نفرت کی آگ ہلکورے لے رہی تھی۔

''تمہیں تو نفسیاتی معالج ہونا چاہیے کس شاندار طریقے سے تم روحانی بیماریوں کا علاج کرتے ہو، لیکن شاید خود تمہیں بھی علاج کی ضرورت ہے، میری بیمار روح کے سڑے ہوئے زخم تو تم نے دیکھ لیے لیکن اپنی ذات پر دمکتے ہوئے بے حسی کے داغ یقیناً تمہاری نگاہوں میں کھٹکتے نہیں ہوں گے۔ تم نے مجھے اس طرح ذہنی ٹارچر کیا کہ میرے اعصاب جواب دے گئے، میں مانتی ہوں میں تلخ تھی لیکن میری ذات میں کڑواہٹ کا زہر تم نے گھولا ہے، تم مجھے ایک بے جان چیز کی طرح ٹریٹ کرتے رہے تم نے مجھے مذاق کے نام پر اتنی اذیت دی کہ میری نس نس میں درد سما گیا اور آج تم نے کیا کیا یہ بھی تمہارے لیے مذاق ہوگا۔ ایک بے ضرر مذاق جس کے نتیجے میں شاید میری سانسیں رک جاتیں لیکن تمہیں کیا تم تو معاشرے کی اصلاح ایک نہایت لطیف اور پر مزاح طریقے سے کر رہے ہو، اپنا مشن جاری رکھو شاید میرے علاوہ اور لوگ بھی تمہاری مسیحائی سے فیض یاب ہو جائیں۔''

تابش سر جھکائے خاموشی سے اس کو سن رہا تھا لیکن جیسے ہی وہ بات ختم کر کے واپس جانے لگی وہ بھاگ کر اس کے قریب پہنچا اور اس کی کلائی پکڑ کر اس زور سے جھٹکا دیا کہ نگہم نے بڑی مشکل سے خود کو اس پر گرنے سے بچایا۔ تکلیف کے مارے اس کے حلق سے سسکاری نکل گئی۔

''چھوڑو مجھے تمہاری جرات کیسے ہوئی کہ مجھے چھوؤ۔ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔''

وہ کسما کر خود کو اس کی گرفت سے چھڑوانے کے لیے اپنے بدن کی پوری قوت صرف کر رہی تھی لیکن تابش کے مضبوط ہاتھ کی گرفت ذرا سی ڈھیلی بھی نہیں پڑی تھی۔

''آرام سے ٹھہر کر میری بات سنو۔'' اس کے چہرے پر پتھریلی سنجیدگی پھیلی ہوئی تھی۔
''میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم اتنی آگ بگولا کیوں ہو رہی ہو جب انسان کو حقیقت کا آئینہ دکھایا جاتا ہے اور اس میں اسے اپنی مرضی کا عکس نظر نہیں آتا تو وہ یونہی تلملا جاتا ہے۔ جیسے تم اپنا بگڑا ہوا عکس دیکھ کر بدک رہی ہو۔ اصل میں تم نے الغایہ پر خوامخواہ ہاتھ اٹھا کر جو غلطی کی ہے اس پر تم بہت شرمندہ ہو لیکن اپنی خجالت کو مٹانے کے لیے تم اونچی آواز اور درشت لب و لہجے کا سہارا لے رہی ہو۔ یوں چیخ چلا کر دراصل تم اپنے دل میں ہونے والے شور کو دبانا چاہتی ہو۔''
اس کی گرفت اب بھی ڈھیلی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن نگہم نے جدوجہد موقوف کر دی تھی۔ اس کی آنکھوں سے بے آواز آنسو بہہ رہے تھے۔
''اچھا تمہیں جتنا بھی غصہ کرنا ہو مجھ پر کر لیا کرنا۔ میں اف تک نہیں کروں گا میرے سر میں لیمن اگیں یا تربوز لیکن یہ سر ہر دم تمہاری خدمت میں حاضر رہے گا۔'' وہ پھر شوخ ہو رہا تھا۔
''بلکہ میں تمہیں پاکستان آرمی میں بھرتی کروا دوں گا تا کہ دشمن کی فوجیں تمہارے آتش فشاں نما حسن کی حدت سے جل کر راکھ ہو جائیں ویسے بھی تم میں ایک بھرپور جنگجو کی صلاحیتیں موجود ہیں۔''
''اپنے بھائی اور بھابھی کو موبائل پر کال کر کے روک دو کہ وہ میرے گھر نہ جائیں۔ کیونکہ میں تمہارے لیے کبھی ہاں نہیں کروں گی اور انہیں خوامخواہ ہتک کا احساس ہوگا۔'' وہ ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے سے گریزاں تھی۔
''اقرار تو تم کر چکی ہو اور وہ ریکارڈ پر موجود بھی ہے۔ اب ہاں کرو یا ناں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔
وہ کچھ نہیں سمجھی تھی اس کا اشارہ نجانے کس بات کی طرف تھا۔
''الغایہ کے آنے سے پہلے تم نے میری محبت میں ایک اچھا خاصا مقالہ پڑھا تھا اور اس کا ایک ایک لفظ میرے دل پر نقش ہے اگر کہو تو سنا دوں۔''
اسے یاد آیا کہ وہ روتے ہوئے کیا کیا بول رہی تھی تو بے اختیار دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں، اور تابش سے بے طرح شرم آنے لگی۔ ''میں تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی زندگی کوئی مذاق نہیں ہوتی لیکن تمہارے نزدیک تو ہر چیز ایک مذاق ہے تم سنگین مذاق کرتے ہو، اور پھر یہ خواہش رکھتے ہو کہ کوئی درد سے چلائے بھی نہ اور مسکرا کر تمہیں تمہاری عمدہ حس مزاح پر داد دے۔''
''اب معاف بھی کر دو نگہم۔'' وہ منت آمیز لہجے میں بولا۔
''چلو میں سنگین مذاق کرتا ہوں اور تم سنگین تشدد، ہم دونوں سنگین مل کر زندگی کو رنگین بنا دیں گے۔''
اس نے کچھ اس انداز سے کہا تھا کہ نگہم کو اپنی ہنسی روکنے کے لیے زبردست جدوجہد کرنا پڑی۔

''مجھے آئینہ دکھانے کا بہت شکریہ لیکن کاش تم اس آئینے میں اپنا عکس بھی دیکھ لیتے۔'' وہ بدستور کھردرے لہجے میں بول رہی تھی۔

''تمہیں کس نے کہا کہ میں آئینہ نہیں دیکھتا تو میں چوبیں گھنٹوں میں سے بیس گھنٹے آئینے کے سامنے گزارتا ہوں۔ اب اللہ نے اتنا حسن دے دیا ہے کہ آنکھیں ہی نہیں بھرتیں۔''

''میرا ہاتھ چھوڑ دو پلیز مجھے درد ہو رہا ہے۔'' اس نے پھر سے کلائی چھڑوانے کی کوشش کی۔

''ایسے تو میں تمہیں نہیں جانے دوں گا جب تک تم مجھے گارنٹی نہ دو کہ تم کوئی گڑبڑ نہیں کرو گی تم یہاں سے نہیں جاسکتیں۔'' اس نے ہاتھ کی گرفت مزید سخت کرتے ہوئے نگہم کو ذرا سا اپنی طرف کھینچ لیا ''اور اگر جلد ہی تم نے حسب منشاء جواب نہ دیا تو میں اپنی گرفت کا دائرہ کار بڑھاتا چلا جاؤں گا۔'' وہ بازو پھیلاتے ہوئے اس کی طرف جھکا۔

اس کے ارادے بھانپ کر وہ سرخ پڑ کر سمٹنے لگی۔

''پلیز مجھے جانے دو۔'' اس کے قرب کی آنچ سے نگہم کے دل کی دھڑکیں پگھلنے لگی تھیں اور جسم کا سارا خون جیسے چہرے پر سمٹ آیا تھا۔

''جلدی سے ہاں کہہ دو ورنہ اب میں ایک رنگین مذاق کرنے لگا ہوں۔'' تابش نے بازو نگہم کے گرد لپیٹتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

اس کی بولتی آنکھوں کے اشارے نگہم کے حواس مختل کر رہے تھے۔ ''ہاں ٹھیک ہے میں......''

اس نے آنکھیں بند کر کے جلدی سے کہنا شروع کیا لیکن اٹک گئی ''اگر تم نے میرا ہاتھ نہ چھوڑا تو میں تمہارے ہاتھ پر کاٹ کھاؤں گی۔'' اس نے اچانک ہی پینترا بدلا تھا۔

''تمہاری سوئی ہوئی خونخوار جبلت پھر سے جاگ گئی'' تابش نے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

اس کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی نگہم سرپٹ گیٹ کی جانب دوڑ پڑی۔

''میں نکاح کے وقت انکار کردوں گی پھر تم بال نوچتے رہنا'' وہ ایک لمحے کے لیے گیٹ کے قریب رکی۔

''تم فکر نہ کرو میں نیڈو کو ساتھ لے کر آؤں گا وہ خود ہی تم سے دستخط کروالے گا۔'' تابش نے وہیں سے ہانک لگائی۔

◀▶▶◀▶◀◀▶

تمام مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد تابش رات کے دو بجے پھولوں سے آراستہ و پیراستہ حجلہ عروسی میں داخل ہوا تو دلہن کو کھڑکی کے پاس چاندتاروں میں محو کھڑا دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئیں، شاید نگہم کو اس

ے اندر آنے کی خبر نہ ہوئی تھی وہ دبے قدموں سے چلتا ہوا اس عقب میں پہنچا اور دھیرے سے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

''بہت ہی بے شرم دلہن ہو ابھی رسمیں باقی ہیں اور تم ادھر سے ادھر ٹہلتی پھر رہی ہو۔''اس نے نگہم ے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے آہستگی سے اسے اپنی جانب موڑ لیا۔

نگہم اس کے اس قدر قریب آنے پر اس بری طرح سٹ پٹائی تھی کہ حیا سے بوجھل پلکیں بھی اٹھا نہ پا رہی تھی۔ پورا وجود دل بن کر دھڑکنے لگا تھا۔ تابش کی پرشوق، والہانہ نگاہیں اس کے ایک ایک نقش کو کھوج رہی تھیں۔ آف وہائٹ اینڈ پیرٹ گرین کنٹراسٹ کے لہنگے، بھاری جڑاؤ زیورات اور بیوٹیشن کے مہارت سے کیے گئے میک اپ نے اس کے حسن کی ضوفشانی کو مبہوت کر دینے کی حد تک بڑھا دیا تھا۔ تابش کئی ثانیے اس کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا پایا۔ وہ اس کی کمر میں بازو حمائل کیے اسے بیڈ تک لے آیا۔

''چلو یہاں آرام سے بیٹھو مشرقی دلہنوں کی طرح گردن جھکا کر۔'' وہ لہجے میں تحکم پیدا کرتے ہوئے بولا۔

''ارے کہیں تم کھڑکی کے راستے فرار تو نہیں ہو رہی تھیں۔ شکر ہے میں وقت پر پہنچ گیا ورنہ میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔''

نگہم خاموش بیٹھی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں مسکاتی اس کی لن ترانیوں کو سن رہی تھی۔

''ہاں یاد آیا ایک رسم ابھی باقی ہے۔ گود بٹھائی تو ہو ہی نہیں پائی۔''

''تابش میں بہت تھک گئی ہوں۔'' اسے زبان کھولنا پڑی کیونکہ صبح سے اکڑے اکڑے بیٹھ کر اسے اپنے پٹھوں میں کھنچاؤ محسوس ہو رہا تھا۔

''اور گود بٹھائی کیسی؟ میرا تو کوئی دیور ہی نہیں ہے، اور اگر تمہاری مراد انوار بھائی سے ہے تو میری گود ان کے لیے ناکافی ہوگی۔'' اس نے انوار بھائی کے موٹاپے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''ہائیں؟۔'' تابش نے آنکھیں پھیلائیں۔

''کیا دلہنیں ایسے ہی پٹر پٹر بولا کرتی ہیں جیسے تم بول رہی ہو، خاموشی بیٹھو تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے کہ گود بٹھائی کے لیے کس کا انتخاب کیا گیا ہے۔'' وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

نگہم حیران ہو رہی تھی کہ سب مہمانوں کے چلے جانے کے بعد تابش کو کیا سوجھی تھی کہ گود بٹھائی کرنے چلا ہے۔

جب وہ کچھ دیر بعد نیڈو کو ساتھ لیے اندر داخل ہوا تو نگہم کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''چلو بھئی آنٹی کی گود میں بیٹھ جاؤ'' تابش کے اشارہ کرنے پر نیڈو اچھل کر بیڈ پر چڑھ گیا تھا۔ نگہم

سراسیمہ ہو کر تھوڑا سا پیچھے کو کھسک گئی۔

''خبردار اگر تم میرے قریب آئے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' اس نے تکیہ اٹھا کر نیڈو کو تنبیہہ کی

''اپنے انکل کے کندھوں پر چڑھوان ہی سے تمہارا زیادہ قریبی رشتہ ہے۔'' نیڈو سہم کو بیڈ سے نیچے اتر اور تابش کی ٹانگوں سے لپٹ کر کھڑا ہو گیا۔

''اب تو بڑی شرافت دکھائی ہے اس نے ورنہ پہلے تو میرا خون خشک کر رکھا تھا'' نگہم نے اس کی فرماں برداری پر حیرت کا اظہار کیا۔

''دراصل یہ صرف غیر شادی شدہ لڑکیوں پر غراتا ہے۔ شادی شدہ خواتین سے تو اس کی جان جاتی ہے۔ چلو ٹھیک ہے اب تم باہر جاؤ دلہن تو تم نے دیکھ ہی لی ہے۔ گود بٹھائی نہ سہی کچھ اور رسمیں ابھی باقی ہیں جو صرف دولہا دلہن کو ادا کرنی ہوتی ہیں۔'' وہ دروازہ کھول کر نیڈو کو باہر نکالنے لگا نگہم اس کا اشارہ سمجھ کر اپنے آپ میں سمٹ گئی۔ دل جیسے کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔

''اب ان رسموں سے تو آپ کو کوئی انکار نہیں؟'' تابش نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے ہونٹوں کا نشان ثبت کرتے ہوئے بھیگے لہجے میں پوچھا تھا۔ اور اس شگفتہ لہجے کی کن من پھواروں نے اس کے تن من کو پیار کی برکھا میں بھگو دیا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ کو دیکھا کسی کے نام کا ستارہ ریکھاؤں میں چمک رہا تھا۔ اس نے اپنی ہتھیلی چوم کر سرشاری سے آنکھیں موند لیں رنگ میں ڈوبی ہوئی رات بہکی چال چلتی دھیرے دھیرے سرکنے لگی۔

ختم شدہ